عِندَ اللّٰہِ الاِسلام



محمد انور القادری





تالیف

استاذ العلماء
حضرت علامہ مفتی محمد انور القادری النوری

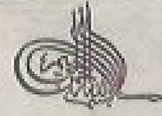
شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور

جامعہ غوثیہ رضویہ گلبرگ لاہور



ناشر
بزم نور جامعہ خلیل اکبر شالامار ٹاؤن لاہور

E:mail : alnoor_7862000@hotmail.com | alnoor_7862000@yahoo.com


نام کتاب	عند اللہ الاسلام
مصنف	مفتی محمد انور القادری
کمپوزنگ	حافظ محمد مطیع الرسول، محمد محب الرسول
سرورق	حافظ محمد مطیع الرسول [نورانی کمپوزنگ سنٹر لاہور 0321-4166809]
طباعت باہتمام	UNIQUE PUBLISHERS Urdu Bazar, Lahore 0300-4460308
مشاورت	علامہ مولانا محمد منور نورانی، حافظ مولانا محمد اکرم
معاونین خصوصی	مولانا محمد اصغر شاکر ناظم اعلیٰ جامعہ غوثیہ رضویہ گلبرگ لاہور، مولانا محمد ارشد نعیمی ناظم جامعہ فخر العلوم دار و غنہ والا لاہور
ناظر	حافظ محمد حبیب الرسول
صفحات	330
ہدیہ	۱۵۰

ملنے کا پتہ

- جامعہ خلیل اکبر عقب نگار خانہ شالامار باغ لاہور — 0321-4166809
- مکتبہ نعیمیہ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور — 6306592
- جامعہ غوثیہ رضویہ مین مارکیٹ گلبرگ II لاہور — 5760479
- مکتبہ مصباح القرآن مسعود ٹاؤن عارف روڈ ساہیوال — 040-4228412
- مکتبہ رضویہ داتا دربار مارکیٹ لاہور — 7226193
- مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور — 7221953
- مکتبہ غوثیہ رضویہ محمود شہید روڈ، شاہدرہ اسٹیشن لاہور — 0333-4791219

فہرست مضامین کتاب

اسلامی فرقے

ادیان باطلہ کا تعارف

فہرست حواشی کتاب

تقریظ

استاذ العلماء، فخر المدرسین، فقیہ العصر، جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا الحاج مفتی محمد عبد العلیم صاحب سیالوی دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الفقہ والحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً للہ تعالیٰ ومصلیاً ومسلماً علی حبیبہ الکریم والہ وصحبہ اجمعین

مغرب کی یلغار اور ریاستی اقتدار کی علوم دینیہ سے عدم توجہ عوام وخواص کیلئے امور دینیہ سے لاعلمی کا باعث بن رہی ہے۔ سوال وجواب کے ایک مقابلہ میں استاذ گرامی ایک ٹیم سے پوچھ رہے تھے مسجد نبوی کہاں ہے؟۔ جواب ملا پاکستان۔ اسی طرح کے اور بہت سے شگوفے سننے کو ملتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ دینی امور سے عدم رغبت، دوسرے طلباء کو مختصر وجامع مواد میسر نہ آنا۔ یہ امر صرف علوم عصریہ کے طلباء ہی میں نہیں بلکہ دینی طلبہ بھی امور مبادیہ سے غافل پائے گئے۔ حضرت علامہ مفتی محمد انور القادری نے آج کے طلباء کیلئے آسانی بہم پہنچائی اور مختصر جامع کتاب تحریر فرما کر اس میں وہ تمام مواد فراہم کر دیا جس سے طلباء دین کے مبادی سے بڑی آسانی سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمان ہونے کے ناطے سے دین کا حاصل کرنا ہمارے لیے کیوں ضروری ہے؟ حضرت علامہ کی کتاب سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ جیسے ہمارا جسم مادی غذا کا محتاج ہے ایسے ہی ہماری روح اپنی بقا میں دینی امور کی حاجت مند۔ اسلام کی حقانیت، شعائر

اسلامی کی اہمیت کیا ہے اور جنہیں ہم اسلامی تعلیمات کہتے ہیں وہ کون سے امور ہیں یہ سب کچھ کتاب سے ملے گا۔ ہماری غفلت کی حد یہ ہے کہ ہم اپنی مذہبی کتب تک سے آگاہ نہیں۔ آسمانی کتب کون کون سی ہیں؟ ذخیرہ احادیث پر مشتمل کتب کا نام؟۔ دینی طلباء سے پوچھا جائے کہ حنفی فقہ کی مروج کتب کا نام ہی بتا دو تو شاید نہ بتا پائیں۔ شافعی، مالکی، حنبلی فقہ کی کتب تو دور کی بات ہے درس نظامی کے طلبہ کے لیے عند اللہ الاسلام میں ایک ایسا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے جس سے ایک عام آدمی اور دینی طالب علم اپنی علمی پیاس بجھانے کا سامان پا سکتا ہے۔

حضرت علامہ مفتی محمد انور القادری نے کتاب میں جن موضوعات کو منتخب کیا ہے بلاشبہ وہ آج کی اہم ترین ضرورت ہیں۔ مثلاً خصوصیات اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے توحید، مساوات اسلامی، اعتدال، ضابطہ حیات، مردوں، عورتوں اور اقلیتوں کے حقوق اسلام کی پاکیزگی بہت سی خصوصیات پر سیر حاصل بحث فرمائی اور ساتھ ساتھ اسے مثالوں سے واضح فرمایا اور یہ کہ اسلام نے ہمارے لیے ہماری سیاسی ضرورت کو کس طرح پورا کیا، ہماری روزمرہ کی زندگی میں معاشرتی اصولوں کی نشاندہی، عدلیہ کیلئے موٹے موٹے اصول، تعلیمی نظام کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ علم وعلماء کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام، مغربی اور اسلامی تعلیمات کا فرق اس قدر خوش اسلوبی سے بیان فرمایا کہ قاری پڑھے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔

آج فرقہ بندی کو اسلام کیلئے نقصان دہ کہا جا رہا ہے وہ کونسا اختلاف نقصان کا

باعث اور کونسا اختلاف علوم نظریہ کی ترویج کا باعث ہے، فرقہ بندی کے پس منظر اور پیش منظر پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مرزائی ان کے عقائد، شیعہ انکے عقائد، وہابی انکے عقائد واعمال، دیوبندی انکے عقائد وافکار، اہل سنت وجماعت کے عقائد وافکار وہ تمام جو آج آپ کا ذہن جویاں ہے اس کتاب میں ملے گا۔ اہل سلاسل کیلئے انکی تشنگی دور کرنے کا سامان بھی۔

برصغیر کی تاریخ کا اجمالی نقشہ ہندومت، بدھ مت، سکھ اور دیگر مذاہب سے آگاہی۔

جس کاوش اور عرق ریزی سے حضرت علامہ نے اپنے افکار کو زینت کتاب بنایا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور مولیٰ تعالیٰ اس کتاب سے ہمیں استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خادم العلماء محمد عبد العلیم سیالوی

یکے از خدامِ حدیث جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُنْشِی الْخَلْقِ مِنْ عَدَمٖ

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو مخلوق کو عدم سے وجود میں لانیوالا

ثُمَّ الصَّلٰوۃُ عَلَی الْمُخْتَارِ فِی الْقِدَمٖ

پھر درود اس (نبی ﷺ) پر ہو جنہیں ازل میں ہی چن لیا گیا

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

اے مالک رحمت کاملہ اور سلام بھیجئے ہمیشہ ہمیشہ

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

اپنے حبیب ﷺ پر جو ساری مخلوق سے بہتر ہیں

وَائْذَنْ لِسُحْبِ صَلٰوۃٍ مِّنْکَ دَائِمَۃً

اور اپنی رحمت کے بادلوں کو حکم دیجئے کہ ہمیشہ

عَلَی النَّبِیِّ بِمُنْھَلٍّ وَّمُنْسَجِمٖ

نبی ﷺ پر موسلا دھار اور جاری رہنے والی بارش کیساتھ (برستے رہیں)

وَالْاٰلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِیْنَ لَھُمْ

اور (حضور ﷺ کی) آل اور اصحاب پھر ان کے تابعین پر (رحمت فرما)

اَھْلِ التُّقٰی وَالنُّقٰی وَالْحِلْمِ وَالْکَرَمٖ

جو پرہیزگار، برگزیدہ اور تحمل و بزرگی والے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَمَّا بَعْدُ ! اولاً دین کا لغوی وعرفی معنی اور دین کی ضرورت واہمیت کو بیان کرنا ضروری ہے۔

لغت میں دین کا معنی ہے جزاء اور طاعت اور عرف میں دین سے مراد (عقائد و اعمال سے متعلقہ) وہ ہدایات (احکام ونواہی وغیرہ) ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اپنے بندوں کیلئے جاری فرمائیں تا کہ ان کے مطابق عمل کر کے وہ دنیا اور آخرت کی خیر وفلاح پاسکیں۔ مفردات ۱۹۱ للعلامۃ الراغب الاصفہانی میں ہے۔ "وَهُوَ اسْمٌ لِمَا شَرَعَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِعِبَادِهٖ عَلٰی لِسَانِ الْاَنْبِیَاءِ لِیَتَوَصَّلُوْا بِهٖ اِلٰی جَوَارِ اللّٰهِ ۔" دین کو شریعت، ملت اور مذہب بھی کہا جاتا ہے۔ ۱

دین کی ضرورت: مغربی تعلیم کے دلدادہ بعض لوگ دین کی ضرورت و اہمیت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اب معاشرہ مہذب اور عقل ترقی کی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ سائنس نے ہماری ضروریات اور آسائشوں کو بہتر طریقے سے پورا کر دیا ہے۔

۱ علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی اپنی کتاب التعریفات ص ۷۴ پر لکھتے ہیں۔ اَلدِّیْنُ وَالْمِلَّةُ مُتَّحِدَانِ بِالذَّاتِ وَمُخْتَلِفَانِ بِالْاِعْتِبَارِ فَاِنَّ الشَّرِیْعَةَ مِنْ حَیْثُ اَنَّهَا تُطَاعُ تُسَمّٰی دِیْنًا وَمِنْ حَیْثُ اَنَّهَا تُجْمَعُ تُسَمّٰی مِلَّةً وَمِنْ حَیْثُ اَنَّهَا یُرْجَعُ اِلَیْهَا تُسَمّٰی مَذْهَبًا وَقِیْلَ الْفَرْقُ بَیْنَ الدِّیْنِ وَالْمِلَّةِ وَالْمَذْهَبِ اَنَّ الدِّیْنَ مَنْسُوْبٌ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْمِلَّةَ مَنْسُوْبَةٌ اِلَی الرَّسُوْلِ وَالْمَذْهَبَ مَنْسُوْبٌ اِلَی الْمُجْتَهِدِ۔

لہٰذا اب ہمیں دین ومذہب کی کوئی ضرورت نہیں ہے حالانکہ انکا یہ کہنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ انسان صرف ہیکل عنصری (گوشت پوست کے ڈھانچہ) کا نام نہیں ہے جیسا کہ دہریہ نے سمجھ رکھا ہے بلکہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ (۱) جسم (۲) روح۔ جسم ہمارے مشاہدے میں ہے اس لیے انسانوں نے اپنی عقل سے کام لے کر جسم کی راحت وصفائی کیلئے بے شمار چیزیں ایجاد کر لی ہیں مگر روح ہمارے مشاہدہ میں نہیں ہے اور نہ ہی ہم اسکی حقیقت سے آگاہ ہیں اور ظاہر ہے کہ جس شے کی حقیقت سے ہمیں آگاہی نہ ہو اور وہ ہمارے مشاہدے میں بھی نہ ہو تو عقل اسکے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر ہے لہٰذا ہمیں اپنی روح کی آسائش واطمینان کیلئے عقل سے کامل رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ روح کی نجات وآسائش کی باتوں کا علم ہمیں صرف اس ذات پاک کی ہدایات وارشادات سے ہی ہو سکتا ہے جس نے روح کو پیدا کیا ہے اور اسکے ارشادات وہدایات کا نام ہی دین ہے۔ لہٰذا ہمیں لازماً تعلیمات الٰہیہ یعنی دین کے دامن کو تھامنا ہوگا۔ ۱

دین ہی ہمیں بتائے گا کہ روح کا سکون واطمینان عالیشان کوٹھیوں میں رہنے اور لذیذ کھانوں میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" ۲ سن لو! اللہ کے ذکر سے دل سکون پاتے ہیں۔

دین کی ضرورت واہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ زندگی صرف دنیا کی زندگی نہیں ہے جیسا کہ منکرین مذہب نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اسکے علاوہ ایک اور زندگی بھی ہے جسے آخرت کی زندگی کہا جاتا ہے۔ وہی اصل زندگی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

۱ مانی الاسلام ۲ سورۃ الرعد/آیت ۲۸ ۳ سورۃ العنکبوت/آیت ۶۴

فرمایا" وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ، وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ "[1] (ترجمہ) اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل اور تماشا اور بلا شبہ آخرت کا گھر ضرور وہی زندگی ہے کاش کہ وہ جانتے ہوتے۔

عقل و سائنس دنیا کی زندگی کے بارے میں تو ایک حد تک راہنمائی کر سکتی ہے مگر اُخروی زندگی میں نجات اور بہتری کیلئے عقل پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عقل امور آخرت سے حجاب میں ہے۔ لہٰذا ان امور کیلئے ہمیں دینِ حق سے ہی رہنمائی لینا ہوگی اور دینِ حق صرف اسلام ہے اور اس کے سوا سب ادیان باطلہ ہیں۔



[1] سورۃ العنکبوت / آیت ۶۴

اسلام

ان عقائد واحکام الٰہیہ کے آگے سر تسلیم جھکا دینا جن کی تعلیم حضرات انبیاء علیہم السلام نے دی اسلام ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک سب انبیاء نے اسلام ہی کی تعلیم دی۔ دین مجموعہ ہوتا ہے اصول وفروع یعنی عقائد واعمال کا۔ عقائد تمام انبیاء کی شریعتوں میں ایک جیسے رہے۔ [1] مثلاً سب نے کہا کہ خدا موجود ہے اور وہ ایک ہے اور قیام قیامت کے بعد حشر اجساد کی خبر بھی سب نے دی ہر پچھلے نبی اور پچھلی کتاب نے پہلے نبی اور پہلی کتاب کی خبروں کی تصدیق کی اور ان میں قطعاً کوئی تبدیلی ونسخ نہ ہوا کہ اس سے کذب لازم آتا کہ یا پہلی بات واقع کے خلاف تھی یا دوسری واقع کے خلاف ہے۔ البتہ بعض اعمال میں نسخ وتبدیلی ہوتی رہی اور یہ تبدیلی نہ صرف ایک کے بعد دوسری شریعت میں ہوئی بلکہ ایک ہی نبی کی شریعت میں بھی ہوتی رہی۔ مثلاً حضور خاتم النبیین ﷺ کی شریعت میں ابتداء میں کئی کام جائز تھے مگر بعد میں ان کاموں سے روک دیا گیا اور اس نسخ وتبدیلی کا ہونا ضروری تھا کیونکہ حالات بدلتے رہے۔ اس کی مثال دانا حکیموں اور ڈاکٹروں کے نسخے اور پرہیزی ہدایات ہیں جو امراض کے اختلاف اور تغیر وتبدل کی بناء پر بدلتی رہتی ہیں یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تو دین کامل کر دیا گیا اور قرآن واحادیث کی شکل میں ایک نسخہ کیمیا اور پرہیزی ہدایت نامہ قیامت

---

[1] اسلئے کہ عقائد خبریہ جملے ہوتے ہیں اور ان کی بنیاد واقعات پر ہوتی ہے خواہ وہ واقعات ماضیہ ہوں یا حالیہ یا مستقبل میں ہونے والے ہوں اور خبر اللہ تعالیٰ اور اسکے نبی کی سچی ہوتی ہے ہرگز جھوٹی نہیں ہوسکتی۔

تک کے تمام انسانوں کیلئے عطا فرمایا گیا جس میں انکی تمام ذہنی وقلبی بیماریوں کی شفاء اور تمام دنیوی واُخروی مسائل میں ان کیلئے رہنمائی ہے۔ اب اسی آخری نسخہ یعنی شریعت مصطفوی کو ہی اختیار کرنا تمام انسانوں پر لازم ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ" [1] (اگر آج موسیٰ دنیا میں ہوتے تو انہیں میری پیروی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا)۔ اس لیے آج اسلام سے مراد حضرت نبی آخر الزمان ﷺ کی شریعت ہی لی جائے گی اور جو شخص آپ ﷺ کی شریعت کو تسلیم کرتا ہے اور ان تمام باتوں کو مانتا ہے جن کے بارے بداہتاً معلوم ہے کہ وہ حضور ﷺ کی شریعت سے ہیں اسے مسلمان کہا جائے گا۔

دین اسلام کی حقانیت کا ثبوت

کسی بھی نظام کی حقانیت وسچائی تین طرح معلوم کی جا سکتی ہے۔ (۱) اسکا واضع (بنانے والا) کون ہے؟ (۲) دین ودنیا کے مسائل کو کس قدر حاوی وجامع ہے۔ (۳) اسکی افادیت ونفع کیا ہے؟ جب ان باتوں کو سامنے رکھ کر ہم اسلام کے بارے میں غور وفکر کرتے ہیں تو اسلام کی صداقت وحقانیت بڑی واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ دنیا میں جتنے نظام ہیں ان سب کے بنانے والے انسان ہیں اور انسان کی بنائی ہوئی چیز میں غلطی ہوسکتی ہے مگر دین اسلام اسکا بنانے والا خود رب العالمین ہے جو اپنے بندوں کی تمام ضروریات سے واقف ہے اسکے کسی کام میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کی ہدایت و

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب/ الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

فلاح کیلئے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ یہ نظام اسلام تعلیم فرمایا اور ہر نبی نے اس پر عمل کر کے لوگوں کو دکھایا مگر زمانے کی ضروریات کے بدلنے سے اسکے بعض احکام بدلتے رہے یہاں تک کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائے تو اللہ تعالی نے قیامت تک کے لوگوں کیلئے اس نظام کو حتمی شکل دے کر قرآن کی صورت میں آپ ﷺ پر نازل فرمایا اور آپ ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم کے مطابق اسکو عملاً نافذ کر دیا اور اپنے عمل کے ذریعہ اسلامی قوانین کی مزید وضاحت کر دی جو کہ حدیث اور سنت کے نام سے ہمارے لیے راہنما ہے۔

حضور خاتم النبیین ﷺ کی ذات میں ایسی خوبیاں ہیں جو کسی بھی مذہب کے بانی میں نہیں مل سکتیں۔ آپ ﷺ کی زندگی پاک ایسی روشن کہ سر سے قدم تک تمام اعضاء کی تفصیل اور اندرونی و بیرونی زندگی کے تمام حالات و واقعات آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اصحاب نے اسطرح جمع فرما دیئے کہ کوئی بات نہ چھوڑی۔ آج اگر عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں وغیرہ سے سوال کیا جائے کہ تم اپنے پیشواؤں کی سوانح حیات از ابتداء تا انتہاء ثبوت کے ساتھ بیان کرو تو نہیں کر سکتے۔ ہندو تو یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ جس پر وید آیا وہ انسان بھی تھا یا نہیں کیونکہ ہندوؤں میں سے بہت سے لوگ آگ، پانی پر وید کا نزول مان کر ان کی پوجا کرتے ہیں لیکن ہمارے نبی ﷺ کی پوری زندگی کھلی ہوئی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے ہے آپکے صحابہ نے آپ ﷺ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کو بیان کر دیا۔

اسلام کی جامعیت کا عالم : یہ ہے کہ اس میں زندگی کے ہر شعبے کا حل موجود ہے۔ ماں کے پیٹ سے لے کر دفن ہونے تک بلکہ اسکے بعد مال وراثت تقسیم ہونے تک کے تمام احکام بیان کر دیے گئے ہیں۔ آج ہم مسلمانوں کو کسی نئے قانون

بنانے کی ضرورت نہیں صرف عملی زندگی میں اسلام کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے اور دین اسلام کی افادیت کا یہ حال ہے کہ اسکو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے عرب کے وہ لوگ جو دنیا والوں کی نگاہ میں ذلیل تھے اور اپنی انسانیت کھو چکے تھے نہایت معزز اور انسان گر ہو گئے۔ جانوروں کو چرانے والے انسانوں کو تہذیب سکھانے والے بن گئے۔ قزاقی کرنے والے نگہبان عالم بن گئے اور آج ہم ہیں کہ اسی اسلام سے عملاً لاپرواہ ہو کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ ہمیں بھی عزت، امن، خوشحالی، سکونِ قلب اور آخرت کی بھلائی سب کچھ مل سکتا ہے بشرطیکہ اسلام کے مطابق زندگی گزارنا شروع کر دیں۔ بلاشبہ اسلام سارے دکھوں کی دوا اور کائنات کی ہر شئی کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔



اسلامی شعائر

ہر دین کے خاص نشان ہوتے ہیں۔ اسلام کے بھی خاص نشان ہیں جن کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے جنکی تعظیم کرنا اللہ تعالی کو محبوب اور دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے "وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ" [1] (جو کوئی اللہ تعالی کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو بیشک یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے)۔ شعائر اللہ میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) قرآن مجید : یہ اللہ تعالی کا کلام اور آسمانی کتابوں میں سب سے آخری

---

[1] سورۃ الحج / آیت ۳۲

کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود رب العالمین نے لیا ہے۔ قرآن کا نزول اسلئے ہوا تاکہ لوگ اسکو پڑھیں، سنیں اور سمجھیں اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں اس سے راہنمائی حاصل کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرسکیں۔

۲) حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ : آپ شعائر اللہ میں ایک بہت بڑی نشانی ہیں کہ رسول اللہ خلیفۃ اللہ اور حبیب اللہ ہیں۔ آپ ﷺ تمام ایمان والوں کے روحانی باپ اور ان پر حد درجہ شفیق ومہربان ہیں۔ آپ ﷺ سے محبت ایماندار ہونے کی نشانی ہے۔ آپکے احترام وتعظیم کا حکم خود رب العالمین نے دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ" [1] (اور آپ ﷺ کی مدد کرو اور آپ کی تعظیم کرو)۔ امت مسلمہ کی حیات وآبرو اللہ تعالیٰ کے اس پاک نشان مصطفیٰ کریم ﷺ کی تعظیم کے طفیل ہے ورنہ ہماری کچھ اہمیت نہ ہوتی۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است   آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کی زیارت سے چین پاتے تھے اور آج بھی اہل محبت آپکے در پاک کی حاضری اور گنبد خضریٰ کی زیارت سے ایمان میں تازگی اور دلوں میں راحت وسکون پاتے ہیں۔

۳) کعبۃ اللہ اور اسکا حج: یہ وہ عظمت والی جگہ ہے جسے اللہ جل شانہٗ کی عبادت کیلئے سب سے پہلے زمین پر بنایا گیا۔ مسلمان ہر سال اس گھر کا حج کرتے ہیں۔ زندگی میں ایک دفعہ اس گھر کا حج کرنا ہر مسلمان صاحب استطاعت مرد وعورت پر

[1] سورۃ الفتح / آیت ۹

فرض ہے۔ کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اس گھر کے اردگرد مسجد حرام ہے جس میں ایک نماز کا ثواب اسکے ماسوا جگہوں میں پڑھی گئیں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ کعبۃ اللہ سے متعلق اور اسکے اردگرد بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً اسکا حج کرنا، مقام ابراہیم، حجر اسود، زمزم کا کنواں، صفا ومروہ کی پہاڑیاں اور میدان عرفات۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ" [1] اسمیں بہت سی ظاہر نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ نیز فرمایا "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ" [2] (بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں)۔

۴) مسجد یں: دین اسلام میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز اگرچہ ہر پاک جگہ میں ہوسکتی ہے مگر ایسی پاک جگہ جسے نماز باجماعت کیلئے خاص کر دیا گیا ہو اسے مسجد کہا جاتا ہے جس میں نماز کا ثواب عام جگہ میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے۔

دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مسجد کو ایک اہم مقام حاصل ہے حضرت رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے جس کام کو اہمیت دی وہ تعمیر مسجد تھی۔ مسجد کی تعمیر میں آپ ﷺ نے خود بھی حصہ لیا جب مسجد بن گئی تو اسکو مرکزی حیثیت دی۔ نماز پنجگانہ باجماعت کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مسجد میں تسبیح وتحلیل وغیرہ ذکر کیلئے بیٹھنے کی ترغیب دی۔ مسجد میں ہی آپ ﷺ صحابہ کرام کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے آپ ﷺ مختلف امور کے فیصلے مسجد میں ہی فرمایا کرتے تھے اور یہیں سے مجاہدین کے دستے جہاد کیلئے روانہ فرماتے گویا آپ ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد کو مدرسہ، عدالت اور

[1] سورۃ آل عمران / آیت ۹۷   [2] سورۃ البقرۃ / آیت ۱۵۷

چھاؤنی کی حیثیت حاصل تھی۔

۵) نماز باجماعت : نماز پڑھنا مومن ہونے کی ایک نشانی ہے۔ منیۃ المصلی میں حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے "لِكُلِّ شَيْئٍ عَلَمٌ" وَعَلَمُ الْإِيْمَانِ الصَّلٰوةُ" (ہر چیز کی کوئی نہ کوئی نشانی ہوتی ہے اور ایمان کی نشانی نماز ہے) اور باجماعت نماز کی ادائیگی یہ بھی دین کے شعائر سے ہے کیونکہ صفیں بنا کر ایک امام کی اقتداء میں نماز کی ادائیگی یہ عبادت کا ایک ایسا طریقہ ہے جو صرف اسلام میں ہی پایا جاتا ہے۔ نماز پنجگانہ جمعہ اور عیدین کے موقع پر جب مسلمان بلا امتیاز صفیں بنا کر کندھے سے کندھا ملا کر دست بستہ خشوع وخضوع کیساتھ نماز پڑھتے ہیں تو اسلام کی ایک ایسی حسین اور روح پرور تصویر دلوں میں نقش ہوتی ہے کہ ادنیٰ بصیرت رکھنے والا شخص بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

٦) اذان: نماز پنجگانہ کیلئے اذان دینا بھی اسلام کا نشان ہے۔ کسی بستی یا شہر سے اگر اذان کی آواز سنائی دے تو یہ نشانی ہے اس بات کی کہ یہاں مسلمان رہتے ہیں۔ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ جب کسی قوم پر حملہ کرنے کیلئے ہمیں لے جاتے تو آپ ﷺ حملہ کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ صبح ہونے کا انتظار کرتے۔ جب صبح ہو جاتی اور آپ ﷺ (قوم کی طرف سے دی گئی) اذان کی آواز سنتے تو حملہ کرنے کا منصوبہ ختم کر دیتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کرنے کا حکم ارشاد فرماتے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری/ کتاب الاذان باب مایحقن بالاذان من الدماء

اسلامی تعلیمات

اسلامی تعلیمات زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہیں جن کی تفصیل وتوضیح قرآن مجید اور حدیث وفقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اسلامی تعلیمات کو ابتداءً مندرجہ ذیل چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) عقوبات (۵) کفارات (٦) آداب۔

اعتقادات : کسی چیز پر نہایت پختہ یقین رکھنے کو اعتقاد کہتے ہیں اور وہ چیز جس پر انسان اعتقاد رکھے اسے "عقیدہ" کہتے ہیں جسکی جمع "عقائد" ہے۔ اسلام میں بنیادی عقیدے پانچ ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کو ماننا (۲) فرشتوں کو ماننا (۳) آسمانی کتابوں کو ماننا (۴) رسولوں کو ماننا (۵) قیامت کے دن کو ماننا۔

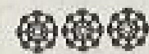
عبادات: اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کیلئے عاجزی وانکساری کا اظہار کرنا عبادت ہے۔ فرض عبادت کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج (۵) جہاد۔

معاملات: اس سے مراد وہ امور شرعیہ ہیں جن کا تعلق دنیاوی کاموں سے ہے۔ معاملات کی پانچ قسمیں ہیں (۱) مناکحات (نکاح، طلاق، نفقہ، نسب وغیرہ کے مسائل) (۲) معاوضات مالیہ (تجارت، اجارہ وغیرہ) (۳) مخاصمات (لوگوں کے درمیان ہونے والے جھگڑوں کے فیصلے) (۴) امانات (امانت و دیت کے مسائل) (۵) ترکات (میت کے مال متروک سے متعلق مسائل)۔

عقوبات : اسلامی سزاؤں کی چھ قسمیں ہیں۔ (۱) قصاص و دیت (۲) زنا کی حد (۳) چوری کی حد (۴) قذف کی حد (۵) ارتداد کی حد (۶) شراب پینے کی حد۔ ان کے علاوہ بعض جرائم پر تعزیرات ہیں جن کا تعین حاکم وقت کے سپرد ہے۔

کفارات : کفارہ سے مراد وہ روزہ یا صدقہ ہے جو کسی جرم و گناہ کی معافی کے لیے دیا جائے۔ کفارے پانچ قسم کے ہیں۔ (۱) روزہ توڑنے کا کفارہ (۲) ظہار کا کفارہ (۳) قسم توڑنے کا کفارہ (۴) جنایات حج کا کفارہ (۵) کفارہ قتل۔

آداب : آداب سے مراد وہ افعال و عادات ہیں جن میں قانون کا جبر نہیں بلکہ انکا صدور برضا و رغبت ہوتا ہے۔ بعض اہم آداب یہ ہیں۔ (۱) بوقت ملاقات ایک دوسرے کو سلام کہنا (۲) بیٹھنے سونے، چلنے اور کھانے پینے کے آداب (۳) زبان کو گالی اور غیبت سے محفوظ رکھنا (۴) وعدہ پورہ کرنا (۵) صلہ رحمی کرنا (۶) عدل و انصاف (۷) نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا (۸) ایثار و ہمدردی (۹) وقار نفس۔



مذہبی کتب

اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کا ذخیرہ بہت زیادہ وسیع ہے انکا اجمالی بیان درج ذیل ہے۔

۱) قرآن مجید : یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی راہنمائی کیلئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کو عطا فرمائی گئی۔ اسکے الفاظ و معانی

دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ قرآن کی حیثیت حتمی و قطعی ہے۔ مسلمان ہونے کیلئے سارے قرآن کو ماننا ضروری ہے۔ قرآن پاک کے تیس پارے ہیں۔

2) کتب حدیث : احادیث سے مراد حضرت رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات ہیں جن کو اصحاب رسول نے بعد کے لوگوں تک پہنچایا (خود صحابہ اور تابعین کے اقوال و افعال اور تقریرات کو بھی احادیث کہا جاتا ہے)۔ یہ احادیث ان بے شمار کتابوں میں موجود ہیں جن کو کتب حدیث کہا جاتا ہے۔ مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، موطا امام مالک، مشکوٰۃ المصابیح، شرح معانی الآثار، مسند امام اعظم، مسند امام احمد، مستدرک للحاکم، صحیح ابن خزیمہ، مصنف امام ابن شیبہ، مشارق الانوار، کنزالعمال، صحیح البخاری، جمع الجوامع للسیوطی۔ پہلی چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ احادیث شریفہ کا درجہ قرآن کریم کے بعد ہے۔

3) کتب تفسیر : قرآن کریم کے معانی اور اسکی مراد کو واضح کرنے کا نام تفسیر ہے۔ تفسیر کی کتابوں میں آیات کے اسباب نزول، ناسخ و منسوخ، الفاظ مشکلہ کے اعراب و معانی کو بیان کر کے مفہوم کلام کو واضح کیا جاتا ہے اور اس میں مذکور احکام و مسائل وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔ کتب تفسیر کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بعض کتابیں کسی ایک یا چند سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہیں اور بعض پورے قرآن کی تفسیر ہیں۔ تمام قرآن کی بعض عربی کتب تفسیر کے نام یہ ہیں۔ تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری، تفسیر قرطبی، تفسیر در منثور، تفسیر خازن، تفسیر روح البیان، تفسیر کشاف۔ تفسیر کے اصول و ضوابط پر مشتمل بھی کئی کتابیں ہیں۔ مثلاً الفوز الکبیر، تفسیر الاتقان للسیوطی

4) کتب فقہ : اگر کسی شرعی عملی مسئلہ کا حکم واضح طور پر قرآن واحادیث میں مذکور نہ ہو تو اجتہاد کر کے قرآن واحادیث یا اجماع امت سے اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنا فقہ ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں اجتہاد وعقل کو دخل ہو گا وہاں اختلاف کا امکان یقینی ہے۔ اسلئے ایسے مسائل میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہوا۔ جس سے متعدد فقہیں وجود میں آئیں۔ البتہ اہلسنت میں جن فقہوں کو قبول عام حاصل ہوا وہ صرف چار ہیں (۱) فقہ حنفی (۲) فقہ مالکی (۳) فقہ شافعی (۴) فقہ حنبلی۔

فقہ حنفی کی کتابیں: اس فقہ کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ﷺ ہیں۔ دنیا کے تقریباً دو تہائی مسلمان بالخصوص پاکستان، افغانستان اور ہندوستان کے جمہور مسلمان فقہ حنفی سے رہنمائی لیتے ہیں۔ فقہ حنفی کی بعض مشہور کتابیں یہ ہیں۔ (۱) اصل یعنی مبسوط (۲) زیادات (۳) جامع صغیر (۴) جامع کبیر (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر۔ یہ چھ کتابیں حضرت امام محمدؒ کی ہیں جو کہ امام اعظمؒ کے شاگرد تھے۔ ان کتابوں کو ظاہر الروایہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ فقہ حنفی کی صحاح ستہ شمار ہوتی ہیں (۷) بدائع صنائع (۸) مختصر القدوری (۹) الجوہرۃ النیرہ ، یہ قدوری کی شرح السراج الوہاج کا اختصار ہے (۱۰) درمختار (۱۱) ردالمحتار المعروف بفتاوی شامی۔ یہ درمختار کی شرح اور فتاوی کی نہایت معتبر کتاب ہے۔ اسکو پڑھنے سے فقاہت حاصل ہوتی ہے (۱۲) کنز الدقائق۔ اس میں مسائل بڑی متانت اور اختصار کیساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ درس وتدریس کیلئے بہت اچھی کتاب ہے اسکی بعض شروح کے نام یہ ہیں۔ البحر الرائق، تبیین الحقائق، رمز الحقائق للعینی، شرح ملا مسکین (۱۳) کتاب الخراج للقاضی الامام ابو یوسفؒ (۱۴) مبسوط سرخسی۔ یہ پندرہ جلدوں پر

مشتمل ہے۔ اسے شمس الائمہ محمد سرخسی نے تصنیف کیا۔ ہدایہ کی شروح میں جہاں کہیں مبسوط کا ذکر ہو تو اس سے مراد مبسوط سرخسی ہوتی ہے اور فقہ کی دیگر کتابوں میں مطلقاً مبسوط کا ذکر ہو تو اس سے مراد حضرت امام محمدؒ کی مبسوط ہوتی ہے (۱۵) منیۃ المصلی اسکی دو مشہور شرحیں ہیں کبیری اور صغیری (۱۶) ہدایہ یہ فقہ حنفی کی بڑی معتبر اور جامع کتاب ہے۔ بظاہر یہ بدایۃ المبتدی کی شرح ہے اور حقیقت میں مختصر قدوری اور جامع صغیر کی شرح ہے۔ اسکی شروح میں سے ایک فتح القدیر ہے (۱۷) فتاوی قاضی خاں (۱۸) فتاوی عالمگیری (۱۹) فتاوی رضویہ (۲۰) فتاوی نوریہ۔ یہ حضرت فقیہ اعظم مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ رحمہ اللہ محدث بصیر پوری کی تصنیف ہے۔ (۲۱) بہار شریعت۔

فقہ مالکی کی کتابیں: اس مسلک کے بانی حضرت امام مالکؒ ہیں۔ فقہ مالکی کی اساس سحنون کے 36 ہزار مدونہ مسائل ہیں۔ مدونہ کے علاوہ مشہور کتابیں یہ ہیں مختصر کبیر، مختصر اوسط، مختصر صغیر، کتاب المبسوط علی مذہب المالکیہ۔

فقہ شافعی کی کتابیں: فقہ شافعی کے بانی حضرت امام محمد بن ادریس شافعی ہیں۔ اس مسلک کی بعض کتابوں کے نام یہ ہیں۔ رسالۃ فی ادلۃ الاحکام، کتاب الام، فقہ شافعی میں حرملۃ بن یحییٰ کی کتاب، مزنی کی مختصر، جامع کبیر، جامع صغیر، ابو بکر بن عبد اللہ الصیرفی کی کتابیں یعنی کتاب البیان فی الدلائل، الاعلام فی اصول الاحکام، شرح رسالۃ للشافعی اور کتاب الفرائض۔

فقہ حنبلی کی کتابیں: اس مسلک کے بانی حضرت امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل ہیں۔ آپکی مشہور تصنیف "المسند" ہے۔ اس میں چالیس ہزار سے زائد احادیث ہیں اسکے علاوہ

آپکے ایک تبع عالم اثرم نے کتاب السنن لکھی اور ایک دوسرے عالم ابن راہویہ نے بھی فقہ میں السنن تالیف کی ہے۔

5) **کتب اصول فقه** : اصول فقہ سے مراد ایسے اصول وقوانین کا علم ہے جو علی وجہ التحقیق فقہ تک پہنچاتے ہیں۔ علم اصول فقہ کی چند مشہور اور معتبر کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) اصول الشاشی (۲) نور الانوار (۳) التوضیح للامام عبید اللہ بن مسعود تاج الشریعہ (۴) اصول الفقہ للامام علی البزدوی (۵) البرھان لامام الحرمین (۶) المستصفی للغزالی (۷) الاحکام لسیف الدین آمدی (۸) البدائع لابن الساعاتی (۹) مسلم الثبوت (۱۰) حسامی۔

6) **کتب کلام** : کتب کلام سے مراد وہ کتابیں ہیں جو ادلہ شرعیہ سے عقائد کی معرفت کا فائدہ دیتی ہیں۔ عقائد کی معرفت میں سب سے مفید اور بنیادی کتاب تو قرآن مجید ہے۔ اسکے بعد کتب حدیث ہیں۔ اسکے بعد علم کلام کی کتابیں ہیں۔ علم کلام کی چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ العقائد النسفیہ، شرح العقائد، شرح المواقف، شرح المقاصد، النبراس، فقہ اکبر، المسامرہ، شرح فقہ اکبر للقاری، شرح ملا جلال۔

7) **کتب علم المیراث** : علم میراث سے مراد ایسے قواعد وضوابط کا علم ہے جن کے ذریعے ترکہ سے ہر وارث کا حصہ معلوم ہو جاتا ہے۔ علم میراث کو علم الوراثت، علم الترکہ اور علم الفرائض بھی کہتے ہیں۔ اسکی مشہور کتاب السراجی ہے جسکی شروح میں سے الشریفیۃ بڑی مشہور اور معتمد شرح ہے۔

8) **کتب سیرت** : کتب سیرت سے ہماری مراد وہ کتابیں ہیں جن میں

آنحضرت ﷺ کے حالات طیبہ کا ذکر ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے کئی ماخذ ہیں۔ سب سے پہلا ماخذ تو قرآن مجید ہے جیسا کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا قول ہے کہ "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ" آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ دوسرا ماخذ کتب حدیث ہیں۔ تیسرا ماخذ تواریخ حرمین شریفین ہیں۔ مثلاً وفاء الوفاء۔ چوتھا ماخذ تاریخ اسلام یا تاریخ عالم ہے۔ مثلاً تاریخ طبری، الکامل فی التاریخ، البدایۃ والنھایۃ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی سیرت کا ذکر بھی دراصل تاریخ ہی کا ایک حصہ ہے اسلئے تاریخ کی کتابوں کا کچھ حصہ ضرور سیرت طیبہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ پانچواں ماخذ کتب طبقات ہیں مثلاً طبقات صحابہ، طبقات الکبریٰ یا طبقات ابن سعد۔ ان کے علاوہ بالخصوص سیرت کے موضوع پر لکھی گئیں کتابیں ہیں۔ جن میں سب سے اہم سیرت ابن ہشام ہے۔ اسکی شرح الروض الانف ہے۔ اسکے علاوہ چند اور مشہور معتمد کتابیں یہ ہیں۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، مدارج النبوت، المواہب اللدنیہ، الزرقانی علی المواہب اور اردو میں سیرت رسول عربی، ضیاء النبی، جانان عالم اور ذکر جمیل۔

کتب تصوف : اخلاق حسنہ کو اپنانا اور گھٹیا اور برے اخلاق کو چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے۔ عرب وعجم میں تیسری صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک تصوف پر بہت سی مفید کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے کئی کتابیں آج بھی موجود ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں۔ (۱) قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب۔ یہ شیخ ابو طالب محمد مکی (م ۳۸۶ھ) کی تصنیف ہے۔ (۲) طبقات صوفیہ۔ شیخ ابو عبد الرحمن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری (م ۴۱۲ھ) کی کتاب ہے۔ (۳) رسالہ قشیریہ۔ اسے شیخ ابو القاسم عبد الکریم قشیری نیشاپوری

رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۵ھ) نے تصنیف فرمایا۔ یہ کتاب آج بھی تصوف کی بلند پایہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ (۴) کشف المحجوب۔ یہ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمہ اللہ (م ۴۷۰ھ) کی تصنیف ہے یہ تصوف کے موضوع پر فارسی میں لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے آج بھی مسلمانان برصغیر اس کتاب اور اس کے مصنف پر ناز کرتے ہیں۔ اردو زبان میں اسکے کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ (۶،۵) احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت۔ یہ دونوں کتابیں امام محمد غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) کی تصنیفات سے ہیں اور دنیائے تصوف کی لاجواب کتابیں ہیں۔ (۷) فتوح الغیب یہ کتاب غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) کی تصنیفات سے ہے۔ (۸) تذکرۃ الاولیاء اسے شیخ فریدالدین عطار (شہادت ۶۲۰ھ) نے فارسی میں تصنیف فرمایا۔ (۹) عوارف المعارف۔ اس کتاب کو شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) نے تصنیف فرمایا۔ (۱۱،۱۰) فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم۔ یہ دونوں کتابیں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی المعروف بہ الشیخ اکبر رحمہ اللہ (متوفی ۶۳۸ھ) کی تصنیفات سے ہیں۔ (۱۲) مثنوی رومی۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۲ھ) کی کتاب ہے اسمیں بڑی حکمت ونصیحت کے انداز میں باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ (۱۳) نفحات الانس۔ مولانا نورالدین جامی (م ۸۹۸ھ) کی تصنیف ہے۔ (۱۴) حضرت شیخ سعدی کی رحمہ اللہ کا رسالہ ''کریما''۔



خصوصیات اسلام

دین اسلام دیگر ادیان کے مقابلہ میں بے شمار امتیازی خصوصیتوں کا حامل ہے۔ بعض اہم خصوصیتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی خصوصیت: **عنداللہ مقبولیت**:

اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب دین ہے۔ قرآن مجید میں ہے "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" [1] بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ" [2] اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔

دوسری خصوصیت: **توحید**: [3]

توحید اسلام کا بنیادی اور امتیازی عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو

---

[1] سورۃ آل عمران/آیت ۱۹ [2] سورۃ آل عمران/آیت ۸۵

[3] لغت میں توحید کا معنی یہ ہے کہ کسی شے کو ایک جان کر اس پر یہ حکم لگانا کہ وہ ایک ہے اور اصطلاح شریعت میں توحید کا معنی ہے اِعْتِقَادُ عَدْمِ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوْهِیَّةِ وَخَوَاصِّهَا (شرح مقاصد ج ۲ ص ۶۴) الوھیت اور اس کے خواص میں اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کے شریک نہ ہونے کا اعتقاد رکھنا۔ الوھیت سے مراد وجود کا واجب ہونا ہے اور خواص الوھیت سے مراد وہ امور ہیں جو اس پر متفرع ہوتے ہیں یعنی اجسام کا خالق ہونا، جہان کا مدبر ہونا، عبادت کا مستحق ہونا (حاشیہ سیالکوٹی علی الخیالی) ۔ توحید کی ضد شرک ہے جو کہ

توحید کا درس دیا۔ قرآن پاک کی سورۃ الانبیاء میں ہے۔ "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ

سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک دو طرح کا ہے (۱) شرک اصغر۔ اس سے مراد ریا اور نفاق ہے۔ شرک اصغر کے مرتکب کو شرعاً مومنین سے خارج نہیں کیا جاتا اور محض ریا کی وجہ سے اسے مشرک کہنا صحیح نہیں ہے (۲) شرک اکبر جس کے مرتکب کو مشرک کہا جاتا ہے جب مطلقاً شرک کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد شرک اکبر ہی ہوتا ہے اصطلاح شریعت میں شرک اکبر کا معنی ہے اِعْتِقَادُ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوْهِیَّةِ وَ خَوَاصِّهَا (ترجمہ) الوہیت یا اس کے خواص میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کے شریک ہونے کا اعتقاد رکھنا۔ اس تعریف کا مفہوم یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی واجب الوجود اور اپنی ذات و کمالات میں کسی دوسرے سے بے نیاز اور مستقل بالذات ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے اور کوئی نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اللہ کے سوا واجب الوجود مانے یا اسکی ذات وصفات میں غنی بالذات جانے یا اسکے مستحق عبادت ہونے کا عقیدہ رکھے تو یہ شرک ہوگا اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہوگا۔ بعض لوگ اہلسنت پر انبیاء و اولیاء سے توسل کی وجہ سے مشرک ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور انہیں مشرکین کی مثل قرار دیتے ہیں اور "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی" کو بطور دلیل لاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مشرکین مکہ کا شرک یہ نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے تھے اور نہ یہ کہ وہ قرب خداوندی حاصل کرنے کیلئے بتوں کا وسیلہ پکڑتے تھے بلکہ انکا شرک یہ تھا کہ وہ بتوں کیلئے الوہیت کے قائل تھے اور انکی عبادت کرتے تھے جیسا کہ مانعبدھم سے واضح ہے۔ جب کہ اہلسنت ان میں سے کسی بات کے قائل نہیں ہیں۔ اہلسنت اور مشرکین مکہ میں دو طرح کا بنیادی فرق ہے ایک یہ کہ مشرکین بتوں کو خدا مانتے تھے

رَسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ "(ترجمہ) اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم اسکی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔ توحید کا عقیدہ رکھنا حقوق اللہ سے ہے۔

اسلام توحید خالص کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بے مثل ہے۔ اسکا کوئی شریک وحصہ دار نہیں ہے نہ اسکا باپ ہے اور نہ ہی کوئی بیٹا، وہی سب چیزوں کا خالق ہے سب کا پالنے والا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی بندوں کی مصیبتیں دور کرتا ہے

جبکہ اہلسنت کسی نبی، ولی یہاں تک کہ حضور سید المرسلین ﷺ کو بھی خدا نہیں مانتے بلکہ ان سب کو جس طرح وجود میں اللہ تعالیٰ کا محتاج جانتے ہیں اسی طرح بقا اور ہر امر میں اللہ تعالیٰ کا محتاج جانتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا اگر کوئی کام نہ کرنا چاہے اور یہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور اگر یہ بت کسی کی سفارش کر دیں تو اللہ تعالیٰ کو ہر صورت میں اسکی سفارش ماننا پڑے گی۔ اہلسنت ایسی باتوں کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شخص دھونس نہیں جما سکتا اور اس کی مشیت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور نہ اسکی اجازت واذن کے بغیر کوئی سفارش کر سکے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اسکے مقربین بندے اسکی بارگاہ میں مسلمان گناہگاروں کی سفارش کریں گے اور وہ اپنے فضل سے انکی سفارش قبول فرمائے گا یہاں تک کہ انکی سفارش سے بہت سے کبیرہ گناہ کے مرتکبین مسلمانوں کو بخش دیا جائے گا۔ جیسا کہ صحیح حدیثوں سے صراحۃً ثابت ہے اور اولیاء وانبیاء سے توسل کا جواز بھی قرآن واحادیث سے ثابت ہے تو اتنے واضح فرق کے باوجود جو شخص اہلسنت کو مشرک کہتا ہے اسے کتاب وسنت سے جاہل یا متعصب ہی سمجھا جائے گا۔

اور انہیں راحتیں اور نعمتیں عطا فرماتا ہے، وہی اولاد دیتا ہے، لہٰذا وہی اس لائق ہے کہ اسکی عبادت کی جائے۔

تیسری خصوصیت: **وحدت:**

اسلام دین وحدت ہے۔ یہی دین تمام انسانوں کو وحدت کی زنجیر میں جکڑ کر ایک فرد کی صورت میں قائم رکھ سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" [۱] (اور تم سب اللہ کی رسی (دین) کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ)۔

چوتھی خصوصیت: **درس اخوت:**

اسلام اخوت کا درس دیتا ہے۔ کالے گورے اور دیگر نسلی وجغرافیائی امتیازات کا لحاظ کیے بغیر تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد پاک ہے "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" [۲] (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں) مسلمانوں کی راہ میں ملکی حدود، آب وہوا اور رنگ ونسل کو حائل کرنا غلط ہے۔ وہ سب ایک ہیں۔ مسلمان کہیں ہو اور کوئی ہو وہ مسلمان ہے۔ اسکا وطن سارا جہان اور اسکی برادری سب مسلمان ہیں۔ اسلام کا یہ درس جادو کا اثر رکھتا ہے اور اشاعت اسلام میں اس نے بڑی مدد کی ہے۔

---

[۱] سورۃ آل عمران/آیت ۱۰۳

[۲] سورۃ الحجرات/آیت ۱۰

پانچویں خصوصیت: مساوات:

اسلام کی نگاہ میں تمام انسان اور اقوام اپنی پیدائش اور اصل کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ ایک انسان کو دوسرے پر فضیلت رنگ ونسل کی بنا پر نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ "[1] قبولیت اور ثواب میں مذکر اور مؤنث کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ جزاء وسزا وغیرہ کے قوانین میں بھی مساوات ہے۔ کسی جرم کے ارتکاب پر جو سزا کسی غریب کیلئے ہے وہی امیر کیلئے ہے اور جن بعض احکام میں مرد وعورت کے درمیان امتیاز رکھا گیا ہے وہ فطری اور تقاضائے عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔ اسلامی مساوات کی نمایاں مثال حج میں ہے کہ اس موقع پر مختلف اقوام اور مختلف افراد کی شخصی حیثیت کالعدم ہو جاتی ہے۔

چھٹی خصوصیت: اعتدال:

اسلام میں اعتدال ہے۔ اسکی تعلیمات واحکام افراط وتفریط سے پاک ہیں۔ اعتقادات ہوں یا اعمال، روحانی واخروی امور ہوں یا دنیوی تمدن وترقی کی باتیں ہر ایک میں اسلام اعتدال ومیانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلامی اعتدال کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

پہلی مثال: بعض نے مطلقاً اللہ کی نفی کی اور کہا کہ کوئی خدا نہیں ہے اور بعض نے ایک سے زیادہ الٰہ ثابت کیے اور میانہ روی صرف ایک اللہ کے ثابت کرنے میں ہے اور یہ قول ہے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" (اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں)۔

---
[1] سورۃ الحجرات/آیت ۱۳

دوسری مثال: بعض نے کہا کہ بندہ مجبور محض ہے۔ اسے اپنے فعل میں کوئی قدرت واختیار نہیں اور بعض نے کہا کہ بندہ اپنے افعال میں مستقل ہے اور عدل یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ بندہ فعل کرتا ہے لیکن اس قدرت وارادہ داعیہ کے واسطے سے جنہیں انسان کے اندر اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے۔

تیسری مثال: یہودیت میں سختی بہت زیادہ ہے اور عیسائیت میں تساہل بہت زیادہ ہے اور شریعت محمدیہ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ میں میانہ روی ہے مثلاً یہودی حالت حیض میں عورت سے سخت اجتناب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکے ساتھ کھانے پینے سے بھی احتراز کرتے ہیں اور عیسائی حالت حیض میں وطی کو بھی حلال جانتے ہیں اور اعتدال وہی ہے جس کا حکم حضور پرنور ﷺ کی شریعت میں ہے کہ اسکے ساتھ رہنا اور اسکے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا وغیرہ جائز ہے مگر گندے خون کی وجہ سے اسکے ساتھ وطی (فعل مخصوص) حرام ہے۔[1]

چوتھی مثال: "لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ" کے ارشاد سے رہبانیت کو اگرچہ اسلامی تعلیمات سے خارج کیا لیکن یہ بھی ہدایت کی ہے کہ دنیا میں ہی پوری طرح منہمک نہ ہو جاؤ کیونکہ یہ فانی ہے۔ کھیل کی طرح تھوڑے عرصے کیلئے ہے۔ قرآن مجید میں ہے "وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ"[2] (ترجمہ) اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں ہے مگر کھیل کود۔

پانچویں مثال: اسلام نے روپیہ پیسہ کمانے اور اس کے خرچ کرنے میں بھی اعتدال

---
[1] سورۃ البقرۃ/آیت ۲۲۲ [2] سورۃ العنکبوت/آیت ۶۴

کی ہدایت کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے " وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا " [1] (ترجمہ) اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے بڑھتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

ساتویں خصوصیت: تبلیغی اور اصلاحی ہونا:

اسلام ایک تبلیغی اور اصلاحی تحریک ہے جسکا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور بہترین معاشرہ کا قیام ہے۔ اس مقصد کیلئے ہر مسلمان پر اپنی حیثیت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا " وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْهُ فَتَدْعُوْنَهٗ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ " [2] قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ضرور بالضرور تم نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے تو (اس کا اثر یہ ہوگا کہ) تم اس سے دعا کرو گے اور وہ تمہاری دعا قبول نہیں فرمائے گا۔

آٹھویں خصوصیت: سرعت اور وُسعت:

سرعت اور وسعتِ اشاعت میں کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا حضور ﷺ کے وصال فرماجانے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام وسط ایشیا سے لیکر افریقہ کی مغربی

---

[1] سورۃ الفرقان/آیت ٦٧ [2] جامع ترمذی/ابواب الفتن/باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر

حدود تک لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کا نعرہ لگا رہا تھا۔ اگر مسلمانوں کی وسیع سلطنت کے اندرونی فسادات نہ ہوتے تو یورپ اسلام کے دامن کرم میں آچکا ہوتا۔

نویں خصوصیت: جامع ضابطہ حیات:

اسلام ایک جامع ضابطہ حیات ہے۔ اسلام نے ماں کے پیٹ میں آنے کے وقت سے قبر میں جانے اور وراثت تقسیم ہونے تک مکمل راہنمائی فرمائی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کو سنبھالا ہے۔ بچے کو دودھ پلانا، چھڑانا، تعلیم، شادی بیاہ، خوشی غمی کے سارے احکام تفصیل کیساتھ بیان کیے ہیں۔

دسویں خصوصیت: تعلیمات کا عام فھم ھونا:

اسلامی تعلیمات اسقدر سہل اور عام فہم ہیں کہ علماء کے تعاون سے ہر شخص انہیں با آسانی سمجھ سکتا ہے اور بلاتکلف ان پر عمل کرسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے " وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ " [1] (ترجمہ) اور بیشک ہم نے قرآن سمجھنے اور یاد کرنے کیلئے آسان کیا، تو کیا ہے کوئی سمجھنے اور یاد کرنے والا؟

گیارہویں خصوصیت :

احکام میں سختی وتنگی کا نہ ھونا

اسلامی احکام میں اسقدر سختی اور تنگی نہیں ہے کہ ان پر عمل کرنا ہی دشوار ہو جائے۔

---

[1] سورۃ القمر/آیت ١٧

ارشاد باری تعالیٰ ہے " مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ "[۱] اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے۔ نیز فرمایا "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" [۲] اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسکی طاقت کے مطابق۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے "بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ" [۳] مجھے سیدھی آسان شریعت دیکر بھیجا گیا ہے۔

بارھویں خصوصیت:

اسلامی تعلیمات میں غور و فکر کی دعوت دینا:

اسلام نے نہ تو عقل کو صحت ویقین کا قطعی معیار قرار دیا ہے اور نہ اسے مطلقاً معطل وبیکار چھوڑا ہے بلکہ عقل کے چراغ میں تعلیم وحی کا روغن ڈال کر اسکی روشنی میں صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ اسلام لوگوں کو اسلامی تعلیمات میں غور وفکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ " [۴] تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور یہ اسکی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ اگر اسلامی تعلیمات کے غلط ہونے کا گمان یا شبہ ہوتا تو انمیں غور وفکر کرنے سے روک دیا جاتا تا کہ ان کا غلط ہونا ظاہر نہ ہو۔

تیرھویں خصوصیت:

دشمنوں سے بھی انصاف کرنیکا حکم:

اسلام ہر شخص سے انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَا

---

[۱] سورۃ المائدہ/آیت ۶ [۲] سورۃ البقرہ/آیت ۲۸۶

[۳] مسند امام احمد بن حنبل/ج ۵ص ۲۶۶ [۴] سورۃ النساء/آیت ۸۲

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا "[۱] یعنی کسی قوم سے بغض ودشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو اور ان پر ظلم کرو اور ان کے معاملہ میں حد سے بڑھو بلکہ انصاف کرو اگر چہ وہ غلط رویہ تمہارے بارے میں اختیار کریں۔

چودھویں خصوصیت:

امن و رواداری اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ:

اسلام تمام بنی نوع انسان کیلئے امن ومحبت کی ضمانت دیتا ہے اور ان لوگوں کے بھی حقوق غصب نہیں کرتا جو اسکے مخالف ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں اسلام دشمن مذاہب کے پیروکاروں کے معاشرتی اور سیاسی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ انکی مذہبی رسومات وعقائد میں مداخلت نہیں کی جاتی۔ انکی عزتِ نفس کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں رواداری اور وسعتِ قلبی کی مثالیں جس کثرت سے نظر آتی ہیں عیسائیت کی تاریخ تقریباً اس سے خالی ہے حالانکہ یہ مذہب رحم اور برداشت کا اس حد تک دعویدار ہے کہ بائبل کے مطابق اگر کوئی تمہارے داہنے رخسار پر تھپڑ مارتا ہے تو تم اپنا بایاں رخسار بھی اس کے سامنے کر دو تا کہ وہ اپنا شوق پورا کرلے۔ اسلام اس طرح کا کوئی غیر فطری، ناقابل عمل دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن وقار اور شائستگی کیساتھ امن، رواداری اور درگزر کے جن تقاضوں کو یہ دین بروئے کار لاتا ہے وہ بے مثال اور عدیم النظیر ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا" مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ

---

[۱] سورۃ المائدۃ/آیت ۸

غـامـاً'' [1] (ترجمہ) جس نے کسی ذمی کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا حالانکہ بلاشبہ اسکی خوشبو چالیس سال کی مسافت و دوری سے محسوس کی جائے گی۔ اسلامی مملکت میں رہنے والی اقلیتوں (ذمیوں) کو یہ تحفظ اسوقت تک رہتا ہے جب تک وہ اسلام اور اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت اور دشمنی کے اعلانیہ مرتکب نہیں ہوتے۔

پندرویں خصوصیت: عورتوں کے حقوق اور انکا تحفظ

اسلام نے عورت کو جو مراعات و حقوق عطا کیے ہیں ان کی مثال موجودہ دنیا کے کسی تمدن یا مذہب میں ہرگز نہیں ملتی اور اس صنف نازک کی جو عزت افزائی اسلام کرتا ہے اسکا عشر عشیر بھی کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ اسے والدین' بھائیوں' بیٹوں اور شوہر کی جائیداد متروکہ میں باقاعدہ حصہ دار بنایا ہے۔ علم حاصل کرنے کی اسکو نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ دین کے ضروری مسائل کا علم حاصل کرنا مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں پر بھی فرض فرمایا ہے۔ نکاح کے معاملہ میں بھی اسے خاص قسم کی آزادی اور تحفظ دیا ہے۔ ماں کے قدموں میں جنت قرار دے کر ماؤں کی خدمت پر ابھارہ ہے۔ بیٹیوں کی تربیت اور پرورش کو جنت کی ضمانت قرار دیا ہے اور اسے نحوست کی بجائے برکت و رحمت کی علامت قرار دیا گیا۔ حجۃ الوداع کے نہایت اہم خطبہ میں بھی حضرت رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی وصیت فرمائی۔ عورتوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا' فَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ'' [2] (ترجمہ) تم بیویوں کے بارے میں اللہ تعالٰی سے ڈرو۔ بلاشبہ تم نے ان کو اللہ کے عہد کیساتھ حاصل کیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری / کتاب الجہاد / باب الم من قتل معاهد ابغیر جرم [2] مشکوٰۃ / ص ۲۲۵

دین اسلام عورتوں کی کس قدر رعایت کرتا ہے اسکا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حالتِ جنگ میں جبکہ دشمن کے حوالہ سے سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ'' فَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ '' [1] رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

مشکوٰۃ ص ۳۴۳ میں بحوالہ ابوداؤد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا'' لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَّلَا طِفْلًا صَغِيْرًا وَّلَا امْرَأَةً '' (ترجمہ) نہ قتل کرو بہت بوڑھے کو (جبکہ وہ لڑنے کے قابل نہ ہو) اور نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو۔ یہ اسلام کی تعلیم ہے غیر مسلم عورتوں اور بچوں کے حوالہ سے جبکہ دوسری طرف غیر مسلموں کا رویہ مسلمان عورتوں' بچوں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ اور ذلت آمیز ہے۔ انسانی حقوق کے چیمپین و محافظ بننے والوں کے نزدیک مسلمان جان کو وہ مقام بھی حاصل نہیں ہے جو وہ جانوروں کو دیتے ہیں۔ انسانی حقوق کے حوالہ سے انکے تمام قوانین سب غیر مسلموں کی حفاظت کیلئے ہیں۔

سولہویں خصوصیت: قبول اسلام کی برکت سے پہلے گناہوں کا معاف ہونا:

اسلام کی آغوش میں آجانے سے دلوں کو اطمینان اور ذہنوں کو آسودگی اور نجات حاصل ہوتی ہے۔ اسلام قبول کرنے والے شخص کے پہلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری / کتاب الجہاد / باب قتل النساء فی الحرب

عمرو بن عاص ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ" [1] (ترجمہ) اے عمرو کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

سترہویں خصوصیت: صفائی اور پاکیزگی کی تعلیم

دین اسلام صفائی و پاکیزگی کا درس دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ" [2] (ترجمہ) اور لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کر دے۔ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ" [3] (ترجمہ) پاکیزگی ایمان کا جزء ہے۔ جس طرح جسمانی نجاستوں کو زائل کرنے کا نام طہارت ہے اسی طرح عقائد فاسدہ اور اخلاق باطلہ کو زائل کرنے کا نام بھی طہارت ہے کیونکہ کفر و معاصی ارواح کی نجاست و پلیدی ہے تو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے سے انسان کا ظاہر جسم بھی پاک ہو جاتا ہے اور اسکا باطن یعنی روح بھی پاک ہو جاتی ہے اور اس طہارت کا اثر مسلمان کے کردار و عمل سے ظاہر ہوتا ہے جسے قرآن نے صِبْغَةَ اللّٰهِ کا نام دیا ہے۔ [4]

اٹھارہویں خصوصیت: انسان کو پیدائشی گناہگار قرار نہ دینا

عیسائیت میں ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے اور وہ اسی مکروہ حالت میں رہتا ہے جب تک کہ کوئی پادری اسے بخشش کا سرٹیفکیٹ نہ دے دے۔ (حالانکہ اس پادری کی اپنی

---

[1] مشکوٰۃ/ص ۱۴ [2] سورۃ المائدہ/آیت ۶ [3] صحیح مسلم/کتاب الطہارات/باب فضل الوضوء [4] البقرہ آیت ۱۳۸ میں ارشاد باری ہے صبغة الله ج ومن احسن من الله صبغة (ترجمہ) اللہ کا رنگ دینا اور رنگ دینے میں اللہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

معصومیت کا معاملہ غور طلب ہے) ہندوازم اور بدھ مت بھی انسان کے ازلی گناہگار ہونے کا تصور رکھتے ہیں اور انکے نظریے کے مطابق اس گناہ سے نجات کی خاطر انسان مختلف شکلوں میں بار بار دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ آواگون یا تناسخ کا فلسفہ اسی فکر کا مظہر ہے۔ مذہب اسلام یہ کہتا ہے کہ سارے انسان پیدائشی طور پر بے خطا ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ" [1] (ترجمہ) ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین (اور اسکا ماحول) اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں اور یہی بات عقل اور حقیقت کے مطابق ہے۔

انیسویں خصوصیت:

اسلامی تعلیمات کا سب کیلئے برابر ہونا

ہندومت اور عیسائیت کے برخلاف اسلام میں مخصوص افراد کا کوئی ایسا طبقہ نہیں ہے جس کیلئے انکی تعلیمات کا کوئی خاص حصہ محفوظ و مختص کیا گیا ہو اور وہ عام لوگوں کی دسترس سے دور ہو۔ اسلامی تعلیمات ہر فرد کیلئے یکساں حیثیت و اہمیت کی حامل ہیں۔

بیسویں خصوصیت:

غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت دینا:

اسلام کے اصول و ضوابط دائمی ہیں اور انسانی معاشرہ میں فطری تغیرات کے پیدا ہونے کیوجہ سے جو نئے مسائل پیش آسکتے ہیں انکے حل کیلئے اصول و ضوابط کی روشنی میں

---

[1] صحیح بخاری/کتاب الجنائز/باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه

اجتہاد کی اجازت ہے۔ جب حضرت رسول اللہ ﷺ معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی و گورنر بنا کر بھیجنے لگے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا "کَیْفَ تَقْضِیْ اِذَا عَرَضَ لَکَ قَضَاءٌ" ؟ جب تیرے پاس کوئی مقدمہ و جھگڑا آئے گا تو تو فیصلہ کیسے کرے گا؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "اَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰہِ" میں اللہ کی کتاب (قرآن) کے ساتھ فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ" اگر کتاب اللہ میں نہ پائے تو؟ انہوں نے عرض کیا "فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ" تو اللہ کے رسول کی سنت کے موافق فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ" تو اگر رسول اللہ کی سنت میں بھی نہ پائے اور کتاب اللہ میں بھی نہ پائے تو معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "اَجْتَہِدُ بِرَاْیِیْ وَلَا اٰلُوْ" میں اپنی رائے و فکر سے اجتہاد کرونگا اور اس میں کوتاہی نہ کروں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے اظہار مسرت فرمایا اور معاذ کو یہ جواب الہام کیے جانے پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ ۱

اکیسویں خصوصیت: **شرم و حیا:**

حیا سے مراد ایمانی حیا ہے اور یہ ایک ایسی وصف ہے کہ جب کسی شخص میں پیدا ہوجاتی ہے تو ایمان کیوجہ سے اسے برے کام کرنے سے روکتی ہے۔

ہر مذہب کے ماننے والوں کی بعض ایسی وصفیں اور عادتیں ہوتی ہیں جو انکی باقی عادتوں پر غالب ہوتی ہیں۔ عادت و وصف کے اس غلبہ کو اس دین یا قوم کا مزاج کہا جاتا ہے۔ اسلام کا مزاج حیا ہے۔ غیر مسلموں میں بے حیائی اور بدکاری عام ہے ننگے ڈانس

۱ سنن ابوداؤد/کتاب القضاء/باب اجتہاد الرای فی القضاء

رقص و سرود کی محفلیں انکا مزاج اور انکی ثقافت ہیں۔ صحیح العقیدہ مسلمان ایسی محفلوں سے اظہار نفرت کرتے ہیں۔ اسلام سختی کے ساتھ ان چیزوں سے روکتا ہے اور شرم و حیا کی تلقین کرتا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَّ خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ" ۱ (ترجمہ) بیشک ہر دین کا ایک مزاج ہوتا ہے اور اسلام کا مزاج حیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ" ۲ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا "لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا کَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّیْطَانُ" ۳ (ترجمہ) کوئی مرد کسی عورت (غیر محرم) کیساتھ تنہائی نہیں کرتا مگر یہ کہ (اس حالت میں) انکے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّ سَاءَ سَبِیْلًا" ۴ (اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے)۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے "مَا مِنْ قَوْمٍ یَظْهَرُ فِیْهِمُ الزِّنَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ وَمَا مِنْ قَوْمٍ یَظْهَرُ فِیْهِمُ الرِّشَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ" ۵ (جس قوم میں زنا عام ہوجائے وہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوجاتی ہے اور جس قوم میں رشوت عام ہوجائے وہ اپنے دشمن سے مرعوب ہوجاتی ہے)۔

ایک حدیث میں ہے کہ "اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" ۶ (جب تو

۱ موطا امام مالک/کتاب الجامع/باب ماجاء فی الحیا
۲ صحیح مسلم/کتاب الایمان/باب عدد شعب الایمان ۳ مشکوٰۃ/ص ۲۶۹
۴ سورۃ بنی اسرائیل/آیت ۳۲ ۵ مشکوٰۃ/ص ۳۱۳/بحوالہ مسند احمد
۶ صحیح بخاری/کتاب الادب/باب اذالم تصحتی فاضع ماشئت

حیا نہ کرے تو جو چاہے کر یعنی جب تجھ میں حیا نہیں ہوگا تو جو برا کام چاہے گا کریگا کیونکہ اس وقت غلط کام سے روکنے والی کوئی چیز تیرے اندر نہ ہوگی۔ شاید اسی لیے امریکہ، یورپ اور انکے ذیلی ادارے مسلمانوں میں بے حیائی و عریانی پھیلانے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ انسانی یا ترقیاتی حوالہ سے جب کوئی امداد دیتے ہیں تو ثقافت اور آزادی نسواں کے نام پر ٹی وی، تعلیمی اداروں اور دفتروں میں مرد و عورت کے اکٹھے کام کرنے اور عریانی و فحاشی کے پروگراموں کے نفاذ کا وعدہ لیتے ہیں۔ حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ذہنی صلاحیتوں سے کام لے کر معمولی شرائط پر بڑے فائدے کا سودا کیا ہے اور بڑا قرضہ و امداد حاصل کر لی ہے حالانکہ یہ انکی غلط فہمی ہے۔ دراصل یہ لوگ قوم کے نظریات و معتقدات پر غیروں کی ثقافتی یلغار میں انکے آلہ کار بن کر اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے کہ بے حیائی کے رواج پانے سے قوم کا ایمان اور انکے نظریات کی پختگی ختم ہو جاتی ہے۔ تو جب ایمان ہی نہ رہا تو پھر اللہ کی رضا و محبت اور وطن کی حفاظت میں جان و مال کی قربانی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کافروں، منافقوں سے جہاد کرنے اور وقار کے ساتھ رہنے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان برحق ہے کہ "اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ" ۱؎ بلاشبہ حیا اور ایمان دو جڑویں ساتھی ہیں تو جب ان میں سے ایک اٹھ جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔

بائیسویں خصوصیت: اسلام کا سیاسی نظام

اسلام کا سیاسی نظام بھی دیگر نظاموں کے مقابلے میں کئی امتیازی اوصاف

۱؎ مشکوٰۃ/ص ۴۳۲

وخصوصیات کا حامل ہے۔ چند خصوصیات یہ ہیں۔ (۱) اسلامی نظام کسی مخصوص علاقہ کے لوگوں کی بجائے تمام بنی نوع انسان کیلئے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا" ۱؎ (ترجمہ) اور (اے حبیب) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ (۲) کسی بھی سیاسی نظام کی ایک اہم جزء اسکا اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ سے مراد ایسا مطلق اور غیر محدود اختیار ہے جو ہر فرد اور افراد کے تمام اداروں پر حاوی ہو۔ اسلام کے مقابل نظاموں میں مقتدر اعلیٰ کوئی ایک انسان یا ادارہ ہوتا ہے جبکہ دین اسلام میں مقتدر اعلیٰ خود اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ" ۲؎ سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ دوسرے مقام پر فرمایا "اَلَا لَهُ الْحُكْمُ" ۳؎ خبردار ہو جاؤ حکم اسی کا ہے۔ عقیدہ توحید اللہ تعالیٰ کیلئے اسی اقتدار اعلیٰ کے اعتراف و اقرار کا نام ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے نائب (خلیفہ) ہونے کی حیثیت میں اس اقتدار کا عملاً نفاذ فرمایا۔ (۳) دیگر تمام سیاسی نظاموں کے دساتیر خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں مگر اسلام کا دستور قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس میں دنیا و آخرت دونوں جہان کی بھلائی موجود ہے۔ قرآن اسلامی نظام کی پہلی بنیاد ہے، پھر اسکے بعد حضرت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے جو قرآنی احکام کی تشریح کرتی ہے۔ اسکے اجمال کی تفصیل کرتی ہے اسکے اسرار و رموز کو ظاہر کرتی ہے پھر فقہ ہے اور یہ دراصل قرآن و سنت کے فہم و سمجھ کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے توسط سے علماء ربانیین کو عطا فرماتا ہے۔ اسی فقہ کی بدولت علماء قرآن و سنت کی رو

۱؎ سورۃ السبا/آیت ۲۸ ۲؎ سورۃ الاعراف/آیت ۵۴ ۳؎ سورۃ الانعام/آیت ۶۲

شی میں پیچیدہ اور جدید مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ (۴) اسلام میں حکمران کو بادشاہ نہیں کہا جاتا بلکہ خلیفہ یا امیر المومنین کا نام دیا جاتا ہے۔ (۵) مسلمان حکمران مختار مطلق نہیں ہوتا بلکہ وہ شریعت کے احکام نافذ کرتا ہے اور اپنے انتظامی امور شریعت کی حدود میں رہ کر انجام دیتا ہے۔ (۶) خلیفہ کو اختیار ہوتا ہے کہ انتظامی امور میں معاونت کیلئے جن افراد کو چاہے منتخب کرلے بشرطیکہ وہ اس کام کے اہل ہوں۔ (۷) اسلامی نظام حکومت کی ایک اہم خصوصیت شوریٰ یعنی ''رائے اور مشورہ حاصل کرنا'' ہے۔ قرآن مجید میں ہے ''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ'' [۱] (ترجمہ) اور انکا کام آپس میں مشورے سے ہے اور رائے دہی کا حق صرف ایسے افراد کو حاصل ہوتا ہے جو مسلمان ہوں اور اسلامی تعلیمات کا شعور رکھتے ہوں۔ شوریٰ سے حکام کو راہنمائی ملتی ہے اور عوام الناس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ نیز اس سے اجتہادی صلاحیتیں اور مدبرانہ غور وفکر کی راہیں کھلتی ہیں۔ (۸) اسلام میں حکومتی منصب کسی کا حق نہیں بلکہ بہت بڑی ذمہ داری ہوتا ہے۔ خواہ منصب خلافت ہو یا قضاء، سپہ سالاری ہو یا کسی علاقے کا گورنر ہونا۔ اس لیے ان مناصب پر ایسے لوگوں کو مقرر نہیں کیا جاتا جو ان کے طلب گار اور لالچی ہوں۔

(۹) اسلامی حکومت کے اولین مقاصد یہ ہوتے ہیں۔

۱۔ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا۔ [۲] ۲۔ بھلائی کے کاموں کا حکم کرنا۔ [۳]

۳۔ برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکنا۔ [۴]

---

[۱] سورۃ الشوریٰ/آیت ۳۸ [۲] سورۃ الحج/آیت ۴۰ [۳] سورۃ الحج/آیت ۴۰

[۴] سورۃ الحج/آیت ۴۰

۴۔ فیصلہ کرتے وقت عدل وانصاف کرنا۔ [۱]

۵۔ غلبہ دین میں رکاوٹ بننے والوں سے جہاد کرنا۔ خواہ وہ کافر ہوں یا منافق۔ [۲]

تیئیسویں خصوصیت: اسلام کا معاشی نظام

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عرب میں جو برائیاں عام تھیں انمیں کئی انسانی معاش سے متعلق تھیں۔ معیشت کے وسائل میں ایک بڑا وسیلہ تجارت تھا جس میں سود در سود سے کام لیا جاتا تھا۔ لوٹ مار، دھوکہ دہی اور چوری عام تھی۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس معاملہ میں بھی اصلاحات فرمائیں۔ آپ ﷺ نے تجارت کرنے کی ترغیب دی اور ایک اچھے تاجر کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی کہ ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ '' [۳] (ترجمہ) سچ بولنے والا امانت دار تاجر نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ آپ ﷺ نے جہاں سرمایا دار کو تاکید فرمائی کہ وہ مزدور کی مزدوری اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرے وہاں مزدور کیلئے بھی یہ فرمایا کہ وہ اپنا کام مالک کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کیساتھ خوش اسلوبی سے انجام دے۔

اسلامی معاشیات اور مادی معاشیات کے درمیان تقابلی جائزے سے جن باتوں میں واضح فرق سامنے آتا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام انسان کی انفرادی اور آزاد ملکیت کا قائل ہے۔ اشتراکی نظام انسان کی انفرادی ملکیت کا سرے سے ہی انکار کرتا ہے جبکہ دین اسلام کی تعلیم ان دو

---

[۱] سورۃ النساء/آیت ۵۸ [۲] سورۃ البقرہ/آیت ۱۹۳

[۳] جامع ترمذی/ابواب البیوع/باب ماجاء فی التجار

انتہاؤں کے درمیان ہے۔ یعنی اسلام انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے مگر یہ ملکیت اور اسکا تصرف مطلقاً آزاد نہیں بلکہ مالک حقیقی اللہ جل شانہٗ کی مرضی کے تابع ہونا چاہیے۔

۲۔ مادی معاشیات میں ''معاش'' انسان کا بنیادی مسئلہ اور معاشی ترقیاں اسکی زندگی کا منتہائے مقصود ہیں۔ اسلامی معاشیات میں اگرچہ معاش ضروری ہے لیکن انسانی زندگی کا اصل مقصد نہیں ہے۔ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان اور اسکی عبادت ہے جس کے نتیجے میں اسے آخرت کی فلاح وکامیابی حاصل ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے'' وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ''[1] (ترجمہ) اور میں نے جن اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اسلئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اسی لئے قرآن مجید نے اگر ایک مقام پر تحصیل مال کیلئے'' وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ ''[2] فرمایا ہے تو دوسرے مقام پر دنیوی زندگی کیلئے ''مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ''[3] فرمایا اور مال واسباب کیلئے لفظ دنیا کا استعمال فرمایا جو لغوی مفہوم کے اعتبار سے ان چیزوں کے گھٹیا پن اور حقارت پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ اسلام کی نظر میں چونکہ ہر چیز کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ہر چیز میں انسان کی ملکیت وتصرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا کردہ ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس دولت پر انسان کے تصرفات کو اپنی مرضی کا پابند بنائے لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ مالک حقیقی کی طرف سے اسکے تصرفات پر جو حدود وقیود اور پابندیاں عائد ہیں انکا لحاظ کرے۔ دولت حاصل کرنے کیلئے سود، ملاوٹ، جوا، زنا اور رقص وسرود اور اس قسم کے دوسرے فحش ذرائع اختیار کرنے سے بچے کہ ان سے اللہ اور رسول دونوں نے منع فرمایا ہے۔

۱ سورۃ الذاریات/ آیت ۵۶ ۲ سورۃ الجمعۃ/ آیت ۱۰ ۳ سورۃ الحدید/ آیت ۲۰

سرمایہ دار کا ذہنی پس منظر چونکہ نظری یا عملی طور پر مادہ پرست ہے اسلئے اسکے نزدیک انسان کو دولت پر آزاد اور خود مختار ملکیت حاصل ہے وہ اسکو جس طرح چاہے صرف کرسکتا ہے۔ اسی لئے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو ناپ اور تول میں ڈنڈی مارنے یعنی دیتے وقت گھٹا کر دینے سے منع فرمایا تو انہوں نے اس نصیحت کے جواب میں کہا'' یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ''[1] (ترجمہ) اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے (کہ آپ ہم سے یہ کہیں) کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا یہ کہ جو کچھ ہم اپنے مالوں میں کرنا چاہیں نہ کریں (یعنی اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں)

سرمایہ دارانہ معاشیات میں سود جائز ہے۔ اس ذہنیت کے لوگ اسے فریقین کا باہمی معاملہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ایک فریق خود نقصان کا خطرہ مول لینے پر راضی ہے تو اس پر اعتراض کیوں؟ جیسا کہ بیع میں کوئی شخص اپنی چیز کم قیمت پر دینا چاہے تو اس پر شرعاً کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اسلامی شریعت سے آگہی رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اسلام میں فریقین کی باہمی رضامندی ہمیشہ کسی معاملے کے جواز کی وجہ نہیں ہوتی۔ زنا جسے مغربی تہذیب نے خالص نجی زندگی کا مسئلہ سمجھا ہوا ہے۔ اس میں فریقین کی رضامندی مجرموں کو بری نہیں کرسکتی، اسی طرح سود، قمار رشوت وغیرہ میں فریقین کی رضامندی ان کو جائز نہ کرے گی کیونکہ ان سب چیزوں کو شریعت نے حرام کیا ہے۔ کفار مکہ نے جب بیع کو سود کی طرح قرار دیا کہ دونوں میں باہمی رضامندی پائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی

۱ سورۃ ھود/ آیت ۸۷

بات کے رد میں فرمایا "اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [1] یعنی بیع اور سود میں فرق یہ ہے کہ بیع کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو اس نے حرام کیا ہے۔

۴۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دولت مختلف افراد میں گردش کرتی رہے اور چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے "كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ" [2] تا کہ دولت تم میں سے مال داروں تک محدود نہ رہے اور کسی فرد کو دولت کے بل بوتے پر استحصال کا موقع نہ ملے۔ اس سلسلے میں اسلام نے کئی عملی اقدام بھی کیے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ، عشر، کفارات، صدقۃ الفطر، نفقات، وراثت، خراج اور جزیہ (یہ صرف غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے) یہ مختلف مدات امیروں پر فرض کی ہیں تا کہ انکے ذریعے غریب، کمزور اور مفلس لوگوں کو امیروں کی دولت میں حقدار بنایا جائے اور اس طرح دولت کئی افراد میں منقسم ہو جائے۔

اسلام نے کمزور لوگوں کو امیروں کے اموال میں حق دینے کے ساتھ ساتھ پیشہ وارانہ گداگری پر بھی نظر رکھی ہے۔ جسکے پاس ایک دن کے گزارہ کا سامان موجود ہو اس کیلئے مانگنا حرام کر دیا ہے اور سوال کرنے کو ذلت قرار دیا ہے۔ بھیک مانگنے کی بجائے اپنے ہاتھوں سے کما کر کھانے کی تحسین کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے "طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ" [3] حلال و جائز کمائی تلاش کرنا ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے (اس شخص پر جو اس کا محتاج ہے)۔

---

[1] سورۃ البقرۃ/ آیت ۲۷۵ [2] سورۃ الحشر/ آیت ۷

[3] مشکوٰۃ/ کتاب البیوع/ باب الکسب وطلب الحلال/ الفصل الثالث

چوبیسویں خصوصیت:

اسلام کا معاشرتی نظام

اسلام کے نظام معاشرت کی خصوصیات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ خاندانی نظام: کسی بھی معاشرہ کی بنیادی اکائی خاندان ہوتا ہے۔ اسلام میں ایک خاندان کو چند صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔

۱) تحفظ نسب: اسی لئے اسلام نے زنا کو حرام کیا اور اسکے تمام اسباب پر روک لگا دی۔ دوسری طرف نکاح کو محض جائز ہی نہیں بلکہ ترغیب دینے کیلئے اسے نصف ایمان قرار دیا۔

۲) مرد کی نظامت: گھر میں نظم وضبط قائم رکھنے کیلئے اسلام نے مرد کو ناظم کی حیثیت دی ہے اور اسے گھر والوں کے اخلاق وعادات ٹھیک رکھنے کیلئے زجر و توبیخ کی بھی اجازت دی ہے۔

۳) حسن معاشرت اور احترام: دین اسلام خاندان کے بعض افراد کو بعض کیلئے قابل احترام قرار دیتا ہے۔ خاندان میں والدین کو سب سے زیادہ تکریم دی گئی۔ باپ کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ماں کے قدموں کے نیچے جنت کہہ کر ان دونوں کے احترام اور خدمت کی ترغیب دی گئی۔ بڑے بھائی کو چھوٹے کیلئے بمنزلہ باپ کے قرار دے کر بڑے کے احترام اور چھوٹے پر شفقت کی تلقین کی گئی۔ بیٹیوں کو باعث رحمت اور تحصیل جنت کا ایک سبب قرار دیکر ان پر خصوصی شفقت کرنے کی ترغیب دی۔ اولاد کو اچھے اخلاق اور ادب کی تعلیم دینا اسے والد کی طرف سے اولاد کیلئے بہترین عطیہ قرار دیا گیا۔ زوجین میں سے ہر

ایک پر دوسرے کے حقوق لازم کیے۔ شوہر کی تعظیم اور جائز کاموں میں اسکی اطاعت بیوی پر لازم کی اور شوہر کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کیساتھ اچھا سلوک کرے اور اسکے نان ونفقہ کا کفیل بنے۔ دین اسلام والدین اور بیوی بچوں کے سوا دیگر رشتہ داروں کیساتھ بھی حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مشکوۃ شریف کے باب البرّ والصّلة میں حدیث ہے کہ ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَاتَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَكُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحْمِ مَحَبَّةٌ" فِى الْاَهْلِ مَثْرَاةٌ" فِى الْمَالِ مَنْسَاةٌ" فِى الْاَثَرِ '' (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے نسب سے ان باتوں کو سیکھو جنکے سبب تم اپنے رشتوں کو ملاؤ گے کیونکہ رشتہ داری تعلق کو ملانا خاندان میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں زیادتی کا سبب ہے۔

2. مساوات: جب تک معاشرہ کے تمام افراد کو ایک نظر سے نہ دیکھا جائے افراد کا باہمی تعلق مستحکم نہیں ہو سکتا اس لئے اسلام کی نظر میں پیدائشی لحاظ سے تمام انسان مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ ذات پات اور قبیلے شرافت و بزرگی کا معیار نہیں ہیں بلکہ انکا مقصد صرف اتنا ہے کہ ایک دوسرے کی پہچان ہو سکے۔ قران پاک میں ارشاد باری تعالی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [1] (ترجمہ) اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے اسلام کی عطا کردہ یہ

[1] سورۃ الحجرات/آیت ۱۳

مساوات کسی دوسرے معاشرے میں نہیں پائی جاتی ساری زمین کے مسلمان دنیا کے کسی کونے میں رہتے ہوں، کوئی سی زبان بولتے ہوں، جس رنگ کے بھی ہوں سب کیلئے عقائد ونظریات اور قوانین واحکام ایک جیسے ہیں۔ حج اور نماز کے موقع پر سب بلا امتیاز ایک ہی جگہ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

3. ہمدردی اور خیر خواہی: معاشرے کو انتشار سے بچانے اور امن واستحکام پیدا کرنے میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور خیر خواہی کو بھی بہت زیادہ دخل ہوتا ہے۔ شریعت مصطفویہ نے لوگوں میں ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے جو تعلیمات ارشاد فرمائی ہیں انہیں سے چند یہ ہیں۔

ا۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے اور گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کیا جائے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔'' تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' [1] (نیکی اور پرہیز گاری کے کام میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو)۔

۲۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کو محسوس کیا جائے حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى'' [2] (ترجمہ) تو ایمان والوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور شفقت ومعاونت کرنے میں ایک جسم کی مانند پائے گا کہ جب جسم کا کوئی عضو دکھ اٹھاتا ہے تو سارا جسم بے خوابی اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

[1] سورۃ المائدۃ/آیت ۲ [2] صحیح بخاری/کتاب الادب/باب رحمة الناس

۳۔ ایک دوسرے کا بھلا اور خیر چاہی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ'' [1] دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔

۴۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہے خواہ اسے پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔

۵۔ کسی مسلمان سے ذاتی وجوہ کی بنا پر تین دن سے زیادہ قطع تعلق نہ کی جائے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وَلَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ'' [2] کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

۶۔ ایک دوسرے سے حسد اور نفرت نہ کی جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا'' [3]
(ترجمہ) اپنے آپکو بدگمانی سے بچاؤ کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور لوگوں کے خفیہ عیب تلاش نہ کرو اور نہ خود عیب جوئی کرو اور خرید و فروخت میں دھوکہ نہ کرو اور نہ حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے نفرت کرو اور نہ قطع تعلق کرو اور بن جاؤ اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی۔

۷۔ بوڑھے مسلمانوں کی عزت کی جائے۔ ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ

[1] صحیح بخاری/کتاب الایمان/باب قول النبی ﷺ الدین النصیحہ
[2] صحیح بخاری/کتاب الادب/باب ماینھی عن التحاسد
[3] صحیح بخاری/کتاب الادب/باب ماینھی عن التحاسد

اللّٰہِ اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَلَا الْجَافِیْ عَنْہُ وَاِکْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ'' [1] (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ کی تعظیم سے ہے بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا اور قرآن کے ایسے عالم اور حافظ کی عزت کرنا جو (اسکی قرأت یا معنی میں غلط تاویل کر کے) حد سے بڑھنے والا نہ ہو اور نہ (اسکی تلاوت واحکام سے) اعراض کرنے والا ہو اور عادل بادشاہ کی عزت کرنا۔

۸۔ یتیموں سے حسن سلوک کیا جائے۔ ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْہِ وَشَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُسَاءُ اِلَیْہِ'' [2] (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی ایسا یتیم ہو جس سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں سب سے برا گھر وہ ہے جسمیں کوئی ایسا یتیم ہو جس سے برا سلوک کیا جاتا ہو۔

چھبیسویں خصوصیت:

اسلام کا نظام حدود و تعزیرات

دین اسلام میں قصاص و کفارات کے علاوہ سزائیں دو طرح کی ہیں۔ (۱) حدود (۲) تعزیرات: حدود سے مراد وہ سزائیں ہیں جو شریعت میں معیّن ہیں۔ مثلاً غیر شادی شدہ زانی یا زانیہ کیلئے سو کوڑے اور شادی شدہ کے لئے رجم (پتھر مار مار کر ہلاک کرنا) اور تعزیرات سے مراد وہ سزائیں ہیں جو معیّن نہیں ہیں۔ انکی مقدار حاکم کے سپرد ہے مثلاً

[1] مشکوٰۃ/ص ۴۲۳ [2] مشکوٰۃ/ص ۴۲۳

غیر منکوحہ عورت کا بوسہ لینے کی سزا۔ حد اور تعزیر میں اور بھی کئی طرح فرق ہے۔ مثلاً (۱) حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور تعزیر شبہ کے باوجود دی جاسکتی ہے (۲) حد نابالغ پر جاری نہیں ہوتی اور تعزیر جاری ہو سکتی ہے (۳) حد صرف امام (حاکم) یا اسکا نائب لگا سکتا ہے اور تعزیر گھرانے کا سربراہ (شوہر، باپ، بڑا بھائی) بھی لگا سکتا ہے (۴) حد میں مقدمہ جب حاکم یا عدالت کے پاس چلا جائے تو اسمیں سفارش کرنا جائز نہیں ہے اور بغیر سفارش کے امام خود بھی اسے ختم نہیں کرسکتا جبکہ تعزیر میں سفارش ہو سکتی ہے اور امام معاف بھی کرسکتا ہے۔[۱] بلکہ پرہیزگار آدمی کو معاف کردینا بہتر ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَقِیْلُوْا ذَوِی الْھَیْئَاتِ عَثَرَاتِھِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ [۲] اچھے کردار والے لوگوں سے حدود کے سوا انکی غلطیوں میں درگزر کرو۔

دنیا کے تمام مذاہب اور قوانین وضعی اس بات پر متفق ہیں کہ جرائم کی روک تھام کرنی چاہیے تاکہ معاشرتی نظام میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اسی لئے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ دین دونوں نے جرائم کیلئے سزائیں مقرر کی ہیں لیکن دونوں کی سزاؤں میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔

1) ایک فرق تو یہ ہے کہ دین کی بنیاد اخلاق فاضلہ پر ہے۔ اس لئے شریعت چاہتی ہے کہ اخلاقی قدروں کا پورا پورا تحفظ کیا جائے۔ لہٰذا اس نے بے حیائی اور مخرب اخلاق کاموں پر سخت سزائیں رکھی ہیں اسکے برخلاف انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کو انفرادی اخلاق سے کوئی سروکار نہیں۔ البتہ اگر کسی غیر اخلاقی فعل سے دوسرے فرد یا

---

[۱] ردالمحتار/باب التعزیر/۳/ص ۱۹۴ [۲] مشکوٰۃ/ص ۳۱۱

جماعت کے نظام یا امن عامہ کو نقصان پہنچنے کا امکان ہو تو پھر قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ مثلاً زنا ہی کو لیجئے اگر عورت اور مرد دونوں اپنی رضامندی سے زنا کا ارتکاب کریں تو قانون وضعی اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا کیونکہ یہ افراد کا ذاتی معاملہ ہے اور اگر زنا بالجبر ہو تو چونکہ یہ کام ایک دوسرے فرد کے حق میں اسکی مرضی کے خلاف مداخلت ہے۔ اسلئے قانون وضعی اسکا مواخذہ کریگا لیکن چونکہ شریعت زنا کو بے حیائی اور غیر اخلاقی عمل سمجھتی ہے اس لیے ہر حال میں اسے مستوجب سزا قرار دے گی۔[۱]

2) دوسرا فرق یہ ہے کہ قانون وضعی میں قانون سازی کا فریضہ انسانوں کی ہی ایک جماعت انجام دیتی ہے اسلئے یہ تغیر پذیر ہوتا ہے۔ عرف و عادات، رسم و رواج اور لوگوں کی اکثریت کی خواہشات اور مطالبوں کے پیش نظر جرائم کی تعریفات اور انکی سزاؤں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جبکہ دین اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے تو اسمیں ایسی سزائیں جنکا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ان میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔[۲]

3) تیسرا فرق یہ ہے کہ قانون وضعی کی آڑ میں پولیس جرم ثابت ہونے سے پہلے ہی ملزم کو اس قدر تشدد کا نشانہ بناتی ہے کہ کئی لوگ اسکی تاب نہ لاکر مر جاتے ہیں جبکہ اسلامی نظام میں جرم ثابت ہونے سے پہلے ملزم پر کسی قسم کے تشدد یا مار پیٹ کی اجازت نہیں ہے۔

4) چوتھا فرق یہ ہے کہ قانون وضعی میں محض شبہ کی بنا پر ملزم کو پکڑا جاتا ہے اور پھر مار پیٹ کر اس سے اقرار کروایا جاتا ہے۔ اسلام میں ایسا کرنا غلط ہے اور مار پیٹ کر کرائے گئے

---

[۱] اسلامی حدود اور انکا فلسفہ/تصنیف مولانا سید محمد متین ہاشمی

[۲] اسلامی حدود اور انکا فلسفہ/تصنیف مولانا سید محمد متین ہاشمی

اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

5) قانون وضعی میں دوران تفتیش جرم ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جبکہ اسلام کے نظام حدود میں حتی المقدور حد ساقط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِدْرَؤُوا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ کَانَ لَہٗ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِیْلَہٗ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ یُّخْطِئَ فِی الْعَفْوِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یُّخْطِئَ فِی الْعُقُوْبَۃِ"[1] (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنا تم سے ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو تو اگر اسکے لئے سزا سے بچنے کی کچھ گنجائش ہو تو اسکا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام سے معاف کر دینے میں غلطی کا سرزد ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں اس سے غلطی ہو جائے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا "اِدْرَؤُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُہَاتِ" یعنی اگر جرم کے ثبوت میں ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو حد ختم کرو۔

6) جب کسی شبہ کے بغیر حد والا جرم ثابت ہو جائے تو پھر حد کا نفاذ لازم ہو جاتا ہے۔ جج یا خلیفہ (حاکم) اسے معاف نہیں کر سکتا۔ ہاں تعزیر معاف کر سکتا ہے اور قصاص کی صورت میں بھی معاف کرنے کا حق مظلوم اور اسکے وارثوں کو ہوتا ہے۔ حاکم معاف نہیں کر سکتا جبکہ قانون وضعی میں حاکم (صدر یا وزیر اعظم) ہر قسم کی سزا معاف کر سکتا ہے جو کہ حقداروں کے حقوق میں کھلی مداخلت ہے۔

---

[1] جامع ترمذی/ ابواب الحدود/ باب ماجاء فی درء الحدود

چھبیسویں خصوصیت:

اسلام کا تعلیمی نظام

اسلام میں تعلیم وتعلم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلی وحی میں اقرأ سے خطاب کیا گیا۔ دین کے ضروری مسائل کا سیکھنا تو ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ آپ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے مسجد تعمیر کی اور اسے دینی تعلیم کیلئے مرکزی حیثیت دی۔ عموماً تقریباً ستر/۷۰ صحابہ آپ ﷺ سے علم حاصل کرنے کیلئے مسجد میں رہا کرتے تھے۔ انکے لئے آپ ﷺ نے ایک صُفّہ (سائبان والا چبوترہ) بنوا رکھا تھا جسکی مناسبت سے انکو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا۔ یہ حضرات تحصیل علم کیساتھ ساتھ جنگوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔

جنگ بدر کے نتیجہ میں جب کئی کافر قید ہو گئے تو ان میں سے بعض نے فدیہ دیکر آزادی حاصل کر لی اور دیگر بعض جنکے پاس مال نہ تھا اور وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے انکی رہائی کیلئے آپ ﷺ نے یہ شرط رکھی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی نظر میں تعلیم کی کتنی اہمیت تھی۔

علم اور علماء کی فضیلت: حضرت نبی کریم ﷺ نے متعدد حدیثوں میں علم اور علماء کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

○ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْہِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَ اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَہَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ

لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالْحِیْتَانُ فِی جَوْفِ الْمَاءِ وَ اِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَ اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَ اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ "[1] (ترجمہ) جو شخص کسی راہ پر علم کی تلاش میں نکلے تو اللہ اسے اسکے سبب جنت کی راہوں میں سے کسی راہ پر چلائے گا اور فرشتے طالب علم (دینی) کی رضا کیلئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کیلئے آسمانوں اور زمین میں رہنے والے بخشش کی دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ پانی کے اندر مچھلیاں (بھی)۔ بلاشبہ عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر ہے اور بے شک علماء (ربانیین) انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے درہم و دینار کا ورثہ نہیں چھوڑا۔ انھوں نے علم کا ورثہ چھوڑا تو جس نے علم حاصل کیا اس نے بڑا حصہ حاصل کیا۔

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ "[2] جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

○ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا "یَا اَبَا ذَرٍّ لَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ آیَۃً مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ خَیْرٌ" لَکَ مِنْ اَنْ تُصَلِّیَ مِائَۃَ رَکْعَۃٍ وَلَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عُمِلَ بِہٖ اَوْ لَمْ یُعْمَلْ خَیْرٌ" مِّنْ اَنْ تُصَلِّیَ اَلْفَ

[1] سنن ابوداؤد/کتاب العلم/ج ۲/ص ۱۵۷

[2] سنن ابن ماجہ/ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم /ص ۲۰

رَکْعَۃٍ "[1] اے ابوذر تیرا (کسی استاذ کے پاس) جانا اور کتاب اللہ کی ایک آیت سیکھنا سو/100 رکعت (نفل) نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تیرا (کسی استاذ کے پاس) جانا اور علم کا ایک باب سیکھنا خواہ اس کے مطابق عمل کرے یا نہ کرے ہزار رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

○ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اَفْضَلُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَہٗ"[2] تم میں زیادہ فضیلت والا وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے فرمایا "اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اَنْ یَّتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا ثُمَّ یُعَلِّمَہٗ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ "[3] افضل صدقہ یہ ہے کہ مسلمان آدمی علم سیکھے پھر اپنے مسلمان بھائی کو سکھائے۔

اسلامی اور یورپی نظام تعلیم میں فرق :

اسلام کے نظام تعلیم اور یورپی نظام تعلیم میں کئی اعتبار سے فرق ہے مثلاً

1۔ ایک بڑا فرق مقصدیت کے اعتبار سے ہے۔ اسلامی تعلیم سے مقصود کوئی معاشی فائدہ نہیں ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اسکا ظاہر و باطن پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہو جائے اور خشوع و خضوع جو ایمان کے لوازمات سے ہیں دل میں پیدا ہوں اور دنیا کو دین کے تابع رکھ کر عالم آخرت کیلئے زاد راہ تیار کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ

[1] سنن ابن ماجہ /باب فضل من تعلم القرآن و علمہ/ص ۲۰

[2] سنن ابن ماجہ /باب فضل من تعلم القرآن و علمہ/ص ۱۹

[3] سنن ابن ماجہ/ باب ثواب معلم الناس الخیر /ص ۲۲

وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا "[1] جس نے ایسا علم جس کے ساتھ اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے محض اس لئے سیکھا تاکہ اس کے ذریعہ دنیا کا سامان حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ یورپی نظام تعلیم کا بنیادی اور اہم مقصد معاشی فوائد کی تحصیل اور اپنے خود ساختہ نظام حکومت کیلئے افراد تیار کرنا ہے۔ اس فرق کا اثر ہمیں دونوں نظاموں سے متعلقہ افراد میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ یورپی علوم کے دلدادہ لوگ روپیہ پیسہ کمانے، نفس پروری اور اسباب عیش وعشرت میں مستغرق رہتے ہیں۔ انکی تمام ایجادات وتحقیقات بالواسطہ یا بلاواسطہ انسان کی نفسانی خواہشات پر مبنی ہوتی ہیں۔ آخرت کی زندگی پر انکا ایمان نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو انکی بہتری اور اصلاح کیلئے انکی زندگی کا کوئی جزء وقف نہیں ہوتا۔ انگریزی مستعمل پتلون کوٹ اور ٹائی پہن کر اترا کر چلتے ہیں اور مالی مفادات، عہدے یا محض امریکی یا یورپی ویزے کے طمع میں اپنی عزتِ نفس، قوم کی غیرت اور وطن کے وقار کا سودا کرنے سے بھی حیا نہیں کرتے۔ انکے برخلاف دینی درسگاہوں کے پڑھے ہوئے حضرات جنہیں عام لوگ ناکارہ، صدقہ وخیرات پر پلنے والے اور حقارت سے مُلاں یا مولوی کہہ کر پکارتے ہیں نہ صرف اپنی بلکہ عوام المسلمین کی اُخروی بہتری کیلئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور (عموماً بہت معمولی وظائف پر) دینی خدمات انجام دیتے نظر آتے ہیں، اپنا قومی ومذہبی لباس پہنے تواضع ووقار سے چلتے دکھائی دیتے ہیں، دنیوی مفادات کی خاطر قومی ودینی غیرت ووقار کا سودا نہیں کرتے، یورپ اور امریکہ کی رنگینیوں کا مشاہدہ کرنے کی بجائے مکہ

[1] سنن ابوداؤد/ کتاب العلم/ باب فی طلب العلم لغیر اللہ

معظمہ اور مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفہما کی حاضری وزیارت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں۔ غیروں سے مرعوب نہیں ہوتے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جان ومال کی قربانی دینے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

2۔ دوسرا فرق نصاب کے اعتبار سے ہے۔ اسلامی نظام تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت قرآن واحادیث اور فقہ کو ہے۔ عربی زبان کی تعلیم اور باقی علوم انکے معاون کے طور پر پڑھائے جاتے ہیں۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ" آيَةٌ" مُحْكَمَةٌ" اَوْ سُنَّةٌ" قَائِمَةٌ" اَوْ فَرِيْضَةٌ" عَادِلَةٌ" وَمَا كَانَ سِوَا ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ "[1] یعنی علمِ دین ان تین چیزوں کا علم ہے۔ (۱) آیات غیر منسوخہ (۲) سنت صحیحہ (۳) ایسے احکام جو اجتہاد سے مستنبط ہوتے ہیں یہ وجوب عمل میں ان احکام کے مساوی ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں ان تین کے سوا چیزوں کا علم فضیلت کی بات ہے ضروری نہیں ہے۔ لیکن انگریزی اداروں کا نصاب انگریزی زبان کی تعلیم اور معاشی ومادی علوم سے متعلقہ کتب پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان اداروں میں مذہبی کتابوں کو کچھ اہمیت نہیں دی جاتی کیونکہ یہ کتب انکے مقصدِ تعلیم سے متعلق نہیں ہیں۔

3۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ قرآن واحادیث چونکہ عربی زبان میں ہیں اسلئے دینی مدارس میں عربی زبان کی تعلیم کو اہمیت دی جاتی ہے جبکہ مغربی نظام تعلیم کے سرپرستوں کی زبان انگریزی ہونے کی وجہ سے ان تعلیمی اداروں میں انگریزی زبان پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور پاکستان میں تو انگریزی کو ترقی کا زینہ اور تعلیم یافتہ ہونے کا معیار سمجھا جاتا

[1] مشکوٰۃ/ کتاب العلم/ ۳۵

ہے اور اسی سوچ نے پاکستان اور اسکے عوام کا ستیاناس کر دیا ہے۔ ؎

؎ انگریزی زبان دیگر زبانوں کی طرح تفہیم و تفہم کا ایک ذریعہ ہے جسے سفارت یا کسی اور مقصد کے پیش نظر بقدر ضرورت سیکھنے میں حرج نہیں لیکن ہر شخص کا اپنی دینی اور دنیوی ضروری تعلیم سے انحراف کر کے انگریزی کیلئے مارے مارے پھرنا وقت اور مال کا ضیاع ہے اور اب تو انگریزی کیساتھ ساتھ سائنس اور کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرنے کا بھی جنون پیدا ہو چکا ہے۔ بلاشبہ سائنس دیگر علوم حکمیہ کی طرح ذہن کو تیز کرنے کا ایک ذریعہ اور حقائق موجودات کی طرف متوجہ کرنے میں معاون ہے اور کمپیوٹر کی تعلیم سے بھی بعض معاشی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر انکی طرف اسوقت توجہ دینی چاہیے جب دین کی ضروری تعلیم سے فراغت ہو لے ورنہ طبیعت تحمل اور عقل میں فساد زیادہ ہوگا۔ ویسے ہر شخص کا سائنسدان بننا ضروری بھی نہیں ہے جبکہ دین کی تعلیم ضروری ہے اور عموماً ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ تمام علوم و فنون کا جامع ہو جائے۔ جس طرح معاشرتی زندگی میں مختلف کام افراد معاشرہ میں منقسم ہوتے ہیں کہ کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے، کوئی کپڑا بنتا ہے، کوئی لوہار ہے، کوئی ترکھان ہے، کوئی غلہ پیتا ہے وغیرہ۔ کسی ایک شخص کیلئے یہ سارے کام بیک وقت کرنا نہایت مشکل ہے، اسی طرح علوم کا حال ہے۔

عقلی تقاضا یہ ہے کہ پہلے ہر مسلمان مرد و عورت کو دین کی ضروری تعلیم حاصل کرنی چاہیے اسکے بعد اپنی دلچسپی و صلاحیت کے مطابق کسی ایک دینی یا دنیوی علم یا فن میں توجہ دینی چاہیے اور جسکی توجہ دین کی طرف ہو اسے سائنس وغیرہ کی بجائے دینی علوم کی تحصیل میں کوشش کرنی چاہیے اسلئے کہ وہ حسن عقیدت جو کتاب اللہ میں غور و تدبر کرنے

4۔ چوتھا فرق تربیت کے حوالہ سے ہے۔ دینی مدارس میں بچوں کی تربیت پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ طلباء کے عقائد کی اصلاح اور نماز باجماعت کا پابند بنانے کیساتھ ساتھ آداب و اخلاق سے بھی انہیں آراستہ کیا جاتا ہے۔ دینی مدارس کے اساتذہ خود بھی عموماً پابند شریعت ہوتے ہیں۔ اسکے برخلاف انگریزی سکولوں میں تربیت پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی اسلئے کہ انکا مقصد بچوں کی روحانی اصلاح کرنا نہیں ہوتا بلکہ اسکے پیش نظر مستقبل کی جسمانی آسائش اور معاشی مسئلہ ہوتا ہے۔ اسلئے کہ ان اداروں کے مسلمان طلباء میں بھی شریعت سے دوری عام ہے اور انکے اکثر اساتذہ بھی اسلامی عقائد سے کوسوں دور، دین کے دشمن اور اسلامی اخلاق سے عاری ہوتے ہیں۔ بھلا جو طلباء سکول جاتے اور واپس آتے وقت زبردستی بلاٹکٹ سفر کرنے کے عادی ہوں ان سے مستقبل میں کس عدل و شرافت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اِلّا یہ کہ کسی کے گھر کا ماحول یا اچھی صحبت اسے دیندار و پاکباز بنا دے۔

سے پیدا ہو سکتی ہے وہ عموماً سائنسی و فلسفی استدلال سے زائل ہو جاتی ہے اور وہ لذت عبادت اور قوت ایمانی جو اتباع سنت نبوی سے دلوں کو مسرور کر سکتی ہے وہ فضول علوم کی طرف متوجہ ہونے سے منقطع ہو جاتی ہے۔ سب سے کامل اتباع شریعت کا زمانہ قرون اولیٰ کا زمانہ ہے یہ وہ زمانہ ہے جس میں فلسفہ وغیرہ کی مسلمانوں کو ہوا بھی نہیں لگی تھی اور جونہی دور عباسیہ میں مزخرفات اہل یونان نے مسلمانوں میں دخل پایا تو اعتقادات کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں اور فلسفی علوم نے مادہ پرستی سکھا کر انسان کو مغرور اور خود بین بنا دیا۔

اسلامی فرقے

اسلامی فرقوں سے ہماری مراد مسلمان فرقے نہیں ہیں بلکہ وہ فرقے مراد ہیں جو مسلمانوں سے پیدا ہوئے عام ازیں کہ ان کے نظریات و معتقدات اسلامی ہیں یا کفریہ۔

ان فرقوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی معلومات کے مطابق ہے۔ مقصد کسی پر بہتان یا الزام تراشی نہیں بلکہ طلباء اور عوام المسلمین کو انکے بارے میں آگہی دینا ہے تا کہ دجل سے محفوظ رہیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔

اسلام میں فرقہ پرستی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

حضرت رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تین طرح کے لوگ تھے ایک کافر جو اپنی زبان سے اسلام کا انکار کرتے تھے دوسرے منافق جو زبان سے کلمہ اسلام پڑھتے تھے لیکن دل سے انکاری تھے اور تیسرے مخلص مسلمان جو اپنی زبان اور دل دونوں سے اسلام کو مانتے تھے۔

مسلمان حضرت نبی کریم ﷺ کے وصال تک ایک ہی عقیدے اور طریقے پر رہے اور وصال کے بعد بھی اعتقادی اعتبار سے اکھٹے رہے اگر چہ اجتہادی مسائل میں انکے درمیان اختلافات ہو جاتے تھے جیسا کہ مسئلہ خلافت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف ہوا۔ لیکن ان اختلافات سے مقصود دین کی حفاظت کرنا تھا نہ کہ کچھ اور۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب شہید کر دیے گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ منصب امامت پر فائز ہوئے تو قصاص کے مسئلہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار گورنر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان نزاع پیدا ہو گیا۔ امیر معاویہ فوری قصاص کا مطالبہ کرتے تھے اور خلیفہ چہارم حضرت علی بنظر مصلحت تاخیر کرتے تھے۔ آخر دونوں میں محاذ آرائی کی نوبت پیدا ہو گئی۔ صحابہ وغیرہم عوام المسلمین بھی منقسم ہو گئے۔ بعض صحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہو گئے اور بعض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور یہ نزاع فقط قصاص میں تھا۔ قریب تھا کہ صلح ہو جائے لیکن عبداللہ بن سبا نے طرفین کے روساء کی مرضی کے بغیر لڑائی شروع کرادی۔ آخر جو ہوا سو ہوا۔[1]

[1] تحفہ اثنا عشریہ / حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مذاہب اسلام / حکیم نجم الغنی رامپوری

خلفاء ثلثہ کے دور میں بہت سے یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہم کفار مسلمانوں کی ہیبت سے مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جو دل سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ یہ لوگ شمع اسلام کو بجھانے اور مسلمانوں میں کینہ وفساد ڈالنے کیلئے مختلف حیلے اور تدبیریں ڈھونڈتے رہتے تھے۔ انکا بڑا عبداللہ بن سبا یہودی تھا جو مکرو فریب میں یہودیوں کی طرح مشہور تھا اور اس راہ کے نشیب وفراز دیکھے ہوئے تھا۔ اس نے سب سے پہلے خاندانِ نبوت سے اپنی محبت اور اخلاص کا اظہار کیا اور اپنے ہم نشین لوگوں کو اہل بیت سے حد درجہ محبت کرنے کی ترغیب دی۔ یہ بات خاص وعام کے دل کو لگی۔ سب اس کو اپنا ناصح اور خیر خواہ سمجھ کر اسکے معتقد ہو گئے۔ جب اس نے اپنی عقیدت کے جال میں لوگوں کو پھانس لیا تو پہلے انکے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ حضرت علی آنحضرت ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں۔ آپ ؓ حضرت رسول اللہ ﷺ سے قریب تر، آپکے بھائی اور داماد ہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد جناب امیر کی خلفاء ثلثہ پر فضیلت کے قائل ہو گئے ہیں تو اس نے دوسری بات یہ سکھائی کہ جناب علی آنحضرت ﷺ کے وصی ہیں۔ آنحضرت نے واضح طور پر انکو اپنا خلیفہ بنایا تھا لیکن صحابہ نے اپنے غلبہ اور مکر سے آنحضرت ﷺ کی وصیت کو ضائع کر دیا اور جناب امیر کا حق تلف کر ڈالا۔ یہ بات بتانے کے بعد اس نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی کہ اس موضوع پر لوگوں سے گفتگو کرتے وقت میرا نام نہ لینا بلکہ مجھ سے بیزاری کا اظہار کرنا۔ مکار ابن سبا کے وسوسہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں جھگڑے اور لڑائیاں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ جب امیر المومنین حضرت علی ؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے بر سر منبر اس گروہ سے اظہار براءت کیا اور ان میں

سے بعض کو زجر و توبیخ بھی کی۔ ابن سبا نے جب دیکھا کہ اسکا تیر نشانہ پر لگا اور فتنہ وفساد مسلمانوں کے عقیدے میں پڑ گیا ہے تو اپنے اخص الخواص شاگردوں کے سامنے اسکا نام ظاہر نہ کرنے کی قسم لیکر ایک اور بھید بیان کیا کہ حضرت امیر سے بعض ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو انسان کی طاقت میں نہیں ہیں۔ مثلاً غیب کی خبر دینا، حاضر جوابی، فصاحت وبلاغت، بے مثل شجاعت اور دیگر کرامات اور پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ سب چیزیں کہاں سے آئیں اور یہ کیا بھید ہے؟ سب نے اپنی عاجزی ولاعلمی کا اظہار کیا تو اس نے بہت تاکیدیں بھید چھپانے کی کر کے ظاہر کیا کہ یہ سب خواص الوہیت کے ہیں جو لباس بشریت میں جلوہ گر ہیں۔ لہٰذا جان لو بیشک علی خدا ہیں اور بعض ایسی باتیں جو امیر المومنین حضرت علی سے وجد وحال میں ظاہر ہوئی تھیں جیسا کہ اولیاء سے حالتِ سکر میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اَنَا حَیٌّ ''لَا یَمُوْتُ، اَنَا بَاعِثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ، اَنَا مُقِیْمُ الْقِیَامَۃِ اپنے قول کی تائید میں پیش کیں۔ [1] جب حضرت علی ؓ کو ان لوگوں کی یہ بات پہنچی تو آپ ؓ نے اس پر اسکے بعض کو ڈرا دھمکا کر توبہ کرائی، ابن سبا کو جلا وطن کر دیا اور بعض سرکش لوگوں کو بطور سزا آگ میں ڈال دیا۔ ابن سبا نے اپنے شاگردوں کو عراق اور آذربائیجان میں پھیلا دیا۔ حضرت امیر المومنین ؓ شام کے باغیوں سے لڑائیوں کی وجہ سے ابن سبا اور اسکے پیروکاروں کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے یہاں تک کہ اس شیطان ابن سبا کے وسوسوں سے حضرت امیر کے لشکر والے مندرجہ ذیل چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

1) ایسے لوگوں کا گروہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نقش قدم پر چلتے تھے، حضور ﷺ

[1] تحفہ اثنا عشریہ/حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

کے اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے حقوق پہچانتے تھے اور انکی پاسداری ظاہر و باطن میں کرتے تھے۔ یہ حضرات امیر المومنین علی کے لشکر کے مخلص لوگ تھے۔ انکو شیعہ اُولیٰ اور شیعہ مخلصین کہا جاتا ہے۔ ان حضرات کے متبعین کو بعد میں اہلسنت و جماعت کا لقب دیا گیا۔ یہ اہلسنت و جماعت کے پیشوا ہیں۔ تاریخ واقدی وغیرہ کتب تاریخ میں اہل سنت کے بعض روساء مثلاً امام عبدالرزاق جو صاحب تصنیف اور مشہور محدث ہیں کے بارے میں آتا ہے کہ " مِنْ شِيْعَةِ عَلِي يَا فُلَان " "مَنْ شِيْعَة " تو اس سے مراد شیعہ اُولیٰ ہیں۔ [1] نہ کہ شیعہ رافضی۔ شیعہ اولیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ابن سبا کے وسوسوں سے محفوظ رکھا۔

2) فرقہ تفضیلیہ کہ جناب امیر کو سب صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ اس گروہ نے ابن سبا کا تھوڑا سا وسوسہ قبول کیا۔ جناب امیر نے ان کو ڈرایا دھمکایا کہ اگر میں نے کسی کو سنا کہ وہ مجھے شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر فضیلت دیتا ہے تو میں اسے قذف و بہتان کی سزا دوں گا جو کہ اسی کوڑے ہے۔

3) تیسرا فرقہ سبیہ سَبّ کا معنی گالی ہے۔ یہ لوگ اکابر صحابہ کو گالیاں دیتے تھے اس لیے انکو سبیہ اور تبرائیہ کہا جاتا ہے۔ سبیہ تقریباً تمام صحابہ کو ظالم، غاصب بلکہ کافر و منافق جانتے تھے۔ یہ ابن سبا کے درمیانے درجے کے شاگردوں سے ہوئے۔ وہ جھگڑے جو اُم المومنین حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر اور امیر المومنین حضرت علی ؓ کے درمیان ہوئے تھے ان کے مذہب کے موید و محرک بنے۔ چونکہ یہ جھگڑے حضرت عثمان خلیفہ ثالث ؓ کے قتل کی وجہ سے ہوئے تھے اس لیے ان پر لعن و طعن کرنے لگے۔ حضرت عثمان ؓ کی خلافت کی

[1] ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۵

بنیاد شیخین کی خلافت پر تھی اور آپ کو منتخب کرنے والے حضرت عبدالرحمان بن عوف وغیرہ صحابہ تھے اس لیے ان سب کو برا کہنے لگے۔ امیر المومنین حضرت علی ؓ کو بواسطہ مخلصین ان کے طعن پہنچتے تو آپ خطبہ ارشاد فرماتے اور ان کو زجر و توبیخ کر کے ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے۔

4) چوتھا فرقہ شیعہ غلاۃ "یعنی نہایت حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کا تھا۔ یہ لوگ خبیث ابن سبا کے خاص الخاص شاگرد تھے اور حضرت علی رضی ؓ کو خدا کہتے تھے۔ جب مخلصین نے ان کو واضح الزام دیا کہ حضرت علی ؓ میں تو بشری تقاضے اور خلاف الوہیت نشان موجود ہیں تو یہ الوہیت صریح سے پھر کر حلول کے قائل ہو گئے کہ روح الٰہی نے قلب بشری میں حلول کیا ہے۔ [1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ موجودہ شیعوں کے اصل فرقے یہ تین ہی تھے یعنی تفضیلیہ، تبرائی اور غالی۔ یہ تینوں ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے اور تینوں کا بانی ایک ہی شخص ابن سبا یہودی منافق تھا۔ شیعہ کے بعد دوسرا بڑا فرقہ جو مسلمانوں میں پیدا ہوا خوارج کا ہے۔

خوارج بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں آپکے لشکر سے ظاہر ہوئے۔ حضرت امیر المومنین علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے جب مصالحت کیلئے عمرو بن عاص اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو حاکم (ثالث) بنایا تو آپ کے لشکر سے یہ لوگ آپ کے مخالف ہو گئے آپ کو مشرک و کافر کہتے تھے۔ حضرت معاویہ ؓ اور دیگران تمام افراد کو بھی مشرک کہتے تھے جو فیصل و ثالث بنانے میں کسی نہ کسی طرح شریک تھے۔ یہ لوگ

[1] ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۸

اپنی کم فہمی کی بناء پر ثالثی کو اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے خلاف سمجھتے تھے۔

شیعہ وخوارج کے بعد فرقۂ معتزلہ نے بال و پر نکالے اس فرقہ کے وقت ظہور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے تو اصحاب علی کی ایک جماعت سیاست سے بالکل کنارہ کش ہوگئی اور اس کی سرگرمیاں صرف عقائد تک محدود ہو کر رہ گئیں تو ان لوگوں نے اپنا نام معتزلہ رکھا۔ [1] جمہور علماء کا کہنا ہے کہ واصل بن عطاء (رئیس معتزلہ) حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں حاضر ہوا کرتا تھا اس نے ایک مسئلہ میں اختلاف کے بعد حضرت حسن بصری سے علیحدگی اختیار کر لی اور اسی مسجد میں ایک علیحدہ حلقہ قائم کر کے بیٹھ گیا تو امام حسن بصری نے فرمایا قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا (بلاشبہ ہم سے جدا ہو گیا)۔ آپکے اس فرمان کے بعد لوگ واصل اور اس کے ساتھیوں کو معتزلہ کہنے لگے۔ لیکن یہ اپنے آپ کو اصحاب العدل والتوحید کہتے تھے۔ معتزلہ ظاہر سنت کیخلاف اپنی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ انکا مذہب لوگوں میں پھیل گیا یہاں تک کہ امام ابوالحسن اشعری، قاضی ابو بکر باقلانی اور امام فخر الدین رازی وغیرہ علماء رحمہم اللہ نے معتزلہ کے نظریات فلسفیانہ طرز فکر کیساتھ باطل کر کے ان امور کو ثابت کیا جو ظاہر سنت سے ثابت ہیں اور جن پر جماعت صحابہ چلی اسوجہ سے انکو اہل سنت وجماعت کا نام دیا گیا۔ [2]

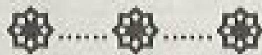
شیعہ، خوارج اور معتزلہ میں سے شیعہ اب بھی موجود ہیں اور خوارج و معتزلہ اگرچہ بحیثیت فرقہ مٹ گئے ہیں لیکن ان کے نظریات کے حامل اور فرقے وجود میں آگئے

---

[1] اسلامی مذاہب/ص ۱۷۳ [2] شرح عقائد

ہیں۔ انگریز جب ہندوستان پر قابض ہوا تو اس نے اقتدار چونکہ مسلمان بادشاہوں سے چھینا تھا لہٰذا اسے مسلمانوں سے خطرہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کی قوت کمزور کرنے کیلئے اس نے ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کی پوری کوشش کی۔ کئی لوگوں کو پیسے، عہدے وغیرہ کا لالچ دے کر خفیہ طور پر اس کام کے لیے تیار کیا جس کے نتیجے میں چھوٹے بڑے کئی فرقے وجود میں آئے۔ ان میں سے مرزائی اور وہابی زیادہ مشہور ہیں۔

دنیا کے مسلمانوں میں باطل فرقوں کی تعداد تہتر/۷۳ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس مختصر کتاب میں ان تمام کا تعارف مشکل ہے البتہ مَا لَا یُفْعَلُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ کے پیش نظر برصغیر کے مشہور فرقوں اور ان کے بعض معتقدات کے بارے میں ان شاء اللہ ضرور لکھیں گے۔



شیعہ

شیعہ اسلامی فرقوں میں سب سے قدیم فرقہ ہے۔ لفظ شیعہ کا معنی گروہ، طرفدار اور مددگار کے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیساتھ لڑائیوں میں جو صحابہ وتابعین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرفدار اور آپکے گروہ میں تھے اپنے آپ کو شیعہ یا شیعان علی کہتے تھے۔

ان پہلے شیعوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جناب امیر اپنے عہد میں امام برحق ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت آپ ہی کا منصب ہے۔ تمام مسلمانوں پر آپ کی اطاعت فرض ہے۔ یہ لوگ تمام صحابہ خصوصا شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا احترام کرتے تھے۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ سے افضل جانتے تھے اور ان کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ شیعہ حضرت امیر المومنین کی ان باتوں کو جو انہوں نے خلفاء ثلاثہ اور صحابہ کرام کی تعریف وفضائل میں بیان فرمائیں ظاہر ہی پر محمول کرتے، تقیہ اور ریا کاری پر مبنی نہیں سمجھتے تھے۔ شریعت مصطفویہ کے جو احکام صحابہ کے ذریعے انکو پہنچے انہیں قبول کیا اور ان کے مطابق عمل کیا اور یہ سب کچھ حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کی ہدایات وتعلیمات کے عین مطابق تھا۔ دو تین سال کے بعد ابن سبا کے وسوسوں سے کئی لوگ حضرت علی کی محبت میں غلو کا شکار ہو گئے۔ آپ کو تمام صحابہ سے افضل کہتے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلافت پر آپ کا حق مانتے اور شیخین وغیرہما اکابر صحابہ کو گالیاں دینے لگے، بعض حضرت امیر کی الوہیت کے قائل ہو گئے اس طرح شیعان علی سے شیعہ تفضیلیہ، تبرائیہ اور غلاۃ یہ تین فرقے وجود میں

آئے۔ حضرت علی کی ہدایات اور نقش قدم کو چھوڑ دینے کی وجہ سے انکو رافضی کہا جانے لگا۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ امام زید بن علی بن زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا اور بعض لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تو بنو امیہ کے لشکر آپ سے لڑنے کیلئے آ گئے تو امام زید کے حمایتیوں میں سے تبرائی شیعوں نے آپ سے کہا کہ تم ابوبکر وعمر کی محبت سے اظہار براءت کرو تو پھر ہم تمہاری مدد کریں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لَا اَتَبَرَّءُ مِنْ وَزِيْرَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" میں رسول اللہ ﷺ کے دو وزیروں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) سے براءت نہیں کروں گا تو یہ تبرائی آپ کا ساتھ چھوڑ گئے جس کے نتیجے میں آپ کو گرفتار کر کے سولی دے دی گئی۔ اس وجہ سے ان شیعوں کو رافضی یعنی امام زید کو چھوڑ دینے والے کہا جانے لگا۔[1] بعد میں شیعہ کا لفظ مخلصین کی بجائے شیعہ رافضیوں کیلئے عام ہو گیا لہٰذا اب شیعہ سے مراد رافضی شیعہ ہی ہوتے ہیں۔

رافضی شیعہ کے بہت سارے فرقے ہیں۔ ان میں سے کچھ غالی ہیں اور کچھ اعتدال پسند۔ غالی شیعہ وہ ہیں جو حضرت علی اور آپکی اولاد میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مرتبہ الوہیت ثابت کرتے ہیں اور بعض ان میں سے حضرت علی کو نبی مانتے ہیں اور حضرت نبی کریم ﷺ سے افضل جانتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام پر وحی کے پہنچانے میں خیانت کا الزام لگاتے ہیں اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں یا اس کی مثل واضح کفر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ صحابہ کی شان میں

---

۱ نبراس / علامہ عبدالعزیز فرہاروی / ص ۳۲۱

یہ فرقہ انتہائی گستاخ ہے چند صحابہ کو چھوڑ کر سب کو گالیاں دینا' کافر کہنا اور لعنت بھیجنا ان کا عام شیوہ ہے۔

غالی شیعوں کو تبرائی بھی کہا جاتا ہے۔ غالی شیعوں میں فرقہ سبائیہ اور فرقہ غرابیہ ہے۔

اعتدال پسند شیعوں سے مراد وہ شیعہ ہیں جو حضرت علی کی باقی صحابہ پر فضیلت کا اعتقاد رکھنے کے باوجود کسی صحابی کو کافر نہیں کہتے اور نہ حضرت علی کو خدا یا نبی یا نبی کے برابر قرار دیتے ہیں، حضرت عائشہ پر تہمت بھی نہیں لگاتے۔ ان کے کئی فرقے ہیں ان میں سے مشہور زیدیہ اور امامیہ ہیں۔

شیعہ کے عقائد واعمال

تمام شیعہ کے نزدیک مسئلہ امامت دین کا رکن رکین اور اصل الاصیل ہے جس سے بے اعتنائی برتنا اور اسے امت کے سپرد کرنا کسی نبی کیلئے جائز نہیں ہے۔ نبی پر امام کا تقرر واجب ہے۔ شیعہ کے نزدیک حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق اور خلیفہ بلافصل حضرت علی ہیں۔ یہ لوگ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو غاصب سمجھتے ہیں کہ حیلے اور اثر ورسوخ سے حضرت علی کو منصب امامت سے ٹال کر خود اس پر فائز ہوگئے۔ شیعہ اپنے اس عقیدے کا اظہار اعلانیہ ہر اذان میں کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے اولاد نبی سے خارج کرتے ہیں۔

شیعہ اپنے مخالفوں کے درمیان تقیہ یعنی اپنا مذہب چھپانا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ من

گھڑت واقعات اور کہانیاں مختلف ناموں سے شائع کرتے ہیں۔ مثلاً دس بیویوں کی کہانی، معجزہ حضرت علی کا، معجزہ حضرت فاطمہ کا۔ اہل سنت کی عورتیں لاعلمی کی بناء پر عقیدت سے ان کو پڑھتی ہیں انہیں احتیاط کرنی چاہیے کہ ان کہانیوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

شیعیت کی ترویج واشاعت کیلئے یہ لوگ ماتم وتعزیہ کے جلوسوں کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ شیعہ اولیاء کی کرامات کے منکر ہیں اور اپنے ائمہ کرام کی کرامات کو معجزہ قرار دیتے ہیں۔ متعہ کو افضل عبادت جانتے ہیں۔

شیعہ عذاب قبر' سنت تراویح اور موزوں پر مسح کے منکر ہیں۔ وضوء میں پاؤں دھونے کی بجائے ننگے پاؤں پر مسح کرتے ہیں۔ ظہر وعصر کی دو نمازیں ظہر کے وقت میں اکٹھی پڑھتے ہیں اور مغرب وعشاء کی دو نمازیں غروب آفتاب کے بعد اس وقت پڑھتے ہیں جب ستارے چمک اٹھیں۔ ان کے نزدیک نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون نہیں ہے۔ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا ان کے نزدیک ناجائز ہے۔ شیعہ کے نزدیک لفظ واحد سے تین طلاقیں نہیں ہوسکتیں۔

شیعہ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں اور باقی اہل اسلام کو مسلمان بولتے ہیں۔ [1]

شیعہ کے تعارف کے بعد ان کے بعض مشہور فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ تَعَالیٰ

شیعہ سبائیہ

یہ عبداللہ بن سبا کے پیروکار تھے جو مذہباً یہودی تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان

[1] تحفہ اثنا عشریہ' مذاہب اسلام' اسلامی مذاہب

پہنچانے کیلئے بظاہر مسلمان ہو گیا۔ ابن سبا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہتا تھا۔ اس نے کئی اور لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ حضرت علی ؓ نے ان کو ایسی بات کہنے سے سختی سے منع کیا اور توبہ نہ کرنے پر ابن سبا کو جلا وطن کر دیا اور اس کے کئی ساتھیوں کو آگ میں ڈال دیا۔ جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تو کہنے لگے کہ اب ہمارا یقین اور زیادہ ہو گیا ہے کہ تو خدا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا بندوں کو آگ کا عذاب دے گا۔ جب حضرت علی ؓ کو شہید کر دیا گیا تو ابن سبا نے کہنا شروع کر دیا کہ علی قتل نہیں ہوئے بلکہ مقتول شیطان تھا جو حضرت علی کی صورت پر ہو گیا تھا۔ ابن ملجم نے اسے مارا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ علی بادل میں آتے ہیں۔

بادل سے جو کڑک کی آواز آتی ہے یہ علی کی آواز ہے اور بجلی آپ کی مسکراہٹ ہے۔ سبائیہ جب بادل گرجنے کی آواز سنتے تو کہتے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ" اس فرقہ کے لوگ اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات علیؓ میں حلول کر آئی ہے۔ ۱؎

شیعہ غرابیہ

غراب عربی زبان میں کوے کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ حضرت علی ؓ کو حضرت محمد ﷺ سے شکل و صورت میں اس قدر مشابہت تھی جیسے ایک کوے کو دوسرے کوے سے ہوتی ہے۔ اسی مشابہت کیوجہ سے جبرائیل علیہ السلام سے غلطی ہو گئی۔ ان کو علی کی طرف وحی دے کر بھیجا گیا تھا مگر وہ امتیاز نہ کر سکے اور محمد ﷺ کے پاس چلے گئے۔ اس فرقہ کے لوگ

۱؎ مذاہب اسلام / حکیم نجم الغنی رامپوری

حضرت علی کی الوہیت کے قائل تو نہ تھے مگر حضرت علی کو حضور ﷺ سے افضل قرار دیتے تھے۔ ۱؎

شیعہ زیدیہ

یہ فرقہ شیعہ کے تمام فرقوں کی نسبت اہلسنت کے زیادہ قریب اور مبنی علی الاعتدال تھا۔ انکے امام حضرت زید بن علی بن امام حسینؓ تھے۔

امام زید رحمہ اللہ بڑے فقیہ اور علم کلام کے ماہر تھے۔ علماء وقت کے ساتھ آپکے خوشگوار مراسم تھے اور وہ آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سیاسی معاملات میں امام زید رحمۃ اللہ علیہ کے زبردست حامی تھے۔ تفسیر کشاف میں آیت "لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ خفیہ طور پر لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے کہ متغلب چوروں منصور وغیرہ کے مقابل امام زید بن علی زین العابدین کی مدد کرنا واجب ہے۔ امام صاحب نے مدد کیلئے اپنی طرف سے مال و اسباب بھی زید بن علی کے پاس بھیجا۔ تفسیر کبیر ج ا سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

زیدیہ کے افکار و معتقدات

1) زیدیہ آئمہ کو منصب نبوت پر فائز نہیں کرتے اور نہ انبیاء علیہم السلام کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں آئمہ دیگر لوگوں کی طرح انسان تھے مگر آنحضور ﷺ کے بعد سب سے افضل تھے۔ یہ اصحاب رسول کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔

۱؎ اسلامی مذاہب، مذاہب عالم

2) زیدیہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ نبی کریم ﷺ نے نام لیکر کسی کو امام مقرر فرمادیا تھا بلکہ انکا اعتقاد یہ ہے کہ آپ نے کچھ اوصاف بتادیے تھے جنکا امام میں پایا جانا ضروری ہے یعنی مرد ہو، بہادر ہو، بالغ ہو اور مجتہد ہو ان تمام اوصاف کے حامل حضرت علی تھے۔

3) امام زید کے نزدیک مفضول کی امامت جائز ہے یعنی اگر امت کے ارباب بست وکشاد افضل واکمل کو چھوڑ کر کسی ایسے شخص کو امام چن لیں جس میں امام کی بعض صفات موجود نہ ہوں اور اسکی بیعت کرلیں تو اسکی امامت درست اور بیعت لازم ہوگی۔ اس بنا پر حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت زیدیہ کے نزدیک درست اور صحیح تھی۔ اس بیعت کی بنا پر وہ صحابہ کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔

زیدیہ کے نزدیک ایک مصلحت اور دینی قاعدہ کے تحت خلافت حضرت ابوبکر ؓ کو تفویض کی گئی تھی۔ وہ مصلحت یہ تھی کہ فتنہ کی آگ نہ بھڑک اٹھے کیونکہ غزوات اسلامیہ کا زمانہ ابھی قریب تھا۔ امیر المومنین علی ؓ کی تلوار سے مشرکوں کا خون ابھی خشک ہونے نہ پایا تھا۔ لوگوں کے سینوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ ان کے دل آپکی طرف مائل نہ ہوتے تھے اور نہ وہ آپکے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ لہٰذا مصلحت کا تقاضا تھا کہ خلیفہ ایک ایسا شخص ہو جو حلیم الطبع، محبت پیشہ، معمر، آنحضرت کا قریبی ساتھی اور سابق الاسلام ہو۔

4) زیدیہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ابدی جہنمی ہے جب تک کہ وہ خالص توبہ نہ کرلے۔

مذکورہ بالا نظریات زیدیہ متقدمین کے تھے۔ بعد کے زیدیہ دوسرے شیعی فرقوں

سے مغلوب ہوجانے کی وجہ سے اپنی خصوصیات کھو بیٹھے اور ان روافض میں شمار ہونے لگے جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ یمن میں رہنے والے زیدیہ اپنے اسلاف زیدیہ کے بہت قریب ہیں اور وہی عقائد رکھتے ہیں۔ ۱؎

شیعہ امامیہ

امامیہ میں شیعوں کے وہ تمام فرقے داخل ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ امامانِ دین کے صرف اوصاف ہی نہیں بتائے جاتے بلکہ صریح الفاظ میں شخصاً انکی تعیین کردی جاتی ہے اور یہ تعیین وتقرر امامیہ کے نزدیک اللہ پر واجب ہے۔ حضرت علی کو نبی کریم ﷺ نے خود متعین فرمایا تھا اور بعد میں آنے والے آئمہ کو حضرت علی آنحضرت کی وصیت کے مطابق متعین فرماتے ہیں اور ان آئمہ کو اوصیاء کہا جاتا ہے۔ شیعہ امامیہ کے بقول حضرت علی کی امامت آنحضرت ﷺ کی نص قطعی اور یقین کامل سے ثابت ہوچکی ہے۔ ۲؎

امامیہ جس طرح آنحضور ﷺ کی نص قطعی سے حضرت علی کے وصی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی کے بعد انکی اولاد میں سے صرف وہ اولاد اوصیاء میں شمار ہوگی جو حضرت فاطمہ کے بیٹے امام حسن یا امام حسین کی نسل سے ہو۔ اس حد تک یہ عقیدہ انکے ہاں اجماعی ہے اس کے بعد وہ مختلف الخیال ہوگئے۔ بہت سے فرقوں میں بٹ گئے۔ بعض نے ستر (۷۰) سے زائد فرقے شمار کیے ہیں ان میں سے دو فرقے

۱؎ المذاہب الاسلامیہ/ مصنفہ ابوزہرہ مصری ۲؎ المذاہب الاسلامیہ

زیادہ مشہور ہیں (۱) اثنا عشریہ (۲) اسماعیلیہ [1]

امامیہ اثنا عشریہ

جب لفظ امامیہ مطلقاً بولا جائے تو اس سے یہی فرقہ اثنا عشری مراد ہوتا ہے۔ اثنا عشری کا ظہور 256ھ میں ہوا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب امام حسن عسکری بن علی نقی نے وفات پائی تو اپنا پانچ برس کا ایک لڑکا محمد نامی، سوسن یا نرجس کنیز کے شکم سے چھوڑا جو جمعہ 15 شعبان 255ھ رات کے وقت پیدا ہوا تھا۔ یہی مہدی موعود اور خاتم الائمہ ہیں۔ خلیفہ معتمد علی اللہ عباسی کے عہد میں آٹھ یا نو برس کی عمر میں سامرہ یا سُرَّ مَنْ رَاٰی جو شرقی دجلہ پر آباد ایک شہر تھا، میں اپنے والد کے گھر ایک تہ خانہ میں داخل ہوئے پھر لوٹ کر نہ آئے۔ ان کے نزدیک رجعت پر ایمان لانا واجب ہے یعنی امام محمد مہدی صاحب الامر ظہور اور خروج فرمائیں گے۔ [2]

امام محمد بن حسن عسکری کے ماننے والے کہتے ہیں کہ امام بارہ ہیں اس لیے انکا

---

[1] المذاہب الاسلامیہ

[2] اہلسنت اگرچہ حضرت امام مہدی کے ظہور کو تسلیم کرتے ہیں مگر وہ سامرہ یا سُرَّ مَنْ رَاٰی کے تہ خانے میں ان کے چھپ جانے کی من گھڑت کہانی کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام مہدی کی ولادت قیامت کے قریب ہوگی اور جب ان کی عمر تینتیس سے چالیس سال کے درمیان ہوگی تو بحیثیت امام مہدی انکا ظہور ہوگا۔

لقب اثنا عشری ہوگیا۔ انکے بارہ اماموں کے نام یہ ہیں۔ [1]

(۱) حضرت علی (۲) امام حسن (۳) امام حسین (۴) امام علی زین العابدین (۵) امام محمد باقر (۶) امام جعفر صادق (۷) امام موسیٰ کاظم (۸) امام علی رضا (۹) امام محمد تقی (۱۰) امام محمد نقی (۱۱) امام حسن عسکری (۱۲) امام محمد مہدی۔ [2]

شیعہ امامیہ چہاردہ (چودہ) معصوموں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان چودہ معصوموں سے انکی مراد حضرت محمد ﷺ، آپکی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مذکورہ بارہ امام ہوتے ہیں۔ لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ ان چودہ معصوموں سے انکی مراد آئمہ کے وہ بچے ہیں جو شکم مادر میں ہی مر گئے یا بچپن میں شہید کر دیے گئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) محسن بن امیر المومنین علی (۲) عبداللہ بن امام حسن (۳) جعفر بن امام حسین (۴) قاسم بن امام حسن (۵) حسین بن امام زین العابدین (۶) صالح بن محمد باقر (۷) علی اقطر بن محمد باقر (۸) عبداللہ بن جعفر صادق (۹) یحییٰ بن جعفر صادق (۱۰) صالح بن موسیٰ کاظم (۱۱) طیب بن موسیٰ کاظم (۱۲) جعفر بن محمد تقی (۱۳) جعفر بن حسن عسکری (۱۴) قاسم بن محمد مہدی۔ [3]

---

[1] مذکورہ بارہ آئمہ اگرچہ اہلسنت کے نزدیک بھی محترم ہیں مگر وہ ان سب کو امام بمعنی مذہبی پیشوا کے مانتے ہیں اور ان میں سے چند کے سوا باقی کو امام بمعنی خلیفہ کے تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے کہ حقیقت بھی یہ ہے کہ ان میں سے امیر المومنین حضرت علی اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کوئی خلافت کے منصب پر فائز نہیں ہوا۔ البتہ احادیث شریفہ سے حضرت امام مہدی کا خلیفہ ہونا ثابت ہے۔ مگر وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

[2] مذاہب عالم [3] مذاہب الاسلام/ص ۳۱۸

اثنا عشریوں کے عقائد

۱۔ امامیہ جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب کو امام اور خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں اور وہ ہر اذان میں اپنے اس عقیدے کا اعلان کرتے ہیں۔

۲۔ ان کے نزدیک امام بھی انبیاء کی طرح معصوم اور منصوص من اللہ ہوتے ہیں۔

۳۔ ان کے نزدیک امام کا مقام نبی کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ امام کے نام کیساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں جو کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ متعارف ہے۔

۴۔ اثنا عشریوں کے نزدیک متعہ کی حلیت کا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

۵۔ یہ تراویح رمضان اور موزوں پر مسح کرنے کے منکر ہیں۔

۶۔ انکے نزدیک نماز ہر مسلمان کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

۷۔ اثنا عشری قرآن میں کمی بیشی کے قائل نہیں اور یہ بات جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں غالباً یہ غلط ہے۔ محققین شیعہ میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں ہے۔ ۱

امامیہ اسماعیلیہ

یہ فرقہ اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقے کے لوگ آئمہ کے بارے میں امام جعفر صادق تک اثنا عشریوں کے ساتھ متفق ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اثنا عشریوں کے نزدیک امام جعفر کے بعد انکے بیٹے موسیٰ

۱ مذاہب اسلام / حکیم نجم الغنی

سے بعض کو زجر و توبیخ بھی کی۔ ابن سبا نے جب دیکھا کہ اسکا تیر نشانہ پر لگا اور فتنہ و فساد مسلمانوں کے عقیدے میں پڑ گیا ہے تو اپنے اخص الخواص شاگردوں کے سامنے اسکا نام ظاہر نہ کرنے کی قسم لیکر ایک اور بھید بیان کیا کہ حضرت امیر سے بعض ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو انسان کی طاقت میں نہیں ہیں۔ مثلاً غیب کی خبر دینا، حاضر جوابی، فصاحت و بلاغت، بے مثل شجاعت اور دیگر کرامات اور پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ سب چیزیں کہاں سے آئیں اور یہ کیا بھید ہے؟ سب نے اپنی عاجزی ولاعلمی کا اظہار کیا تو اس نے بہت تاکیدیں بھید چھپانے کی کر کے ظاہر کیا کہ یہ سب خواص الوہیت کے ہیں جو لباس بشریت میں جلوہ گر ہیں۔ لہذا جان لو بیشک علی خدا ہیں اور بعض ایسی باتیں جو امیر المومنین حضرت علی سے وجد و حال میں ظاہر ہوئی تھیں جیسا کہ اولیاء سے حالتِ سکر میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اَنَا حَیٌّ "لَا یَمُوْتُ، اَنَا بَاعِثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ، اَنَا مُقِیْمُ الْقِیَامَةِ اپنے قول کی تائید میں پیش کیں۔ ۱ جب حضرت علی ؓ کو ان لوگوں کی یہ بات پہنچی تو آپ ؓ نے اس پر انکے بعض کو ڈرا دھمکا کر توبہ کرائی، ابن سبا کو جلاوطن کر دیا اور بعض سرکش لوگوں کو بطور سزا آگ میں ڈال دیا۔ ابن سبا نے اپنے شاگردوں کو عراق اور آذربائیجان میں پھیلا دیا۔ حضرت امیر المومنین ؓ شام کے باغیوں سے لڑائیوں کی وجہ سے ابن سبا اور اسکے پیروکاروں کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے یہاں تک کہ اس شیطان ابن سبا کے وسوسوں سے حضرت امیر کے لشکر والے مندرجہ ذیل چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

۱) ایسے لوگوں کا گروہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نقش قدم پر چلتے تھے، حضور ﷺ

۱ تحفہ اثنا عشریہ / حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

کے اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے حقوق پہچانتے تھے اور انکی پاسداری ظاہر و باطن میں کرتے تھے۔ یہ حضرات امیر المومنین علی کے لشکر کے مخلص لوگ تھے۔ انکو شیعہ اُولیٰ اور شیعہ مخلصین کہا جاتا ہے۔ ان حضرات کے متبعین کو بعد میں اہلسنت و جماعت کا لقب دیا گیا۔ یہ اہلسنت و جماعت کے پیشوا ہیں۔ تاریخ واقدی وغیرہ کتب تاریخ میں اہل سنت کے بعض رؤساء مثلاً امام عبدالرزاق جو صاحب تصنیف اور مشہور محدث ہیں کے بارے میں آتا ہے کہ "مِنْ شِيعَةِ عَلِيٍّ يا فلان" "مَنْ شِيعَةِ" تو اس سے مراد شیعہ اُولیٰ ہیں۔ [1] نہ کہ شیعہ رافضی۔ شیعہ اولیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ابن سبا کے وسوسوں سے محفوظ رکھا۔

2) فرقہ تفضیلیہ کہ جناب امیر کو سب صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ اس گروہ نے ابن سبا کا تھوڑا سا وسوسہ قبول کیا۔ جناب امیر نے ان کو ڈرایا دھمکایا کہ اگر میں نے کسی کو سنا کہ وہ مجھے شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر فضیلت دیتا ہے تو میں اسے قذف و بہتان کی سزا دوں گا جو کہ اسی کوڑے ہے۔

3) تیسرا فرقہ سبیہ سَبّ کا معنی گالی ہے۔ یہ لوگ اکابر صحابہ کو گالیاں دیتے تھے اس لیے انکو سبیہ اور تبرائیہ کہا جاتا ہے۔ سبیہ تقریباً تمام صحابہ کو ظالم، غاصب بلکہ کافر و منافق جانتے تھے۔ یہ ابن سبا کے درمیانے درجے کے شاگردوں سے ہوئے۔ وہ جھگڑے جو ام المومنین حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئے تھے ان کے مذہب کے موید و محرک بنے۔ چونکہ یہ جھگڑے حضرت عثمان خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے قتل کی وجہ سے ہوئے تھے اس لیے ان پر لعن و طعن کرنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی

[1] ہدیہ مجیدیہ از ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۵

بنیاد شیخین کی خلافت پر تھی اور آپ کو منتخب کرنے والے حضرت عبدالرحمان بن عوف وغیرہ صحابہ تھے اس لیے ان سب کو برا کہنے لگے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بواسطہ مخلصین ان کے طعن پہنچے تو آپ خطبہ ارشاد فرماتے اور ان کو زجر و توبیخ کر کے ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے۔

4) چوتھا فرقہ شیعہ غلاۃ یعنی نہایت حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کا تھا۔ یہ لوگ خبیث ابن سبا کے خاص الخاص شاگرد تھے اور حضرت علی رضی رضی اللہ عنہ کو خدا کہتے تھے۔ جب مخلصین نے ان کو واضح الزام دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تو بشری تقاضے اور خلاف الوہیت نشان موجود ہیں تو یہ الوہیت صریح سے پھر کر حلول کے قائل ہو گئے کہ روح الٰہی نے قلب بشری میں حلول کیا ہے۔ [1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ موجودہ شیعوں کے اصل فرقے یہ تین ہی تھے یعنی تفضیلیہ، تبرائی اور غالی۔ یہ تینوں ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے اور تینوں کا بانی ایک ہی شخص ابن سبا یہودی منافق تھا۔ شیعہ کے بعد دوسرا بڑا فرقہ جو مسلمانوں میں پیدا ہوا خوارج کا ہے۔

خوارج بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں آپکے لشکر سے ظاہر ہوئے۔ حضرت امیر المومنین علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے جب مصالحت کیلئے عمرو بن عاص اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو حاکم (ثالث) بنایا تو آپ کے لشکر سے یہ لوگ آپ کے مخالف ہو گئے آپ کو مشرک و کافر کہتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگران تمام افراد کو بھی مشرک کہتے تھے جو فیصل و ثالث بنانے میں کسی نہ کسی طرح شریک تھے۔ یہ لوگ

[1] ہدیہ مجیدیہ از ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۸

اپنی کم فہمی کی بناء پر ثالثی کو اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے خلاف سمجھتے تھے۔

شیعہ و خوارج کے بعد فرقہ معتزلہ نے بال و پر نکالے اس فرقہ کے وقت ظہور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے تو اصحاب علی کی ایک جماعت سیاست سے بالکل کنارہ کش ہوگئی اور اس کی سرگرمیاں صرف عقائد تک محدود ہو کر رہ گئیں تو ان لوگوں نے اپنا نام معتزلہ رکھا۔ [1] جمہور علماء کا کہنا ہے کہ واصل بن عطاء (رئیس معتزلہ) حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں حاضر ہوا کرتا تھا اس نے ایک مسئلہ میں اختلاف کے بعد حضرت حسن بصری سے علیحدگی اختیار کر لی اور اسی مسجد میں ایک علیحدہ حلقہ قائم کر کے بیٹھ گیا تو امام حسن بصری نے فرمایا قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا (بلاشبہ ہم سے جدا ہو گیا)۔ آپکے اس فرمان کے بعد لوگ واصل اور اس کے ساتھیوں کو معتزلہ کہنے لگے۔ لیکن یہ اپنے آپ کو اصحاب العدل والتوحید کہتے تھے۔ معتزلہ ظاہر سنت بخلاف اپنی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ انکا مذہب لوگوں میں پھیل گیا یہاں تک کہ امام ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر باقلانی اور امام فخر الدین رازی وغیرہ علماء رحمہم اللہ نے معتزلہ کے نظریات فلسفیانہ طرز فکر کیساتھ باطل کر کے ان امور کو ثابت کیا جو ظاہر سنت سے ثابت ہیں اور جن پر جماعت صحابہ چلی اسوجہ سے انکو اہل سنت و جماعت کا نام دیا گیا۔ [2]

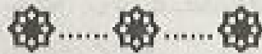
شیعہ، خوارج اور معتزلہ میں سے شیعہ اب بھی موجود ہیں اور خوارج و معتزلہ اگرچہ بحیثیت فرقہ مٹ گئے ہیں لیکن ان کے نظریات کے حامل اور فرقے وجود میں آگئے

---

[1] اسلامی مذاہب/ص ۱۷۳ [2] شرح عقائد

ہیں۔ انگریز جب ہندوستان پر قابض ہوا تو اس نے اقتدار چونکہ مسلمان بادشاہوں سے چھینا تھا لہٰذا اسے مسلمانوں سے خطرہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کی قوت کمزور کرنے کیلئے اس نے ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کی پوری کوشش کی۔ کئی لوگوں کو پیسے، عہدے وغیرہ کا لالچ دے کر خفیہ طور پر اس کام کے لیے تیار کیا جس کے نتیجے میں چھوٹے بڑے کئی فرقے وجود میں آئے۔ ان میں سے مرزائی اور وہابی زیادہ مشہور ہیں۔

دنیا کے مسلمانوں میں باطل فرقوں کی تعداد تہتر/۷۳ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس مختصر کتاب میں ان تمام کا تعارف مشکل ہے البتہ مَا لَا یُفْعَلُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ کے پیش نظر برصغیر کے مشہور فرقوں اور ان کے بعض معتقدات کے بارے میں انشاء اللہ ضرور لکھیں گے۔



شیعہ

شیعہ اسلامی فرقوں میں سب سے قدیم فرقہ ہے۔ لفظ شیعہ کا معنی گروہ، طرفدار اور مددگار کے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیساتھ لڑائیوں میں جو صحابہ و تابعین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرفدار اور آپکے گروہ میں تھے اپنے آپ کو شیعہ یا شیعان علی کہتے تھے۔ ان پہلے شیعوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جناب امیر اپنے عہد میں امام برحق ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت آپ ہی کا منصب ہے۔ تمام مسلمانوں پر آپ کی اطاعت فرض ہے۔ یہ لوگ تمام صحابہ خصوصاً شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا احترام کرتے تھے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ سے افضل جانتے تھے اور ان کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ شیعہ حضرت امیر المومنین کی ان باتوں کو جو انہوں نے خلفاء ثلثہ اور صحابہ کرام کی تعریف و فضائل میں بیان فرمائیں ظاہر ہی پر محمول کرتے، تقیہ اور ریاکاری پر مبنی نہیں سمجھتے تھے۔ شریعت مصطفویہ کے جو احکام صحابہ کے ذریعے انکو پہنچے انہیں قبول کیا اور ان کے مطابق عمل کیا اور یہ سب کچھ حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کی ہدایات و تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ دو تین سال کے بعد ابن سبا کے وسوسوں سے کئی لوگ حضرت علی کی محبت میں غلو کا شکار ہو گئے۔ آپ کو تمام صحابہ سے افضل کہتے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلافت پر آپ کا حق مانتے اور شیخین وغیرہما اکابر صحابہ کو گالیاں دینے لگے، بعض حضرت امیر کی الوہیت کے قائل ہو گئے اس طرح شیعان علی سے شیعہ تفضیلیہ، تبرائیہ اور غلاۃ یہ تین فرقے وجود میں

آئے۔ حضرت علی کی ہدایات اور نقش قدم کو چھوڑ دینے کی وجہ سے انکو رافضی کہا جانے لگا۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ امام زید بن علی بن زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا اور بعض لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تو بنوامیہ کے لشکر آپ سے لڑنے کیلئے آ گئے تو امام زید کے حمایتیوں میں سے تبرائی شیعوں نے آپ سے کہا کہ تم ابوبکر و عمر کی محبت سے اظہار براءت کرو تو پھر ہم تمہاری مدد کریں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لَا اَتَبَرَّءُ مِنْ وَزِیْرَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ" میں رسول اللہ ﷺ کے دو وزیروں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے براءت نہیں کروں گا تو یہ تبرائی آپ کا ساتھ چھوڑ گئے جس کے نتیجے میں آپ کو گرفتار کر کے سولی دے دی گئی۔ اس وجہ سے ان شیعوں کو رافضی یعنی امام زید کو چھوڑ دینے والے کہا جانے لگا۔[1] بعد میں شیعہ کا لفظ مخلصین کی بجائے شیعہ رافضیوں کیلئے عام ہو گیا لہٰذا اب شیعہ سے مراد رافضی شیعہ ہی ہوتے ہیں۔

رافضی شیعہ کے بہت سارے فرقے ہیں۔ ان میں سے کچھ غالی ہیں اور کچھ اعتدال پسند۔ غالی شیعہ وہ ہیں جو حضرت علی اور آپکی اولاد میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مرتبہ الوہیت ثابت کرتے ہیں اور بعض ان میں سے حضرت علی کو نبی مانتے ہیں اور حضرت نبی کریم ﷺ سے افضل جانتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام پر وحی کے پہنچانے میں خیانت کا الزام لگاتے ہیں اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں یا اس کی مثل واضح کفر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ صحابہ کی شان میں

[1] نبراس / علامہ عبدالعزیز فرہاروی / ص ۳۲۱

یہ فرقہ انتہائی گستاخ ہے چند صحابہ کو چھوڑ کر سب کو گالیاں دینا' کافر کہنا اور لعنت بھیجنا ان کا عام شیوہ ہے۔

غالی شیعوں کو تبرائی بھی کہا جاتا ہے۔ غالی شیعوں میں فرقہ سبائیہ اور فرقہ غرابیہ ہے۔

اعتدال پسند شیعوں سے مراد وہ شیعہ ہیں جو حضرت علی کی باقی صحابہ پر فضیلت کا اعتقاد رکھنے کے باوجود کسی صحابی کو کافر نہیں کہتے اور نہ حضرت علی کو خدا یا نبی یا نبی کے برابر قرار دیتے ہیں، حضرت عائشہ پر تہمت بھی نہیں لگاتے۔ ان کے کئی فرقے ہیں ان میں سے مشہور زیدیہ اور امامیہ ہیں۔

شیعہ کے عقائد واعمال

تمام شیعہ کے نزدیک مسئلہ امامت دین کا رکن رکین اور اصل الاصیل ہے جس سے بے اعتنائی برتنا اور اسے امت کے سپرد کرنا کسی نبی کیلئے جائز نہیں ہے۔ نبی پر امام کا تقرر واجب ہے۔ شیعہ کے نزدیک حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق اور خلیفہ بلافصل حضرت علی ہیں۔ یہ لوگ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو غاصب سمجھتے ہیں کہ حیلے اور اثر ورسوخ سے حضرت علی کو منصب امامت سے ٹال کر خود اس پر فائز ہوگئے۔ شیعہ اپنے اس عقیدے کا اظہار اعلانیہ ہر اذان میں کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے اولاد نبی سے خارج کرتے ہیں۔

شیعہ اپنے مخالفوں کے درمیان تقیہ یعنی اپنا مذہب چھپانا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ من

گھڑت واقعات اور کہانیاں مختلف ناموں سے شائع کرتے ہیں۔ مثلاً دس بیویوں کی کہانی، معجزہ حضرت علی کا، معجزہ حضرت فاطمہ کا۔ اہل سنت کی عورتیں لاعلمی کی بناء پر عقیدت سے ان کو پڑھتی ہیں انہیں احتیاط کرنی چاہیے کہ ان کہانیوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

شیعیت کی ترویج واشاعت کیلئے یہ لوگ ماتم وتعزیہ کے جلوسوں کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ شیعہ اولیاء کی کرامات کے منکر ہیں اور اپنے ائمہ کرام کی کرامات کو معجزہ قرار دیتے ہیں۔ متعہ کو افضل عبادت جانتے ہیں۔

شیعہ عذاب قبر' سنت تراویح اور موزوں پر مسح کے منکر ہیں۔ وضوء میں پاؤں دھونے کی بجائے ننگے پاؤں پر مسح کرتے ہیں۔ ظہر وعصر کی دو نمازیں ظہر کے وقت میں اکٹھی پڑھتے ہیں اور مغرب وعشاء کی دو نمازیں غروب آفتاب کے بعد اس وقت پڑھتے ہیں جب ستارے چمک اٹھیں۔ ان کے نزدیک نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون نہیں ہے۔ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا ان کے نزدیک ناجائز ہے۔ شیعہ کے نزدیک لفظ واحد سے تین طلاقیں نہیں ہو سکتیں۔

شیعہ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں اور باقی اہل اسلام کو مسلمان بولتے ہیں۔ [1]

شیعہ کے تعارف کے بعد ان کے بعض مشہور فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ تَعَالٰی

شیعہ سبائیہ

یہ عبداللہ بن سبا کے پیروکار تھے جو مذہبا یہودی تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان

[1] تحفہ اثنا عشریہ' مذاہب اسلام' اسلامی مذاہب

پہنچانے کیلئے بظاہر مسلمان ہوگیا۔ ابن سبا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہتا تھا۔ اس نے کئی اور لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسی بات کہنے سے سختی سے منع کیا اور توبہ نہ کرنے پر ابن سبا کو جلاوطن کر دیا اور اس کے کئی ساتھیوں کو آگ میں ڈال دیا۔ جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تو کہنے لگے کہ اب ہمارا یقین اور زیادہ ہوگیا ہے کہ تو خدا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا بندوں کو آگ کا عذاب دے گا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو ابن سبا نے کہنا شروع کر دیا کہ علی قتل نہیں ہوئے بلکہ مقتول شیطان تھا جو حضرت علی کی صورت پر ہوگیا تھا۔ ابن ملجم نے اسے مارا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ علی بادل میں آتے ہیں۔

بادل سے جو کڑک کی آواز آتی ہے یہ علی کی آواز ہے اور بجلی آپ کی مسکراہٹ ہے۔ سبائیہ جب بادل گرجنے کی آواز سنتے تو کہتے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' اس فرقہ کے لوگ اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات علیؓ میں حلول کر آئی ہے۔ ۱

شیعہ غرابیہ

غراب عربی زبان میں کوے کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت محمد ﷺ سے شکل وصورت میں اس قدر مشابہت تھی جیسے ایک کوے کو دوسرے کوے سے ہوتی ہے۔ اسی مشابہت کی وجہ سے جبرائیل علیہ السلام سے غلطی ہوگئی۔ ان کو علی کی طرف وحی دے کر بھیجا گیا تھا مگر وہ امتیاز نہ کرسکے اور محمد ﷺ کے پاس چلے گئے۔ اس فرقہ کے لوگ

---

۱ مذاہب اسلام الحکیم نجم الغنی رامپوری

حضرت علی کی الوہیت کے قائل تو نہ تھے مگر حضرت علی کو حضور ﷺ سے افضل قرار دیتے تھے۔ ۱

شیعہ زیدیہ

یہ فرقہ شیعہ کے تمام فرقوں کی نسبت اہلسنت کے زیادہ قریب اور مبنی علی الاعتدال تھا۔ انکے امام حضرت زید بن علی بن امام حسینؓ تھے۔

امام زید رحمۃ اللہ بڑے فقیہ اور علم کلام کے ماہر تھے۔ علماء وقت کے ساتھ آپکے خوشگوار مراسم تھے اور وہ آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سیاسی معاملات میں امام زید رحمۃ اللہ علیہ کے زبردست حامی تھے۔ تفسیر کشاف میں آیت ''لَا یَنَالُ عَھْدِیْ الظّٰلِمِیْنَ'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ خفیہ طور پر لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے کہ متغلب چوروں منصور وغیرہ کے مقابل امام زید بن علی زین العابدین کی مدد کرنا واجب ہے۔ امام صاحب نے مدد کیلئے اپنی طرف سے مال واسباب بھی زید بن علی کے پاس بھیجا۔ تفسیر کبیر ج اسے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

زیدیہ کے افکار و معتقدات

1) زیدیہ آئمہ کو منصب نبوت پر فائز نہیں کرتے اور نہ انبیاء علیہم السلام کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں آئمہ دیگر لوگوں کی طرح انسان تھے مگر آنحضور ﷺ کے بعد سب سے افضل تھے۔ یہ اصحاب رسول کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔

---

۱ اسلامی مذاہب، مذاہب عالم

2) زیدیہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ نبی کریم ﷺ نے نام لیکر کسی کو امام مقرر فرمادیا تھا بلکہ انکا اعتقاد یہ ہے کہ آپ نے کچھ اوصاف بتادیے تھے جنکا امام میں پایا جانا ضروری ہے یعنی مرد ہو، بہادر ہو، بالغ ہو اور مجتہد ہو ان تمام اوصاف کے حامل حضرت علی تھے۔

3) امام زید کے نزدیک مفضول کی امامت جائز ہے یعنی اگر امت کے ارباب بست وکشاد افضل واکمل کو چھوڑ کر کسی ایسے شخص کو امام چن لیں جس میں امام کی بعض صفات موجود نہ ہوں اور اسکی بیعت کرلیں تو اسکی امامت درست اور بیعت لازم ہوگی۔ اس بنا پر حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت زیدیہ کے نزدیک درست اور صحیح تھی۔ اس بیعت کی بنا پر وہ صحابہ کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔

زیدیہ کے نزدیک ایک مصلحت اور دینی قاعدہ کے تحت خلافت حضرت ابوبکر ﷛ کو تفویض کی گئی تھی۔ وہ مصلحت یہ تھی کہ فتنہ کی آگ نہ بھڑک اٹھے کیونکہ غزوات اسلامیہ کا زمانہ ابھی قریب تھا۔ امیر المومنین علی ﷛ کی تلوار سے مشرکوں کا خون ابھی خشک ہونے نہ پایا تھا۔ لوگوں کے سینوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ ان کے دل آپکی طرف مائل نہ ہوتے تھے اور نہ وہ آپکے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ لہٰذا مصلحت کا تقاضا تھا کہ خلیفہ ایک ایسا شخص ہو جو حلیم الطبع، محبت پیشہ، معمر، آنحضرت کا قریبی ساتھی اور سابق الاسلام ہو۔

4) زیدیہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ابدی جہنمی ہے جب تک کہ وہ خالص توبہ نہ کرلے۔

مذکورہ بالا نظریات زیدیہ متقدمین کے تھے۔ بعد کے زیدیہ دوسرے شیعی فرقوں

سے مغلوب ہوجانے کی وجہ سے اپنی خصوصیات کھو بیٹھے اور ان روافض میں شمار ہونے لگے جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ یمن میں رہنے والے زیدیا اپنے اسلاف زیدیہ کے بہت قریب ہیں اور وہی عقائد رکھتے ہیں۔ [1]

شیعہ امامیہ

امامیہ میں شیعوں کے وہ تمام فرقے داخل ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ امامانِ دین کے صرف اوصاف ہی نہیں بتائے جاتے بلکہ صریح الفاظ میں شخصاً انکی تعیین کردی جاتی ہے اور یہ تعیین وتقرر امامیہ کے نزدیک اللہ پر واجب ہے۔ حضرت علی کو نبی کریم ﷺ نے خود متعین فرمایا تھا اور بعد میں آنے والے آئمہ کو حضرت علی آنحضرت کی وصیت کے مطابق متعین فرماتے ہیں اور ان آئمہ کو اوصیاء کہا جاتا ہے۔ شیعہ امامیہ کے بقول حضرت علی کی امامت آنحضرت ﷺ کی نص قطعی اور یقین کامل سے ثابت ہوچکی ہے۔ [2]

امامیہ جس طرح آنحضور ﷺ کی نص قطعی سے حضرت علی کے وصی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی کے بعد انکی اولاد میں سے صرف وہ اولاد اوصیاء میں شمار ہوگی جو حضرت فاطمہ کے بیٹے امام حسن یا امام حسین کی نسل سے ہو۔ اس حد تک یہ عقیدہ انکے ہاں اجماعی ہے اس کے بعد وہ مختلف الخیال ہوگئے۔ بہت سے فرقوں میں بٹ گئے۔ بعض نے ستر (۷۰) سے زائد فرقے شمار کیے ہیں ان میں سے دو فرقے

---

[1] المذاہب الاسلامیہ / مصنفہ ابو زہرہ مصری [2] المذاہب الاسلامیہ

زیادہ مشہور ہیں (۱) اثنا عشریہ (۲) اسماعیلیہ ۔ لے

امامیہ اثنا عشریہ

جب لفظ امامیہ مطلقاً بولا جائے تو اس سے یہی فرقہ اثنا عشری مراد ہوتا ہے۔ اثنا عشری کا ظہور 256ھ میں ہوا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب امام حسن عسکری بن علی تقی نے وفات پائی تو اپنا پانچ برس کا ایک لڑکا محمد نامی، سوسن یا نرجس کنیز کے شکم سے چھوڑا جو جمعہ 15 شعبان 255ھ رات کے وقت پیدا ہوا تھا۔ یہی مہدی موعود اور خاتم الائمہ ہیں۔ خلیفہ معتمد علی اللہ عباسی کے عہد میں آٹھ یا نو برس کی عمر میں سامرہ یا سُرَّ مَنْ رَاٰی جو شرقی دجلہ پر آباد ایک شہر تھا، میں اپنے والد کے گھر ایک تہ خانہ میں داخل ہوئے پھر لوٹ کر نہ آئے۔ ان کے نزدیک رجعت پر ایمان لانا واجب ہے یعنی امام محمد مہدی صاحب الامر ظہور اور خروج فرمائیں گے۔ ۲ے

امام محمد بن حسن عسکری کے ماننے والے کہتے ہیں کہ امام بارہ ہیں اس لیے انکا

لے المذاہب الاسلامیہ

۲ے اہلسنت اگرچہ حضرت امام مہدی کے ظہور کو تسلیم کرتے ہیں مگر وہ سامرہ یا سُرَّ مَنْ رَاٰی کے تہ خانے میں ان کے چھپ جانے کی من گھڑت کہانی کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام مہدی کی ولادت قیامت کے قریب ہوگی اور جب ان کی عمر تینتیس سے چالیس سال کے درمیان ہوگی تو بحیثیت امام مہدی انکا ظہور ہوگا۔

لقب اثنا عشری ہوگیا۔ انکے بارہ اماموں کے نام یہ ہیں۔ لے

(۱) حضرت علی (۲) امام حسن (۳) امام حسین (۴) امام علی زین العابدین (۵) امام محمد باقر (۶) امام جعفر صادق (۷) امام موسیٰ کاظم (۸) امام علی رضا (۹) امام محمد تقی (۱۰) امام محمد نقی (۱۱) امام حسن عسکری (۱۲) امام محمد مہدی۔ ۲ے

شیعہ امامیہ چہاردہ (چودہ) معصوموں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان چودہ معصوموں سے انکی مراد حضرت محمد ﷺ آپکی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مذکورہ بارہ امام ہوتے ہیں۔ لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ ان چودہ معصوموں سے انکی مراد آئمہ کے وہ بچے ہیں جو شکم مادر میں ہی مر گئے یا بچپن میں شہید کردیے گئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) محسن بن امیر المومنین علی (۲) عبداللہ بن امام حسن (۳) جعفر بن امام حسین (۴) قاسم بن امام حسن (۵) حسین بن امام زین العابدین (۶) صالح بن محمد باقر (۷) علی اقطر بن محمد باقر (۸) عبداللہ بن جعفر صادق (۹) یحییٰ بن جعفر صادق (۱۰) صالح بن موسیٰ کاظم (۱۱) طیب بن موسیٰ کاظم (۱۲) جعفر بن محمد تقی (۱۳) جعفر بن حسن عسکری (۱۴) قاسم بن محمد مہدی۔ ۳ے

لے مذکورہ بارہ آئمہ اگرچہ اہلسنت کے نزدیک بھی محترم ہیں مگر وہ ان سب کو امام بمعنی مذہبی پیشوا کے مانتے ہیں اور ان میں سے چند کے سوا باقی کو امام بمعنی خلیفہ کے تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے کہ حقیقت بھی یہ ہے کہ ان میں سے امیر المومنین حضرت علی اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کوئی خلافت کے منصب پر فائز نہیں ہوا۔ البتہ احادیث شریفہ سے حضرت امام مہدی کا خلیفہ ہونا ثابت ہے۔ مگر وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

۲ے مذاہب عالم ۳ے مذاہب الاسلام/ص ۳۱۸

اثنا عشریو ں کے عقائد

۱۔ امامیہ جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب کو امام اور خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں اور وہ ہر اذان میں اپنے اس عقیدے کا اعلان کرتے ہیں۔

۲۔ ان کے نزدیک امام بھی انبیاء کی طرح معصوم اور منصوص من اللہ ہوتے ہیں۔

۳۔ان کے نزدیک امام کا مقام نبی کے لگ بھگ ہوتا ہے۔اس لیے وہ امام کے نام کیساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں جو کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ متعارف ہے۔

۴۔ اثنا عشریوں کے نزدیک متعہ کی حلیت کا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

۵۔ یہ تراویح رمضان اور موزوں پر مسح کرنے کے منکر ہیں۔

۶۔ انکے نزدیک نماز ہر مسلمان کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

۷۔ اثنا عشری قرآن میں کمی بیشی کے قائل نہیں اور یہ بات جوان کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں غالباً یہ غلط ہے۔ محققین شیعہ میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں ہے۔ [1]

امامیہ اسماعیلیہ

یہ فرقہ اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہے۔اس فرقے کے لوگ آئمہ کے بارے میں امام جعفر صادق تک اثنا عشریوں کے ساتھ متفق ہیں۔اس کے بعد ان دونوں فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔اثنا عشریوں کے نزدیک امام جعفر کے بعد انکے بیٹے موسیٰ

---

[1] مذاہب اسلام /حکیم نجم الغنی

کاظم امامت کے منصب پر فائز ہوئے اور اسماعیلی امام جعفر صادق کے بعد انکے بیٹے اسماعیل کو امام قرار دیتے ہیں۔اسماعیلیہ کے نزدیک خلافت اسماعیل سے منتقل ہو کر محمد مکتوم کو ملی۔محمد مکتوم کے بعد ان کے بیٹے جعفر مصدق کو اور پھر ان کے بیٹے محمد حبیب کو ملی۔ان کے بعد عبد اللہ مہدی امام ہوئے جنکو "ملک المغرب" بھی کہتے ہیں۔اس کے بعد ان کی اولاد مصر کی بادشاہ ہوئی اور یہی فاطمی کہلائے۔ [1]

اسماعیلیہ کو باطنیہ اور باطنین بھی کہا جاتا ہے اور یہ لقب انہیں اس لیے ملا کہ وہ اپنے معتقدات لوگوں سے چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔اسماعیلیہ کے کئی فرقے ہوئے ان کے ایک فرقہ کو حشاشین (بھنگ نوش) کہا جاتا ہے۔انکا ایک اور فرقہ نصیریہ ہے۔

فرقہ نصیریہ

نصیری شیعوں کو علی الٰہیان بھی کہا جاتا ہے۔یہ حضرت علی کو الٰہ (خدا) قرار دیتے تھے اور ان کی موت کے قائل نہ تھے انکا اعتقاد تھا کہ اللہ حضرت علی کے ساتھ متحد ہو گیا ہے یا ان میں حلول کر گیا ہے۔ان کا عقیدہ تھا کہ اہل بیت کو معرفت علی الاطلاق حاصل ہوتی ہے۔ [2]

اس فرقہ کے افراد نے ان غالی اسماعیلیوں کے زیر اثر تربیت پائی تھی جو اسلامی احکام کی اطاعت سے آزاد تھے۔فرقہ نصیریہ شیعہ کے کئی فرقوں کے افکار و نظریات کا معجون مرکب تھا۔انہوں نے شیعہ سبائیہ سے حضرت علی کی الوہیت اور ان کے غلو و رجعت کا

---

[1] المذاہب الاسلامیہ/ابو زہرہ مصری . [2] المذاہب الاسلامیہ

عقیدہ لیا اور شیعہ باطنیہ سے شریعت کے ظاہر و باطن کا مسئلہ سیکھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن عمل کے قابل نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو مصحف علی اللہ نے محمد ﷺ کو دیا تھا یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ تو ابو بکر، عمر، عثمان کی تصنیف ہے اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو وہی ہے لیکن چونکہ اس کو عثمان نے جمع کیا ہے اس لیے پڑھنے کے لائق نہیں ہے۔

اسماعیلی بالخصوص نصیری فرقہ کے شیعوں نے اہل اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ جب صلیبی حملہ آوروں نے بلاد شام اور پھر دیگر اسلامی ریاستوں کو تاخت و تاراج کیا تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں کا ساتھ دیا۔ جب صلیبی اسلامی علاقوں پر مسلط ہو گئے تو انہوں نے ان کو اپنا مقرب خاص بنایا اور بڑے بڑے عہدے پیش کیے۔ ۱

سلطان نور الدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی اور دیگر سلاطین ایوبیہ رحمہم اللہ کے عہد اقتدار میں باطنیہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ان کے عہد حکومت میں انکا کام صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے قائدین کے خلاف سازشیں کرتے اور ان کے خلاف مکر وفریب کا جال پھیلانے میں مصروف رہتے تھے۔ ۲

اس کے بعد جب تاتاریوں نے ملک شام پر دھاوا بولا تو فرقہ نصیریہ والوں نے ان کی نصرت وحمایت کا دم بھرنا شروع کر دیا جس طرح اس سے پہلے انہوں نے صلیبیوں کی امداد کی تھی۔ باطنیہ نے مسلمانوں کی خون ریزی اور قتل وغارت میں جہاں تک ہو سکتا تھا سفاک تاتاریوں کا ساتھ دیا۔ جب تاتاریوں نے غارتگری سے دم لیا تو باطنیہ پہاڑوں میں جا چھپے اور مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کیلئے کوئی اور منصوبہ سوچنے لگے۔ ۳

۱، ۲، ۳ المذاہب الاسلامیہ/ص ۸۲ ، ص ۸۲ ، ۸۳

آغاخانی شیعہ

یہ غالباً امامی اسماعیلی شیعہ کی شاخ حشاشین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے عقائد اور عبادات کے طریقے دوسرے لوگوں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آغا خان کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ پاکستان کے شمالی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی زیادہ تعداد آغا خانی شیعوں پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ آمدنی کا دسواں حصہ آغا خان کو دیتے ہیں اور اس نذر کو دسوں (دسواں حصہ) بولتے ہیں۔ یہ لوگ آغا خان کو اگرچہ خدا نہیں سمجھتے لیکن ان کو دنیا میں خدا کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان میں حضرت علی کا نور ہے۔ ان کا جو امام زندہ اور موجود ہو اسکو حاضر امام کہتے ہیں۔ حاضر امام رمضان کی ۱۹، ۲۱ اور ۲۳ تاریخ کو انہیں نماز پڑھاتا ہے اسکے سوا یہ کبھی نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت علی ؓ کے بارے میں انکا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے دسویں اوتار (جسم) ہیں۔ لہٰذا علی خدا ہیں اور محمد ان کے پیغمبر ہیں۔ آغا خانی قرآن کو نہیں مانتے۔ آب شفا (کربلا کی خاک کے ساتھ ملا ہوا پانی) معتقدین کو دیا جاتا ہے اور وہ ثواب حاصل کرنے کیلئے اپنے حاضر امام کو روپیہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے جماعت خانے میں ایسے کارڈ اپنے سروں پر رکھتے ہیں جن پر پنجتن (حضرت محمد ﷺ، علی، فاطمہ، حسن، حسین ؓ) کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ ان کے پیر بھی ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں ان کے پہلے پیر صدر الدین گزرے ہیں جنہوں نے گنان اور دساوتار دو کتابیں لکھیں جو اس مذہب کی مقدس کتابیں ہیں۔ ۱

---

۱ مذاہب الاسلام/ص ۳۴۴ تا ۳۶۵

مرزائی، قادیانی

اس سے مراد وہ فرقہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنا پیشوا مانتا ہے۔ مرزا کو ماننے والے اپنے آپ کو مرزائی، احمدی اور قادیانی کہتے ہیں۔ مرزائیوں کے دو گروپ ہیں۔ ایک قادیانی یا ربوی گروپ جو مرزا غلام احمد کو کامل اور مستقل صاحب شریعت نبی اور مسیح موعود مانتا ہے۔ ان کے نزدیک مرزا کو نبی نہ ماننے والا ہر شخص کافر ہے اور دوسرا لاہوری گروپ ہے جو مرزا کو نبی نہیں کہتا بلکہ مصلح، ملہم اور مجدد اعظم مانتا ہے۔ مرزا کے مرنے کے بعد حکیم نور الدین بھیروی خلیفہ بنا۔ ۱۹۱۳ء میں دوسرے خلیفہ کے تقرر کیلئے قادیانیوں کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ جب مرزا غلام احمد کا صاحبزادہ مرزا محمود جماعت پر قابض ہو گیا تو ان سے شکست کھانے والوں نے لاہور کو اپنا مرکز بنا لیا اور یہ لوگ مرزا کو نبی ماننے کے عقیدے سے منحرف ہو گئے۔

مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ء میں ہندوستان کے ضلع گورداسپور کے موضع قادیان میں پیدا ہوا۔ مرزا نے عربی، فارسی اور طب کی مروجہ تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۸۶۴ء میں انگریز ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کچہری میں محرر کے طور پر ملازمت اختیار کر لی۔ تقریباً چار سال یہ نوکری کی۔ پھر ملازمت چھوڑ کر قادیان چلا گیا اور اپنے والد کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا جو گاؤں میں زمینداره اور طبابت کا پیشہ کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ مذہبی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھا۔ مذہبی مناظروں میں حصہ لیتا رہا۔ اس کے آباء و اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے۔ اس وقت تک مرزا کے عقائد وہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ سنی مسلمان کے ہونے چاہئیں۔ وہ

آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا بھی اسی طرح قائل تھا جیسے دیگر مسلمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول کے عقیدہ پر بھی ایمان رکھتا تھا۔ اس بات کی تصریح خود مرزا نے اپنے اشتہاری اعلان مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۱ مندرجہ "تبلیغ رسالت" ج ۲ اور اپنی کتاب "براہین احمدیہ" کی جلد چہارم میں کی ہے۔

مرزا کے استدراج

مرزا مالیخولیا کا مریض تھا شاید اس مرض کی وجہ سے یا کسی سازشی منصوبے کے تحت اس نے مختلف اوقات میں اپنے بارے میں مختلف دعوے کیے۔

- ۱۸۸۸ء تک مرزا مسلمانوں کا ایسا مبلغ و مناظر تھا جو غیر مسلموں کے مقابلہ میں اسلام کا دفاع کرتا تھا۔ اس وقت مسلمان مرزا کے متعلق اچھے نظریات رکھتے تھے۔
- ۱۸۸۸ء کے بعد مرزا نے مجدد وقت اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے بیعت لینا شروع کی۔
- ۱۸۸۹ء میں بمقام لدھیانہ جماعت احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔
- ۱۸۹۰ء میں مرزا نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب "ازالۃ الاوہام" میں تحریر کرتے ہیں۔ "اس عاجز نے جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اسکو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ میں نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں۔ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات و اخلاق وغیرہ خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں رکھے ہیں"۔ مرزا اپنے دعویٰ پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا اور
- ۱۸۹۱ء میں اپنے مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ مرزا اپنی کتاب

"کشتی نوح" میں لکھتا ہے۔ "اور یہی عیسیٰ ہے جسکی انتظار تھی اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں۔ اور "تحفہ گولڑویہ" میں لکھا کہ "میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا"۔ مرزا اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ پر تقریباً دس سال تک قائم رہا۔

○ اور پھر نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوت کا ان الفاظ میں اعلان کر دیا کہ "میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کروں یا کیوں کر اس کے سوا کسی سے ڈروں۔ ۱؎

لیکن اس دعویٰ نبوت کی بھی ایک شکل نہ تھی۔ اس دعویٰ کے بعد کچھ عرصہ تک مرزا اپنے آپ کو امتی نبی، ظلی نبی، بروزی نبی اور غیر تشریعی نبی کہتا رہا اور خاتم النبیین کا معنی "نبیوں کی مہر" کرتا اور کہتا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد نبی وہی ہوگا جس کی نبوت کی تصدیق آپ ﷺ اپنی مہر سے فرمائیں گے۔ مرزا کے بیٹے بشیر احمد نے اپنی تصنیف "کلمۃ الفصل" میں مرزا کی اس نبوت کو یوں بیان کیا ہے۔

"یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظلی نبوت گھٹیا قسم کی نبوت ہے، یہ محض نفس کا ایک دھوکا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں بعض لوگ آپ کی (مرزا کی) نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں کیونکہ میں تو دیکھتا ہوں کہ آپ (مرزا) آنحضرت ﷺ کے بروز ہونے کی وجہ سے ظلی نبی تھے اور اس ظلی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے"۔

۱؎ ایک غلطی کا ازالہ/نومبر ۱۹۰۱ء

○ کچھ عرصہ اسی طرح ظلی نبی رہنے کے بعد آخر مرزا نے اپنے مستقل صاحب شریعت نبی اور خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اپنی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" ص ۱۰ میں مرزا نے لکھا "میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت "وَآخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ" بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔

مرزا کی وحی اور الہامات

مرزا نے جب مستقل نبوت کا لبادہ اوڑھ لیا تو ضروری تھا کہ اس کے دیگر لوازمات کا بھی اظہار کرتے۔ لہٰذا مرزا نے دعویٰ کیا کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ مرزا نے اپنی کتاب "اربعین نمبر ۴" میں لکھا کہ "مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن پر"

وحی کی نسبت مرزا کے الہامات کہیں زیادہ تھے جو اس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیے۔ مرزا کے چند الہامات اور پیش گوئیاں درج ذیل ہیں۔

۱۔ مرزا نے اپنی کتاب میں لکھا کہ وَرَاَیْتُنِیْ فِی الْمَنَامِ عَیْنَ اللّٰہِ وَتَیَقَّنْتُ اِنَّنِیْ ھُوَ (ترجمہ) میں نے اپنے آپکو خواب میں دیکھا کہ میں اللہ ہوں اور میں نے یقین کر لیا کہ بیشک میں وہی ہوں۔ ۱؎

۲۔ "مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرا دیا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے مجھے

۱؎ آئینہ کمالات

مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا"۔ ۱

۳۔ الہام ہوا، خدا قادیان میں نازل ہوگا۔ ۲

۴۔ سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ ۳

۵۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک جنگل میں ہوں اور میرے ارد گرد بہت سے درندے، بندر اور سور وغیرہ ہیں اور اس سے یہ استدلال کیا کہ یہ احمدی جماعت کے لوگ ہیں۔ ۴

۶۔ جب مرزا کا لڑکا مبارک فوت ہوا تو ساتھ ہی خدائے تعالیٰ نے یہ الہام کیا۔ ۵ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ حَلِیْمٍ یَنْزِلُ مَنْزِلَ الْمُبَارَکِ یعنی ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا۔ ۶

۷۔ مرزا نے ۱۸۸۶ء میں اپنے ماموں زاد بھائی مرزا احمد بیگ کی لڑکی محمدی بیگم کے ساتھ اپنے نکاح کی خواستگاری کی۔ مرزا کی عمر اس وقت ۴۶ برس کی تھی اور وہ لڑکی بمشکل بارہ یا تیرہ برس کی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں مرزا نے اپنا الہام شائع کیا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "زَوَّجْنٰکَھَا" میں نے اسے تیری زوجہ بنا دیا ہے۔ باکرہ یا بیوہ ہو کر بہر حال تیری زوجیت میں آئے گی۔ اگر کہیں اور اس کا نکاح کیا گیا تو اس کا خاوند اڑھائی سال اور والد تین سال کے اندر فوت ہو جائیں گے۔ اپنی اس پیش گوئی پر مرزا نے اس قدر شدت کی کہ اس کو

---

۱ مرزا قادیانی، کشتی نوح ۲ البشریٰ/ ج ا ۳ دافع البلاء

۴ قادیانی اخبار/ پیغام صلح لاہور/ ۷ اپریل ۱۹۳۲ء ۵ لیکن اس الہام کے بعد مرزا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ (مولانا فیض احمد فیض از گولڑہ، مہر منیر/ ص ۱۸۱)

۶ اشتہار مرزا/ ۵ نومبر ۱۹۰۷ مندرجہ تبلیغ رسالت/ ج ۱۰

اپنے سچے اور جھوٹے ہونے کا معیار ٹھہرا لیا۔ مرزا اپنی کتاب "انجام آتھم" ۱۸۹۷ء میں لکھتا ہے کہ "میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ کی موت تقدیر مبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی"۔

اس سب کے باوجود محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ نے مرزا کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور محمدی بیگم کا نکاح مرزا سلطان محمد سے کر دیا۔ محمدی بیگم کا خاوند مرزا سلطان محمد مرزا کی پیشین گوئی میں بیان کردہ مدت اڑھائی سال بلکہ خود مرزا کے مرنے کے بعد بھی بہت عرصہ تک زندہ رہا۔ ۱

مرزا نے ایک علیحدہ امت بنا لی

مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ دعاوی کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں بڑا اختلاف وانتشار پیدا ہوا۔ مسلمانوں کے دلوں میں قادیانیوں کے بارے میں نفرت واضطراب کا پیدا ہونا بتقاضائے ایمان ایک لازمی بات تھی۔ خود مرزا نے بھی اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں سے علیحدہ کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ چنانچہ انوار خلافت ص ۹۰ میں ہے "ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی (یعنی مرزا) کے منکر ہیں۔ الکلمۃ الفصل میں ہے "حضرت مسیح موعود (مرزا) نے غیر احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں کے ساتھ ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا، اب باقی کیا رہ گیا جو ہم ان کے ساتھ مل کر

---

۱ مہر منیر/ ص ۱۸۲

کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی، دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلق کا بھاری ذریعہ رشتہ ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم ﷺ نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔

مرزائیوں پر انگریز حکومت کی نوازشات

انگریز حکمرانوں نے مرزا صاحب اور ان کی امت کی ہر طرح مدد کی۔ حکومت کی طرف سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرایا جاتا کہ قادیانیت اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے۔ انگریزی حکومت کی منظور نظر بن کر قادیانی جماعت انگریز حکومت کی فوج، پولیس، عدالت اور دوسری ملازمتوں میں دھڑا دھڑ اپنے آدمی بھرتی کراتی چلی گئی۔ یہ سب کچھ اس نے مسلمان بن کر مسلمانوں کے اس کوٹے سے حاصل کیا جو مسلمانوں کیلئے مخصوص تھا۔ اس طرح قادیانیت کیلئے مسلمانوں میں پھیلنا آسان ہو گیا۔ مرزائیوں پر انگریز حکومت کے احسانات کا خود مرزا بھی اعتراف کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے ایک بیان کا اقتباس ہے" یہ تو سوچو اگر تم اس گورنمنٹ کے سائے سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے۔ ایسی سلطنت کا نام تو لو جو تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہیں قتل کرنے کیلئے دانت پیس رہی ہے کیونکہ انکی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو تو تم اس خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کیلئے ہی اس

ملک میں قائم کی ہے۔[۱]

پاکستان میں مرزائیوں کے خلاف تحریک اور انکو غیر مسلم قرار دیا جانا

مسلمان شروع ہی سے مرزائیوں کے خلاف تھے۔ علماء نے قادیانیت کے خلاف بڑا کام کیا ہے۔ خصوصاً اہل سنت کی نامور شخصیت تاجدار گولڑہ شریف حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ نے اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ جب مرزا اور اس کے نئے مذہب کا چرچا ہوا اور ظاہر بین لوگ اس سے متاثر ہونے لگے تو حضرت قبلہ پیر صاحب نے ۱۹۰۰ء میں ایک رسالہ بعنوان "شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح" قلمبند کرایا جس میں حضرت قبلہ عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب بجسد عنصری زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو قرآن کریم اور صحیح حدیثوں سے ثابت فرمایا۔ ۱۹۰۲ء میں آپ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "سیف چشتیائی" تصنیف فرمائی جس میں مرزا کی کتاب "اعجاز المسیح" اور اس کے تنخواہ دار مولوی محمد احسن امروہی کی کتاب "شمس بازغہ" کا رد فرمایا۔ مرزا کے ساتھ خط و کتابت اور اشتہارات کے ذریعے تحریری مناظرے کئے اور ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء میں بادشاہی مسجد لاہور میں مرزا غلام احمد قادیانی کیساتھ آپکا بالمشافہ مناظرہ طے ہوا۔ سنی، اہل حدیث، اہل قرآن اور شیعہ ان تمام اسلامی فرقوں کے اکابر علماء نے قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کو اپنا سربراہ اور نمائندہ بنالیا۔ حضرت قبلہ عالم وقت مقررہ پر بادشاہی مسجد پہنچ

[۱] از مرزا غلام احمد / مندرجہ تبلیغ رسالت / ج ۱۰

گئے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی مرزائیوں کی بسیار کوششوں کے باوجود لاہور آنے کی جرأت نہ کرسکا۔ پیر گولڑہ شریف کی روحانی وعلمی قیادت کے نتیجہ میں فتنہ قادیانیت کا زور بہت حد تک ٹوٹ گیا۔

تقسیم ہند کے بعد جب مرزائی گروہ قادیان کو چھوڑ کر پاکستان آ گیا تو ضلع جھنگ میں ربوہ جو دو پہاڑوں کے درمیان ایک محفوظ مقام ہے مرزائیوں کو الاٹ کردیا گیا۔ مرزائیوں نے ربوہ کو ایک خودمختار قادیانی ریاست کی حیثیت دے دی، جہاں ان کے خلیفہ کا حکم چلتا۔ عالم اسلام بالخصوص پاکستان کے خلاف سازشیں اس میں تیار ہوتیں۔ پاکستان کی فوج اور دیگر کئی اہم عہدوں پر قادیانی فائز کردیے گئے۔ یہاں تک کہ قادیانی سر ظفراللہ خاں کو پاکستان کا وزیر خارجہ بنادیا گیا۔ ان باتوں سے مسلمانوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا۔ ۱۹۵۳ء میں ان کے خلاف ملک گیر تحریک چلی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے اور سرکاری عہدوں سے ان کو فارغ کرنے کا مطالبہ کیا گیا اس تحریک میں ہزاروں مسلمان شہید یا زخمی ہوئے، کئی اکابر علماء کو قید میں ڈال دیا گیا اور بعض کیلئے پھانسی کا حکم صادر ہوا جو بعد میں واپس لے لیا گیا۔

۱۹۷۳ء میں آزاد کشمیر کی قانون ساز اسمبلی نے ان احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا اور پھر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی قائد اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانی جو اس وقت اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر تھے کی زیر قیادت علماء کی کاوشوں کے نتیجہ میں تمام قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

مرزائیوں کے عقائد

مرزائیوں کے بعض اہم عقائد درج ذیل ہیں۔

1. ختم نبوت کا انکار: سب سے پہلی چیز جو مرزائیوں کو مسلمانوں سے جدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس معنی میں حضرت محمد ﷺ کو "خاتم النبیین" نہیں مانتے جس معنی میں تمام مسلمان آنحضرت ﷺ کو "خاتم النبیین" مانتے ہیں۔ حضرت مصطفیٰ کریم ﷺ کے عہد سے آج تک کے تمام مسلمان علماء وعوام بالاتفاق یہ مانتے چلے آرہے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپکے بعد کوئی نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے لیکن ان کی بعثت حضرت محمد ﷺ سے پہلے ہو چکی ہے۔ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ حضور ﷺ کی شان میں قرآن کے الفاظ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کا تمام صحابہ نے یہی مطلب سمجھا اور اس میں انہوں نے صاحب شریعت نبی یا امتی نبی، اصلی یا ظلی، حضور کی طرف سے مہر لگا ہوا یا نہ لگا ہوا کا قطعاً کوئی فرق نہیں کیا اور انہوں نے ہر اس شخص کے خلاف جنگ کی جس نے حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کیا تھا۔ لیکن یہ متواتر معنی چونکہ مرزا کے دعویٰ نبوت کے منافی اور اس کی تکذیب کرتا ہے لہٰذا مرزائی آیت "وخاتم النبیین" کی ایسی تفسیر وتاویل کرتے ہیں جو مسلمانوں کی متفق علیہ تفسیر سے ہٹ کر ہے۔

مرزا اور اس کے ماننے والوں نے مختلف موقعوں پر حضور کے خاتم النبیین ہونے کی جو مختلف تاویلیں کی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ آنحضرت ﷺ ان معنوں میں خاتم الانبیاء ہیں کہ آپکے بعد کوئی نئی شریعت لانے

والا رسول نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو اپنی امت سے باہر ہو۔ ۱

۲۔ "خاتم النبیین" کا معنی ہے "نبیوں کی مہر"۔ لہٰذا حضرت رسول کریم ﷺ نبیوں کی مہر ہیں۔ اب نبی وہ ہوگا جسکی آپ تصدیق کریں گے۔ انہی معنوں میں ہم رسول کریم کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں۔ ۲

۳۔ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹتی یعنی جب میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ ۳

2۔ مرزائی مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں:

مرزائی مرزا غلام احمد قادیانی کو مستقل، صاحب شریعت نبی مانتے ہیں اور ہر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو مرزا کی نبوت کو نہیں مانتا۔ مرزا خود بھی اپنے آپ کو نبی و رسول کہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" میں کہا "میں ظلی طور پر محمد ہوں" اور ایک دوسری کتاب میں اس نے لکھا "سچا خدا وہ ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"۔ ۴ لیکن یہ لوگ عوام الناس کو مطمئن کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ ہم مرزا کو امتی نبی مانتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہم مرزا کو ظلی نبی اور بروزی مانتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو غیر تشریعی نبی مانتے ہیں اور یہ حضور ﷺ کی وصف ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

۱ چشمہ معرفت/ضمیمہ ۹ ۲ الفضل، قادیان/مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء
۳ مرزا قادیانی/ایک غلطی کا ازالہ ۴ دافع البلاء/ص ۲۶

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ لوگ مرزا کو امتی نبی ظلی یا بروزی اور غیر تشریعی نبی مانتے ہیں اور مرزا کا دعویٰ بھی اسی طرح کا نبی ہونے کا تھا تو بھی یہ بات غلط ہے اس لیے کہ قصر نبوت والی صحیح حدیث حضور ﷺ کے بعد کسی ظلی اور غیر مستقل نبی کے آنے کو بھی باطل قرار دیتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَيَتَعَجَّبُوْنَ لَهٗ وَيَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ۱ (ترجمہ) بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی مرد نے ایک حسین اور خوبصورت محل بنایا مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ پس لوگ (اس کو دیکھنے کیلئے) اس کے اردگرد چکر لگاتے تھے اور اس کی خوبصورتی اور حسن پر حیران ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ لگا دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو وہ اینٹ (جس کی جگہ نبوت کے محل میں خالی تھی) میں ہی ہوں اور میں نبیوں کا آخری ہوں"۔

قصر نبوت والی اس حدیث میں ایسی تصریح ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قصر نبوت میں صرف ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی جو حضور ﷺ کے آنے سے پر ہوگئی۔ اب اس میں مرزا قادیانی کی ظلی نبوت کا روڑا لگنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مرزا کے دعویٰ نبوت کے بطلان کی دوسری دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ لَوْ

۱ صحیح بخاری/ج ۱/کتاب المناقب/باب خاتم النبیین

كَانَ نَبِیّ" بَعْدِیْ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ [1] اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے مطلقاً اپنے بعد کسی شخص کے منصب نبوت پر فائز کیے جانے کی نفی کی ہے۔ اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی ظلی یا غیر تشریعی نبی آسکتا ہوتا تو آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے ایسی نبوت کا اثبات فرما دیتے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب اور اس کے علاوہ دیگر مدعیان نبوت جن کے خلاف صحابہ کرام نے جنگیں کیں ان میں سے کسی نے بھی مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ لہٰذا حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد کسی سچے نبی کی بعثت تو نہیں ہو سکتی البتہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے لوگوں کی آمد کی خبر خود حضور ﷺ نے دی ہے اور مرزا بھی بلاشبہ ان جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وَاِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیّ" وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ هٰذَا حَدِيْثٌ" صَحِيْح" " [2] (ترجمہ) اور بلاشبہ میری امت میں تیس بہت جھوٹے ہوں گے ان میں سے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں نبیوں کا آخری ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

3. یہ لوگ مرزا قادیانی کو مسیح موعود اور مھدی معھود تسلیم کرتے ھیں :

مرزائی مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود اور مہدی معہود مانتے ہیں اور اس کی

---

[1] جامع ترمذی / ج ۲ / مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب

[2] جامع ترمذی / ج ۲ / ابواب الفتن / باب ماجاء لاتقوم الساعة حتی یخرج کذابون

دلیل مرزا کے الہامات کو بناتے ہیں۔ ۱۸۹۰ء میں مرزا غلام احمد نے انکشاف کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے [1] "جَعَلْنَاكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ" [2] ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا۔ مرزا نے کہا "میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ [3] مرزا نے کہا "جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود و مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ [4]

4. مرزائی حضرت عیسیٰ کے رفع جسمانی اور آپکی حیات کے منکر ھیں:

مرزائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آپکے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے منکر ہیں۔ یہ عقیدہ مرزائیوں کے نزدیک بڑا اہم ہے اس لیے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیح موعود ہونے کی بنیاد مندرجہ ذیل تین باتوں پر ہے (۱) عیسیٰ بن مریم فوت ہو چکے ہیں (۲) فوت ہونے والے مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں آتے (۳) الہام [5] یعنی جب عیسیٰ بن مریم فوت ہو چکے ہیں اور اب دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے تو پھر نزول مسیح والی حدیثوں میں عیسیٰ بن مریم سے مراد کون ہے؟ تو مرزا نے کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ وہ عیسیٰ میں ہی ہوں۔ خود مرزائیوں کی کتاب میں اس عقیدہ کی اہمیت کا ذکر ان الفاظ میں ہے "چونکہ مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے

---

[1] ازالہ اوہام / ص ۴۰۲ [2] ازالہ اوہام / ص ۳۳۲ [3] تحفہ گولڑویہ

[4] کشتی نوح / ص ۲۸ [5] حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سیف چشتیائی

اس لیے جب تک پہلے مسیح کی وفات نہ ثابت کی جائے آپ کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔[1] اس لیے مرزائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ کو بجسمہ زندہ آسمان پر نہیں اٹھایا گیا بلکہ آپ اپنی طبعی عمر پوری کر کے زمین پر ہی فوت ہوئے اور کشمیر میں آپکی قبر ہے۔ مرزا اپنی کتاب ''کشتی نوح'' میں لکھتا ہے ''بہر حال پیلاطوس رومی کی کوشش سے مسیح ابن مریم کی جان بچ گئی اور جان بچنے کیلئے پہلے سے مسیح کی دعا منظور ہو چکی تھی۔ دیکھو عبرانیاں باب ۵ آیت نمبر ۷۔ بعد اس کے مسیح اس زمین سے پوشیدہ طور پر بھاگ کر کشمیر کی طرف آگیا اور وہیں فوت ہوا اور تم سن چکے ہو کہ سری نگر محلہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔[2] اسی کتاب میں ہے'' مگر بعد اس کے مسیح صلیب پر چڑھایا گیا اور شدت درد سے ایک ایسی سخت غشی میں آگیا کہ گویا وہ موت ہی تھی۔[3]

مذکورہ عبارت میں مرزا کا یہ کہنا کہ مسیح کشمیر بھاگ گئے تھے اور وہیں آپکی قبر ہے بلا دلیل ہے اور اس پر مرزا کا الہام یا کسی یہودی کی تصدیق کہ کشمیر میں قبر اکابر بنی اسرائیل میں سے کسی کی ہے صحیح ثبوت نہیں ہے اور مرزا کی یہ بات کہ مسیح صلیب پر چڑھایا گیا اگرچہ جان بچ گئی صراحۃً قرآن پاک کے خلاف ہے۔ قرآن میں ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ[4] (اور انہوں نے قتل نہیں کیا اور نہ سولی دی بلکہ ان کے لیے اس کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا)۔ وفات عیسیٰ پر قرآن سے مرزا کی دلیل یہ آیت ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ

[1] حضرت مسیح کا وصال/ص ۲ [2] کشتی نوح/ص ۷۷ [3] کشتی نوح/ص ۷۷
[4] سورۃ النساء/آیت ۱۵۷

يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ[1] (ترجمہ) یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ بیشک میں تجھے فوت کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اس آیت میں ترتیب ہے پہلے وفات کا ذکر ہے پھر رفع کا ذکر ہے۔ لہٰذا پہلے آپ فوت ہوئے اور اس کے بعد رفع ہوا تو یہ رفع صرف درجات کا ہوا یا صرف روح کا ہوا۔ آپکا جسم آسمان پر نہیں اٹھایا گیا۔ علماء اسلام کی طرف سے اس دلیل کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ حرف عطف واؤ ہے اور واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ صرف جمعیت یعنی ماقبل اور مابعد دونوں چیزوں کے ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہے مثلاً جَاءَ زَيْدٌ ''وَخَالِدٌ'' کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے زید آیا اور پھر خالد آیا بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ زید اور خالد دونوں آئے۔ ان میں سے کون پہلے آیا اور کون پیچھے آیا یہ کلام بالکل اس پر دلالت نہیں کرتی۔ قرآن کے ارشاد وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کا مطلب یہ نہیں کہ نماز کا قیام پہلے ہو اور بعد میں زکوۃ ادا کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں کام کرو نماز پڑھو اور زکوۃ دو عام ازیں کہ پہلے نماز پڑھو یا پہلے زکوۃ دو۔ اسی طرح مُتَوَفِّيْكَ اور رَافِعُكَ میں واؤ صرف یہ بتلا رہی ہے کہ عیسیٰ کی وفات اور آپ کا رفع یہ دونوں کام ہوں گے۔ پھر اگر رَافِعُكَ کا معنی پہلے پایا گیا اور مُتَوَفِّيْكَ کا معنی اس کے بعد یعنی نزول کے بعد آپ کو وفات دی جائے گی تو اس مفہوم میں کوئی قباحت لازم نہ آئیگی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تَوَفِّىْ یعنی فوت کرنے یا فوت ہونے کا معنی صرف مرنا یا مارنا نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تَوَفِّىْ یہ لفظ ''وفا''

[1] سورۃ آل عمران/آیت ۵۵

سے لیا گیا ہے۔ وفا کا معنی ہے پورا ہونا۔ کہتے ہیں فلاں شی کافی وافی ہے یعنی پوری ہے تَوَفِّیْ باب تفعل بمعنی استعمال کے ہے یعنی پورا لینا۔ قاموس میں ہے اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا یعنی شے کو پورا لینا اور صراح میں ہے التوفی بمعنی تمام گرفتن حق یعنی پورا حق لینا۔ اس کا معنی قبض کرنا کے بھی ہیں۔ جلالین میں ہے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ قَابِضُکَ۔ کسی جان کا قبض کرنا دو طرح سے ہے۔ ایک قبض مع الارسال اسے نیند کہتے ہیں دوسرا قبض مع الاساک یہ موت ہے۔ مصباح اللغات میں تَوَفِّیْ کا معنی ہے پورا ہونا، پورا حق لینا، مدت کو پہنچنا، موت دینا۔ موت کے معنی میں اس لفظ کا استعمال مجاز ہے۔ [1]

آیت کا مناسب معنی یہ ہوگا کہ "اے عیسیٰ میں تجھے تیری اس مدت تک پہنچانے والا ہوں جو تیرے لیے مقدر ہے (یہ یہود تمہیں ہرگز قتل نہ کرسکیں گے) اور (پھر موت دیئے بغیر) تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ مُتَوَفِّیْکَ کا معنی "مارنے والا ہوں تجھے" مناسب نہیں ہے کیوں کہ تمام علماء اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول جسمی پر متفق ہیں اور یہ نزول جسمی تب ہی ہوسکتا ہے جب پہلے رفع جسمی ثابت ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع پر نص صریح قرآن کی یہ آیت ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (اور بیشک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا)۔ اس لیے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ میں "ہ" ضمیر کا مرجع جسم مع الروح ہے۔ لہٰذا بل رفعه میں بھی نظر باتحاد ضمیر منصوب کا مرجع روح و جسم کا مجموعہ ہوگا نہ کہ صرف روح۔ [2]

---

[1] تاج العروس میں ہے من المجاز ادرکت الوفات ای الموت

[2] حضرت پیر صاحب گولڑوی /شمس الہدایت

5۔ مرزائی حضرت عیسیٰ کا آسمانوں سے اترنا نہیں مانتے:

احادیث صحیحہ کی بناء پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قیامت کے قریب، خروج دجال کے بعد دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی سفید مینارے پر آسمانوں سے اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے لیکن مرزا اور اس کے پیروکار نزول مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں چنانچہ کشتی نوح ص ۱۰۱ پر مرزا نے لکھا "یاد رکھو کہ اب مسیح تو ہرگز نازل نہیں ہوگا" کیونکہ عیسیٰ فوت ہوگئے ہیں اور جو فوت ہوجاتے ہیں ان کا واپس دنیا میں لوٹنا محال ہے جیسا کہ قرآن میں ہے وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ [1] اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کیا کہ وہ پھر لوٹ کر آئیں۔

احادیث شریفہ میں چونکہ نزول مسیح کی خبر صریح ہے اور ساتھ کچھ نشان بھی بیان کیے گئے ہیں مثلاً ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں اتریں گے اور اس وقت امام مہدی کا ظہور بھی ہوچکا ہوگا تو مرزا نے تاویلیں کیں اور کہا کہ مسیح سے مراد مثیل مسیح ہے اور وہ میں ہوں۔ مرزا چونکہ قادیان میں رہتا تھا اور امام مہدی کا ظہور بھی مرزا کی زندگی میں نہ ہوا تھا لہٰذا وہ اس کی تاویل یہ کرتا تھا کہ دمشق سے مراد شام کا شہر دمشق نہیں بلکہ اس سے مراد ایسا قصبہ ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں اور وہ قصبہ قادیان ہے بوجہ اس کے کہ اکثر یزیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں۔ یہ قصبہ دمشق کے ساتھ ایک مناسبت و مشابہت رکھتا ہے۔ [2] اور ظہور مہدی والے

---

[1] سورۃ الانبیاء / آیت ۹۵ [2] حاشیہ ازالہ اوہام / ص ۶۳، ۶۷

قرینہ کا جواب دیا کہ مہدی بھی میں ہی ہوں۔ کیونکہ روایت ہے کہ لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى کہ مہدی عیسیٰ ہی ہوں گے۔ مرزا کا اس طرح کی تاویلیں کرنا غلط ہے کیونکہ بغیر کسی ایسے قرینہ کے جو لفظ کو معنی حقیقی سے پھیرنے والا ہو تاویل کرنا تحریف ہوتی ہے۔ نیز مرزا نے جو تاویلیں کی ہیں وہ واقعہ کے بھی خلاف ہیں۔ اس لیے کہ قادیان کے لوگوں نے بھی پیشوایان امت کو قتل نہیں کیا تو پھر یہ یزیدی الطبع کیسے ہو گئے اور روایت لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى کو امام زرقانی وغیرہ نے مردود قرار دیا ہے اور آیت وَحَرَامٌ" عَلٰى قَرْيَةٍ الخ کا مطلب صرف یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا ہے ان کا دوبارہ دنیا میں آنا قاعدہ کلیہ کے طور پر ان کی طبیعت کا مقتضی نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ان کو لوٹانا چاہے تو لوٹا نہیں سکتا اس لیے کہ مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا ایک سے زائد قرآنی آیات سے ثابت ہے مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت ۲۵۹ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ، آیت ۲۶۰ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى اور سورۃ بقرہ کی ہی آیت ۲۴۳ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ" ۔ ان آیتوں میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی خبر ہے۔ بلکہ آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا الخ کے تحت تفسیر جلالین میں ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل سے تھے ان کے شہروں میں جب طاعون کی وبا پھیلی تو یہ بھاگ نکلے تعداد میں چار، آٹھ، دس، تیس، چالیس یا ستر ہزار تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو مار دیا۔ آٹھ دن یا اس سے زیادہ مردہ پڑے رہے پھر ان کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے اللہ نے ان کو زندہ کیا اور اس کے بعد یا ایک لمبا زمانہ دنیا میں زندہ رہے ان پر موت کا اثر دکھائی دیتا تھا۔

6. مرزائی حضور ﷺ کی معراج جسمانی کے منکر ھیں :

مرزائی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی معراج جسم عنصری کیساتھ نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ نہایت لطیف قسم کا کشف ہوا تھا جو نبی کریم ﷺ کو دکھایا گیا۔ [1] آپکا مادی جسم ہرگز آسمان پر نہیں لے جایا گیا یعنی مرزائی حضور ﷺ کی معراج کو صرف روحانی کہتے ہیں۔

7. مرزا قادیانی نے جہاد بالسیف کو حرام قرار دیا:

اس پر مرزا کے مندرجہ ذیل اشعار گواہ ہیں

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دین کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے — دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

[1] ازالہ اوہام

وہابی، اہل حدیث

یہ ایک غالی فرقہ ہے خلافت عثمانیہ کی قوت وہیبت جب کمزور ہوگئی تو بارہویں صدی ہجری کی ابتداء میں عرب کے علاقہ نجد (ریاض) کے ایک شخص شیخ محمد بن عبدالوہاب نے ملت اسلامیہ میں افتراق وانتشار کا ایک نیا دروازہ کھولا۔ مسلمانوں کے بعض ایسے معمولات جو صدیوں سے ان میں رائج تھے اور کتاب وسنت کے خلاف نہ تھے ابن وہاب نے انکو کفروشرک قرار دے دیا۔ ان کے باپ وہاب اور دادا سلیمان حنبلی المسلک اور اپنے وقت کے مشہور عالم تھے۔ شیخ کے چچا ابراہیم اور بھائی سلیمان بن عبدالوہاب بھی ممتاز عالم اور اسلاف کے معمولات پر تھے۔ لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اہل سنت کے چار مشہور مذہبوں سے جدا ایک مذہب (وہابیت) کی بنیاد رکھی۔ کچھ مسئلے خارجیوں کے، کچھ معتزلہ کے، کچھ ملاحدہ ظاہریہ کے اور کچھ اپنے دل سے جوڑ کر ایک رسالہ بنایا اور اس کا نام رکھا ''کتاب التوحید''۔

ادھر ہندوستان میں مولوی شاہ اسماعیل دہلوی کے سر میں ملک گیری کا سودا تھا۔ اسماعیل دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بے شمار مسلمان اس خاندان کے ارادت مند تھے اور اس خاندان سے منسوب ہر شخص کی عزت وتوقیر کرتے

تھے۔ اس ارادت وتوقیر سے فائدہ اٹھانے کیلئے اسماعیل دہلوی نے ایک کتاب ''تقویۃ الایمان'' لکھی۔ یہ کتاب دراصل ''کتاب التوحید'' کی مباحث کا ہی ماحاصل و پرتو تھی۔ اس کتاب کی اشاعت سے شاہ اسماعیل کو ہندوستان کی فرماں روائی تو نہ مل سکی لیکن اس کے پروپیگنڈے سے بہت زیادہ لوگ گمراہ اور انبیاء واولیاء کے گستاخ ہوگئے۔ ہندوستان میں شاہ صاحب سے پہلے بھی اگرچہ غیر مقلد تھے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی۔ تقویۃ الایمان کی اشاعت کے بعد وہابیت نے زور پکڑا اور جگہ جگہ مسلمانوں کے آپس میں جھگڑے شروع ہوگئے۔

برصغیر پاک وہند میں وہابی اسے کہا جاتا ہے جو ''تقویۃ الایمان'' کو حق سمجھے اور مولوی اسماعیل کے مذہب کو اچھا کہے۔ [1]

وہابیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مقلد جیسے غلام خانی دیوبندی جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور عرب کے وہابی کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے مسلک کی بموافق تشریح ابن تیمیہ تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں۔ (۲) غیر مقلد جیسے پاکستان کے اہل حدیث۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث، موحد، محمدی اور سلفی کہتے ہیں مگر جمہور مسلمان ان کو نجدی اور وہابی کہتے ہیں۔

وہابیت کے اصول:

مذہب وہابیت کی ترویج واشاعت کے دو بنیادی اصول ہیں۔ ایک یہ کہ اسلاف اور بزرگوں کی اتباع نہیں کرنی چاہیے اور دوسرا اصول یہ کہ علماء ومجتہدین کی پرواہ نہیں کرنی

۱ مولانا فضل رسول بدایونی / سیف الجبار / ص ۲۵

چاہیے۔ ہر شخص قرآن وحدیث سمجھ سکتا ہے اس کے لیے بڑے علم کی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں اصول امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان کی تمہید میں ذکر کیے ہیں۔ ۱

---

۱ چنانچہ اسماعیل دہلوی اپنی کتاب تقویۃ الایمان مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور کے صفحہ نمبر ۲۲ پر لکھتا ہے ''اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں۔ کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں۔ کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں سند پکڑتے ہیں اور کتنے اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں'' اس عبارت میں وہابیت کا پہلا اصول مذکور ہے اور دوسرا اصول تقویت الایمان ص ۲۲، ۲۳ کی مندرجہ ذیل عبارت میں ہے ''اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ ورسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کو بڑا علم چاہیے ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں جن پر چلے جاتے ہیں۔ سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف اور صریح ہیں ان کا سمجھنا مشکل نہیں'' یہ وہابیت کا دوسرا اصول ہے اور اس عبارت کا آخری جملہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ قرآن کا سمجھنا مشکل نہیں۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ وہابیت کے ان دو اصولوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ دونوں اصول جس طرح وہابیت کو رواج دینے کیلئے ضروری ہیں ایسے ہی ہر بدمذہبی کیلئے لازم ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک آدمی

وہابیہ کے عقائد و اعمال

1۔ وہابیہ صرف اپنے ہم عقیدہ افراد کو موحد مسلمان خیال کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کو مشرک اور انہیں قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ کی معتبر کتاب ردالمحتار ج ۳ کے

اپنے بزرگوں کے طریقے اور متقدمین کی روش کو نہ چھوڑے، ان کا اتباع لازم سمجھے اس وقت تک کوئی خود غرض، گمراہ کنندہ اس کو اپنا طریقہ ومذہب قبول کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب وہ اس کو اپنی کوئی بات بتائے گا وہ فوراً انکار کرے گا اور کہے گا ''جناب میں اس کو ماننے سے مجبور ہوں۔ یہ میرے بزرگوں کے خلاف ہے۔ اب اگر وہ مضل دوسرے طریقے سے بہکائے اور یہ کہے کہ تم جو یہ عمل کرتے ہو۔ نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے دین اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو اس کا جواب وہ یہ دے گا کہ قرآن وحدیث پر تو میرا ایمان ہے لیکن یہ بات میں اپنے علماء سے دریافت کرلوں اگر وہ بتادیں گے کہ قرآن وحدیث میں ایسا ہے تو میں سر جھکا کر تسلیم کرلوں گا اور اگر انہوں نے فرمایا کہ قرآن وحدیث میں ایسا نہیں ہے تو ان کے مقابل میں آپکی بات باور کرنے اور مان لینے کیلئے تیار نہیں (اطیب الایمان)

وہابیہ کے مذکورہ دو اصولوں کو جب ہم قرآن کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو یہ واضح طور پر قرآن کے خلاف نظر آتے ہیں۔ قرآن کریم کی پہلی سورۃ ''الحمد'' میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کا طریقہ تعلیم فرماتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (ترجمہ) ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ مولوی اسماعیل دہلوی جن کو بزرگوں کی رسمیں کہہ کر چھڑانا چاہتا ہے قرآن انہیں انعام یافتہ بندوں کا سیدھا راستہ کہہ کر اس پر چلانا چاہتا ہے۔ تو اس آیت میں پہلے اصول کا رد ہے اور

باب البغاۃ میں خاتمۃ المحققین امام ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔ كَمَا وَقَعَ فِي زَمَانِنَا فِي اَتْبَاعِ عَبْدِ الْوَهَّابِ الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوْا عَلَى الْحَرَمَيْنِ وَكَانُوْا يَنْتَحِلُوْنَ مَذْهَبَ الْحَنَابِلَةِ لٰكِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَنَّ مَنْ

اور دوسرے اصول کا رد درج ذیل آیتوں اور حدیثوں میں ہے۔

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ سورۃ العنکبوت میں فرمایا وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ (ترجمہ) اور یہ مثالیں ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور انہیں علماء کے سوا کوئی نہیں سمجھتا ہے۔ مشکوۃ المصابیح ص ۳۵ میں بحوالہ ترمذی حدیث منقول ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن میں اپنی رائے سے بات کہی تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنائے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس نے بغیر علم قرآن میں بات کہی تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنائے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حدیث مروی ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں کھینچے گا کہ اسے بندوں (کے سینوں) سے کھینچ لے بلکہ وہ علماء کو فوت کر کے علم کو اٹھالے گا حتی کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے پس ان سے سوال

خَالَفَ اعْتِقَادَهُمْ مُشْرِكُوْنَ وَاسْتَبَاحُوْا بِذٰلِكَ قَتْلَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَقَتْلَ عُلَمَائِهِمْ حَتّٰى كَسَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى شَوْكَتَهُمْ وَخَرَّبَ بِلَادَهُمْ وَظَفَرَ بِهِمْ عَسَاكِرُ الْمُسْلِمِيْنَ عَامَ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِيْنَ وَمِائَتَيْنِ وَاَلْفٍ۔ (ترجمہ) جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے پیروکاروں کے بارے میں واقع ہوا ہے جو نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے اور اپنے آپکو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مسلمان صرف وہی ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے اہل سنت اور انکے علماء کا قتل مباح سمجھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہر ویران کیے اور ۱۲۳۳ھ میں ان پر اسلامی لشکروں کو فتح دی۔

ان کے انہی نظریات کی وجہ سے ہی امام شامی نے ان کو خوارج سے شمار کیا ہے اور شیخ محمد ابوزہرہ مصری کا خیال بھی یہی ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ "ان کے یہ نظریات وافکار خوارج سے ہم آہنگ ہیں جو اپنے مخالفین کی تکفیر کرتے اور ان سے نبرد آزما ہوتے تھے۔ [1]

2۔ اس فرقہ کے لوگ اپنی آراء وافکار کو مبنی برصحت وصواب اور دوراز خطا تصور کرتے

کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان آیات واحادیث سے قرآن سمجھنے سمجھانے کیلئے علم اور علماء کی ضرورت واہمیت واضح ہے۔

1 اسلامی مذاہب/ص ۲۹۱/تصنیف ابوزہرہ/ترجمہ غلام احمد حریری

ہیں اور دوسروں کے افکار و تعبیرات ان کی نگاہ میں مجموعہ اغلاط ہوتے ہیں۔[1]

3۔ وہابیہ موحد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر توحید کی جو تشریح کرتے ہیں وہ عجیب ہی ہے۔ کہ اس کی آڑ میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی تنقیص شان کرتے ہیں۔

چنانچہ امام الوہابیہ اپنی کتاب تقویۃ الایمان کے صفحہ ۳۵ پر لکھتا ہے "اور یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"۔ "ہر مخلوق بڑا" سے اس کی مراد انبیاء و اولیاء ہیں جیسا کہ تقویۃ کے ص ۴۹ اور ص ۹۲ پر اس نے خود وضاحت کی ہے۔ تو انبیاء کو چمار کہنا اس شخص کی بہت بڑی گستاخی ہے۔ چمار (چوہڑے) کو کوئی شخص اپنا محبوب بنانا پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء کو اپنا محبوب بنایا ہے اور ان کو اپنی بارگاہ میں بڑی عزت و وجاہت دی ہے۔ اسی وجاہت کو ظاہر کرنے کیلئے ان کو صفی اللہ، خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ اور حبیب اللہ کے القاب عطا فرمائے۔ شاہ اسماعیل جنکے بارے میں یہ کہہ رہا ہے کہ "وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہیں، خود اللہ تعالیٰ قرآن میں وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کے الفاظ ارشاد فرما کر اپنی بارگاہ میں ان کی عظمت و وجاہت کو ظاہر فرما رہا ہے۔

عقیدہ توحید کی بنیادی حیثیت سب مسلمانوں کے نزدیک مسلمہ ہے لیکن ایسا انداز بیان یقیناً قابل مذمت ہوگا جس میں شان الوہیت کی عظمت کے اظہار کے لیے شان رسالت کو نظر انداز کر دیا جائے اور تنقیص شان کا ارتکاب کیا جائے۔ بتوں کے حق میں وارد

---

[1] اسلامی مذاہب / ص ۲۹۱

ہونے والی آیات کو انبیاء و اولیاء کی ذوات مقدسہ پر چسپاں کیا جائے۔[1]

4۔ وہابیہ کے نزدیک شرک بہت عام چیز ہے۔ جمہور مسلمانوں پر بات بات میں شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ لیکن شرک کا صاف صاف معنی نہیں کرتے تا کہ لوگوں کو علم ہو سکے کہ یہ شرک ہے اور یہ شرک نہیں ہے۔ بس جس کام میں انبیاء و اولیاء کی تعظیم و احترام دیکھا بلا دلیل اس پر شرک ہونے کا جرنیلی حکم لگا دیا اور ان کی یہ حرکت مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا ہونے کا ایک بڑا سبب ہے۔ بہت سے ایسے کام ہیں جن کو علماء اہل سنت جائز اور مستحسن سمجھتے ہیں۔ مثلاً محبت کی بناء پر یا رسول اللہ کہنا، صیغہ خطاب کے ساتھ آپ ﷺ کی

---

[1] یہ طریقہ خارجیوں کا تھا۔ صحیح بخاری ص ۱۰۲۴ میں ہے۔ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ وَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو اللہ کی مخلوق میں بدترین خیال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جو آیتیں کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یہاں کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی "اعلاء کلمۃ اللہ" ص ۱۷۱ پر فرماتے ہیں "الحاصل مابین اصنام و ارواح کمل فرقیست بین و امتیاز یست باہر۔ پس آیات وارده فی حق الاصنام را بر انبیاء و اولیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین حمل نمودن کمافی تقویۃ الایمان تحریفے است قبیح و تخریب است شنیع (ترجمہ) الحاصل یہ ہے کہ بتوں اور کاملین کی ارواح میں فرق ظاہر و باہر ہے۔ لہذا بتوں کے حق میں وارد آیتوں کو انبیاء و اولیاء صلوت اللہ وسلامہ علیہم پر چسپاں کرنا جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے قبیح تحریف اور بدترین تخریب کاری ہے۔

خدمت میں درود وسلام عرض کرنا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف بغوث اعظم کو ثواب پہنچانے کیلئے ختم گیارہویں دلوانا، آپ ﷺ سے اظہار تعلق اور محبت کی بناء پر محفل میلاد منعقد کرنا اور آذان میں آپ ﷺ کا نام سن کر محبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا۔ یہ سب کام اہل سنت کے نزدیک اچھے کام ہیں مگر وہابی ان سب کو شرک وبدعت اور ان کے کرنے والے جمہور مسلمانوں کو مشرک وبدعتی بناڈالتے ہیں۔

5۔ انبیاء واولیاء سے ان کی وفات کے بعد توسل اور ان سے مدد چاہنے کو شرک کہتے ہیں۔[1] البتہ وفات سے پہلے ان کی دنیوی زندگی میں جائز خیال کرتے ہیں۔

6۔ وہابیہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس خدا سے دعا کرنا اور مانگنا بھی خلاف توحید سمجھتے ہیں[2]

7۔ وہابیہ صالحین کے مزارات پر گنبد اور عمارات بنانے کے سخت خلاف ہیں۔ یہ لوگ صالحین کے مزارات کو بت اور حضرت رسول کریم ﷺ کے روضہ شریف کو صنم اکبر (بڑا بت) کہتے ہیں۔[3] بلکہ ان مزارات میں مدفون اصحاب قدسیہ کو بھی بت کہتے ہیں[4] اور

[1] اسلامی مذاہب/تصنیف ابوزہرہ مصری/ترجمہ غلام احمد حریری
[2] اسلامی مذاہب/تصنیف ابوزہرہ مصری/ترجمہ غلام احمد حریری
[3] سیف الجبار/ص ۳۶
[4] کسی بھی شخص کو بت کہنے کا مطلب اس کی قوت سماعت، بصارت، شعور، حیات وغیرہ تمام صفات وکمالات کی نفی کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہیں۔ ایک عام آدمی کو بھی جب بت کہا جائے تو وہ اس میں اپنی توہین سمجھتا ہے۔ اللہ کے محبوب بندوں کو بت کہنا ایک بڑی جسارت اور بدبختی کی بات ہے۔ ان لوگوں کا یہ انداز گفتگو قرآن کے صریح خلاف ہے۔ حضور ﷺ کی ظاہری حیات پاک میں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا

بتوں والی آیتیں ان پر چسپاں کرتے ہیں۔ جب عرب میں یہ لوگ برسر اقتدار آئے تو صحابہ کے مقبرے گرا کر ان کو زمین کے برابر کردیا، روضہ رسول کو بھی ان لوگوں نے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

8۔ وہابیہ کے نزدیک روضہ رسول کے سامنے ہو کر اس کی زیارت کرنا توحید کیخلاف ہے۔[1] اسی لیے یہ لوگ روضہ رسول کی نیت سے سفر کرنے کو ناجائز کہتے ہیں اور اس پر حدیث لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ کو بطور دلیل لاتے ہیں۔[2]

کہتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کی مذمت تو فرمائی اور انہیں عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے سے بھی منع فرمایا لیکن خود عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے تنقص کا پہلو نکلتا ہو بلکہ ان کے کمالات ومعجزات کا ذکر فرمایا کہ وہ باذن اللہ مردوں کو زندہ کرتے تھے، مادر زاد اندھوں کو شفا دیتے تھے اور گھروں میں پڑی چیزوں کی خبر دیتے تھے وغیرہ اور آنحضرت ﷺ نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان فرمائی اور کوئی ایسی بات نہیں کی جس میں کسی بھی نبی کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔

[1] اسلامی مذاہب/ص ۲۶۰
[2] حالانکہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان تین مسجدوں کے سوا کسی دوسری جگہ کی طرف سفر کرنا مطلقاً منع ہے اگر ایسا ہوتا تو جہاد، تعلیم، تبلیغ اور تجارت وغیرہ دینی ودنیوی امور کیلئے سفر ناجائز ہوتا۔ حالانکہ ان مقاصد کیلئے سفر کا جواز واستحباب قرآن وسنت سے ثابت ہے اور بالخصوص حضرت رسول کریم ﷺ کی قبر انور کی طرف سفر کرنا اور اس سے برکت حاصل کرنا صحابہ وائمہ کے عمل سے ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد

9۔ وہابیہ قیامت کے دن گنہگاران امت کے حق میں محبوبان خدا کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں اور جس تاویل سے کچھ مانتے ہیں وہ نہ ماننے کے درجہ میں ہے۔ ل

کردہ غلام نافع جوان کی بیان کردہ روایات کے عالم بھی تھے ذکر کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روضہ نبوی پر سلام بھیجا کرتے تھے میں نے سو مرتبہ بلکہ اس سے زیادہ دفعہ آپ کو قبر نبوی کی جانب آتے دیکھا۔ منبر نبوی جہاں آپ ﷺ جلوہ افروز ہوا کرتے تھے حضرت عبداللہ ابن عمر آپ ﷺ کی نشست گاہ پر ہاتھ رکھ دیتے اور پھر اسے اپنے چہرے پر مل لیا کرتے تھے۔ آئمہ اربعہ کا معمول تھا کہ جب مدینہ آتے تو روضہ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ (اسلامی مذاہب، تصنیف ابوزہرہ مصری، ص ۲۸۳)

ل چنانچہ صاحب تقویۃ الایمان نے شفاعت کی تین قسمیں بنائی ہیں (۱) شفاعت بالوجاہت (۲) شفاعت بالمحبت (۳) شفاعت بالاذن۔ شفاعت بالوجاہت کی صورت اس نے یہ لکھی ہے کہ جرم ثابت ہو جانے پر بادشاہ مجرم کو سزا دینا چاہتا ہے لیکن کسی دوسرے امیر کی دھمکی اور دباؤ کی وجہ سے اس کی سفارش مان لے اور چور سے درگزر کر جائے۔ شفاعت بالمحبت کی صورت یہ بتائی کہ بادشاہ اپنی بیگمات یا معشوق کے روٹھ جانے کے خطرے کے پیش نظر اسکی سفارش مان لے اور مجرم کو چھوڑ دے اور شفاعت بالاذن کی صورت یہ لکھی کہ مجرم عادی مجرم نہیں اور وہ اپنے آپ کو لائق سزا کے جانتا ہے اور کسی دوسرے کی پناہ ڈھونڈنے کی بجائے دن رات بادشاہ کا ہی منہ دیکھ رہا ہے تو بادشاہ کو اس پر رحم آتا ہے لیکن آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا تا کہ کہیں آئین کی قدر گھٹ نہ جائے سو کوئی امیر وزیر اس کی مرضی پا کر اس تقصیر وار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ

10۔ وہابیہ اشغال باطنیہ واعمال صوفیہ مثلاً مراقبہ، ذکر وفکر، بیعت لینا، گوشہ نشینی وغیرہ

اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے۔ سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لیے نہیں کی کہ اس کا قرابتی ہے یا آشنا بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر کیونکہ وہ بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا تھانگی (پناہ دینے والا) جو چور کا حمایتی بن کر اسکی سفارش کرتا ہے تو آپ ہی چور ہو جاتا ہے اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں۔ صاحب تقویۃ الایمان اسماعیل دہلوی نے پہلی دو قسم کی شفاعت کا انکار کیا ہے اور اس قسم کی شفاعت کا اعتقاد رکھنے والے کو مشرک قرار دیا ہے اور تیسری قسم کو تسلیم کیا ہے اور اس تیسری قسم کو اس نے صرف نام کی سفارش لکھا اور حقیقتاً اس کے سفارش ہونے کا گویا انکار کیا ہے اور پہلی دو قسموں کی جو صورتیں اس نے لکھی ہیں انسے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تقویۃ الایمان کے نزدیک شفاعت سے مراد ہے دھمکی اور دباؤ سے کوئی بات منوانا یا کسی خطرے کے پیش نظر بات مان لینا۔

شفاعت کی یہ تقسیم اور اس کی مذکورہ صورتیں صاحب تقویۃ الایمان کی خود ساختہ ہیں ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ شفاعت کا معنی یہ ہے کہ کسی بڑے کے حضور اس سے قرب واختصاص رکھنے والا کوئی شخص اپنے چھوٹے یا تعلق دار کے حق میں بات کرے۔ مفردات راغب میں ہے اَلشَّفَاعَةُ اَلْاِنْضِمَامُ اِلٰی آخَرَ نَاصِرًا لَهٗ وَسَائِلًا عَنْهُ وَاَكْثَرَ مَا يُسْتَعْمَلُ فِی اِنْضِمَامِ مَنْ هُوَ اَعْلٰی حُرْمَةً وَمَرْتَبَةً اِلٰی مَنْ هُوَ اَدْنٰی (ترجمہ) شفاعت کا معنی ہے کسی دوسرے کی طرف ملنا اس کی مدد کرنے یا اس کی مدد مانگنے کیلئے اور اکثر اس کا استعمال عزت ومرتبہ کے اعتبار سے اعلیٰ شخص کا اپنے سے ادنیٰ کی طرف

اعمال کو فضول، لغو، بدعت اور گمراہی خیال کرتے ہیں اور اکابر صوفیاء کے اقوال وافعال کو

ملنے میں ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ دباؤ سے مجبور ہو کر کسی بات کا منظور کرنا شفاعت نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں قسموں پر شفاعت کے معنی صادق نہیں آتے۔ ان دونوں صورتوں کو شفاعت کہنا یا شفاعت کے یہ معنی لینا بالکل غلط ہے۔ نہ یہ معنی لغت میں ہیں نہ شرع میں اور نہ عرف میں ہیں۔ یہ محض امام الوہابیہ کا فریب اور دھوکہ ہے وہ شفاعت کا انکار کرنے کیلئے ایسے معنی گھڑتا ہے۔

وجاہت کے معنی لغت میں عزت اور بلند رتبہ کے ہیں اور اذن کے معنی اجازت کے ہیں کوئی معزز شخص جب کسی کی سفارش کرے تو وہ شفاعت بالوجاہت ہوگی اور کوئی محبوب اور پیارا جب سفارش کرے تو اسے شفاعت بالمحبت کہہ سکتے ہیں۔ بلاشبہ حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ کی بارگاہ میں عزت اور رتبے والے ہیں۔ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ یعنی عیسیٰ دنیا اور آخرت میں وجاہت، عزت والے اور مقربین سے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا اور موسیٰ اللہ کے نزدیک وجاہت والے ہیں تو یہ وجاہت والے نبی جب گناہگاروں کی سفارش کریں گے تو وہ شفاعت بالوجاہت ہوگی اور یہ انبیاء چونکہ اللہ کے محبوب بھی ہیں جس کے اظہار کیلئے کسی کو اللہ تعالیٰ نے صفی اللہ فرمایا، کسی کو خلیل اللہ فرمایا، کسی کو کلیم اللہ فرمایا، کسی کو روح اللہ فرمایا اور حضور ﷺ کو حبیب اللہ کا لقب عطا فرمایا تو اس اعتبار سے یہ شفاعت بالمحبت بھی ہوئی چونکہ یہ شفاعت اللہ کی اجازت سے ہوگی لہٰذا یہ شفاعت بالاذن بھی ہوئی تو ان وجاہت والے محبوبانِ خدا کی طرف سے

شرک وغیرہ کہتے ہیں اور طریقت کے ان سلاسل میں داخل ہونا مکروہ شمار کرتے ہیں۔

باذن اللہ جو شفاعت کی جائے گی یہ وہ شفاعت بالوجاہت اور شفاعت بالمحبت ہی ہوگی جس کے مفہوم میں دجل کر کے تقویۃ الایمان والا اسے شرک بتاتا ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں تواتر بالمعنی کے طور پر ایسی شفاعت ثابت ہے اور یہ شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی اور یہ اذنِ شفاعت ہر اس شخص کیلئے برحق ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا عام ازیں کہ وہ عادی مجرم اور چور ہو یا غیر عادی، اس کے نامہ اعمال میں ایمان کے علاوہ کوئی عمل خیر ہو یا نہ ہو۔ سنن ابن ماجہ، مطبوعہ فاروقی ص ۳۲۹ پر صحابی رسول حضرت جابر سے مروی حدیث ہے کہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ شَفَاعَتِىْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِىْ (ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری سفارش میری امت میں سے کبیرہ (بڑے) گناہ والوں کیلئے ثابت ہے۔ قرآن پاک کی سورت والضحیٰ میں ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (ترجمہ) اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ تفسیر مدارک ج ۴ ص ۳۸۶ میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا اذًا لَّا اَرْضٰى قطُّ وَوَاحِدٌ" مِّنْ اُمَّتِىْ فِى النَّارِ (ترجمہ) اب تو میں ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے۔ تقویت والے امام الوہابیہ کا شفاعت بالاذن کی صورت میں یہ لکھنا کہ "سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لیے نہیں کی کہ اس کا قرابتی یا آشنا ہے"۔ یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ اہل ایمان گنہگاروں میں سے جو قرابت والے ہوں گے ان کی سفارش پہلے کی جائے گی۔

11۔ پاکستان کے وہابی تقلید کو شرک وحرام سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خود نہ صرف اعمال بلکہ عقائد میں بھی محمد بن عبدالوہاب اور اسماعیل دہلوی وغیرہ کی تقلید کرتے ہیں۔ [1]

فتح الباری پارہ ۲۷ صفحہ ۱۹۱ پر بحوالہ طبرانی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے جس کی نسبت انہوں نے حضور کی طرف کی کہ "اَوَّلُ مَنْ اَشْفَعُ لَہٗ اَھْلُ بَیْتِیْ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ ثُمَّ سَائِرُ الْعَرَبِ ثُمَّ الْاَعَاجِمُ" یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا، پھر جو ان کے بعد میرے زیادہ قریب ہوا پھر ان کے بعد جو زیادہ قریب ہوا پھر باقی عرب پھر عجمیوں کی۔

مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۸ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ عَلٰی ھٰذَا الْمِنْبَرِ مَا بَالُ رِجَالٍ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ رَحِمَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَا تَنْفَعُ قَوْمَہٗ بَلٰی وَاللّٰہِ اِنَّ رَحِمِیْ مَوْصُوْلَۃٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاِنِّیْ اَیُّھَا النَّاسُ فَرَطٌ" لَّکُمْ عَلَی الْحَوْضِ (ترجمہ) میں نے نبی ﷺ کو اس منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت آپ ﷺ کی قوم کو کوئی نفع نہ دے گی۔ کیوں نہیں۔ اللہ کی قسم! میری قرابت دنیا اور آخرت میں موصولہ (جوڑی گئی) ہے اور اے لوگو بیشک میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔

[1] چنانچہ وہابیوں کے مولوی وحید الزمان حیدر آبادی اپنے وہابی بھائیوں کی عجیب مکاری کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں "ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن قیم، شوکانی، شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل دہلوی کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں

12۔ وہابیہ کثرت صلوٰۃ وسلام بر خیر الانام ﷺ اور دلائل الخیرات اور قصیدہ بردہ کا پڑھنا اور اپنے پاس سے درود بنانے کو سخت قبیح اور مکروہ جانتے ہیں۔

13۔ وہابیہ اپنے آپ کو حضور سید المرسلین ﷺ کا بھائی اور آپ کی مثل خیال کرتے ہیں اور تھوڑی سی فضیلت تبلیغ کی مانتے ہیں۔ چنانچہ امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی اپنی کتاب تقویۃ الایمان کے ص ۹۲ پر لکھتے ہیں "اولیاء، انبیاء، امام زادے، پیر شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی [1] مگر اللہ نے ان کو

کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے برا بھلا کہنے لگے۔ بھائیو ذرا غور کرو اور انصاف کرو جب تم نے ابو حنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑ دی تو ابن تیمیہ، ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں انکی تقلید کی کیا ضرورت ہے۔ (حیات وحید الزمان، ص ۱۰۲)

[1] حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "حضور ﷺ کے تمام کمالات بزعم خود مٹا کر برادری جوڑی اور بھائی بندی کا رشتہ گھڑا تا کہ عوام کے قلوب سے حضور کی عظمت بالکل ہی نکال دے یہ حضور کی توہین ہے کوئی اپنے باپ یا آقا اور بادشاہ کو بڑا بھائی نہیں کہہ سکتا اگر کہے تو گستاخ بے ادب سمجھا جائے مگر یہ بے ادب شان رسالت میں بیباکانہ گستاخی کرتا ہے۔ بڑا بھائی کیا چیز ہے باپ دادا، استاد پیر، آقا بادشاہ سب اس در کے غلام ہیں اور غلامی ان کا فخر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین کے ساتھ حضور کا تعلق اس طرح بیان کیا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ یعنی نبی ﷺ مومنین کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں اور آپ کی بیبیاں مومنین کی مائیں ہیں۔ تفسیر مدارک میں ہے وَفِیْ قِرَاءَۃِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ

بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔ ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم کیا ہم ان کے چھوٹے ہیں"۔

اسی کتاب تقویۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور کے صفحہ ۱۳۸ پر ہے "انبیاء و اولیاء کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے سو ان میں یہی بڑائی ہے کہ اللہ کی راہ بتاتے ہیں بُرے بھلے کاموں سے واقف ہیں سو لوگوں کو سکھاتے ہیں۔ [1] حضور کی مثل ہونے پر دہابیہ قرآن کی

اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اَبٌ" لَّهُمْ یعنی نبی کریم مومنین کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک اور حضور ان کے والد (روحانی باپ) ہیں۔ بعض گستاخ کہا کرتے ہیں کہ قرآن میں ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" "کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں" تو حضور بھی بھائی ہوئے۔ معاذ اللہ اس جاہل سے پوچھو پھر تو باپ کس کو بتائے گا۔ قرآن کریم نے حضور کی ازواج مطہرات کو مومنین کی ماں فرمایا ہے۔ اس رشتے سے مومنین بھائی ہوئے۔ چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے قَالَ مُجَاهِدٌ "كُلُّ نَبِيٍّ اَبُوْ اُمَّتِهٖ وَ لِذٰلِكَ صَارَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةً اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَبُوْهُمْ فِى الدِّيْنِ یعنی مجاہد نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امت کے باپ ہوتے ہیں اسی وجہ سے مومن آپس میں بھائی ہوئے کیونکہ حضور ان کے دینی باپ ہیں۔

(اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان، ص ۳۱۶)

[1] رسالت کی ان کے نزدیک اتنی ہی حقیقت ہے کہ رسول برے بھلے کام سے واقف ہیں اور لوگوں کو سکھاتے ہیں تو رسول ایک مولوی کے برابر رہ گئے۔ سارے کمالات کا انکار تو رسالت کی آڑ میں کیا (تقویہ کے صفحہ ۹۴ پر لکھا یعنی جو خوبیاں کمالات اللہ نے مجھ کو بخشی ہیں وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں) اور رسالت کو اس طرح بے قدر کیا

(اطیب ص ۳۱۴)

آیت قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ" مِّثْلُكُمْ [1] بطور دلیل لاتے ہیں اور اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا بھائی بتانے پر قرآن کی آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" اور آپ ﷺ کی حدیث اَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ [2] سے استدلال کرتے ہیں۔

14۔ انکا خیال ہے کہ رسول مقبول ﷺ کا کوئی حق ہم پر نہیں ہے اور نہ کوئی احسان ہے اور فائدہ آپ کی ذات سے بعد وفات کے ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ آپ ﷺ کے وسیلے سے اللہ تعالٰی سے دعا کرنا ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ ہے معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو دفع کر سکتے ہیں، سانپ مار سکتے ہیں اور حضور ﷺ تو یہ

---

[1] آیت قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ" مِّثْلُكُمْ میں مِثْلُكُمْ سے مراد نفس بشریت میں مماثلت ہے۔ من کل وجہ (یعنی ہر اعتبار سے) مماثلت مراد نہیں ہے کیونکہ اسی آیت کے بعد والے الفاظ یُوْحٰی اِلَیَّ مماثلت کلی کی نفی کر رہے ہیں۔ لہٰذا کسی شخص کا مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضور ﷺ میری ہی طرح ہیں جیسا کہ الو کا شاہین کو اپنی مثل کہنا درست نہیں حالانکہ نفس طیریت کے اعتبار سے دونوں میں مماثلت ہے۔

[2] یہ الفاظ آپ ﷺ نے تواضع کے طور پر فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صحابہ جن کو مخاطب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے انہوں نے کبھی آپ ﷺ کو اپنا بھائی نہ کہا۔

[3] اس کا مختصر جواب اعلٰی حضرت رحمہ اللہ کے اس شعر میں ہے

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی ۔ نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

بھی نہیں کر سکتے۔ ۱

15۔ بدعتوں کو مٹانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ تو بہت اچھا ہے لیکن یہ لوگ بدعت کا جو معنی کرتے ہیں اس کی رو سے اہل سنت کے بہت سارے معمولات بدعت ٹھہرتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بیان کردہ معنی کی رو سے بعد وہابیہ کوئی شخص بدعتی ہونے سے نہیں بچ سکتا۔ ۲

---

۱ الشہاب الثاقب ص ۴۷، مطبوعہ دیوبند، وضح البراہین ص ۱۵ تصنیف محمد بن عبدالوہاب نجدی

۲ اس لیے کہ وہابیہ کے نزدیک بدعت سے مراد ہر وہ نئی چیز ہے جو پہلے تین زمانوں (یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ، صحابہ کے زمانہ اور تابعین کے زمانہ) میں نہ پائی گئی ہو۔ اس تعریف کی رو سے کتب حدیث کی تدوین، دینی مدارس کا قیام، ان کے مخصوص نصاب تعلیم، دینی رسالوں کا اجرا، مہینوں پہلے جلسوں کیلئے دنوں کا تعین اور ان کیلئے خاص اہتمام کرنا، مسجدوں کے محراب اور مینارے، نماز پنجگانہ کے اوقات شرعیہ کے اندر آغاز یا درمیان میں نمازیوں کی آسانی کیلئے کوئی مخصوص وقت مثلاً ظہر کیلئے ایک یا دو بجے وقت معین کرنا، شادی اور غمی کی مروجہ جائز رسوم، یہ سب چیزیں قرون ثلثہ کے بعد کی ہیں۔

وہابیہ کی بیان کردہ تعریف کی بناء پر یہ سب چیزیں بدعت ہیں اور ان کے کرنے والے سب بدعتی ہیں جس میں وہ خود بھی شامل ہیں کیونکہ یہ چیزیں بلا امتیاز سب مسلمانوں کے معمولات سے ہیں۔ اہل سنت ہر نئی چیز کو بدعت سیئہ (بری بدعت) نہیں کہتے بلکہ ان کے نزدیک صرف وہ چیز یا کام بدعت ہے جس کی اصل قرآن و سنت میں موجود نہ ہو اور اس

16۔ یہ لوگ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں اور اس پر فرض کی طرح شدت کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا سنت ہونا صحابہ کرام، تابعین اور آئمہ مجتہدین میں مختلف فیہ ہے۔ ۱

کے کرنے سے سنت کا ترک لازم آتا ہو۔

۱ تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانے پر اجماع امت ہے مگر رکوع کرتے یا رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانے (رفع یدین) میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت سفیان ثوری، امام مالک اور حضرت ابراہیم نخعی تابعی رحمہم اللہ کے نزدیک رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ صحابہ کرام میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف تھا جو صحابی حضور کے بہت زیادہ قریب اور خادم خاص تھے مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت علی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ صحابی رسول حضرت براء ابن عازب اور حضرت عمر فاروق اعظم بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ مصنف ابن شیبہ جلد ۱ ص ۲۶۷، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۰۹، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۳ اور جامع ترمذی ج ۱ ص ۵۸ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اَلَا اُرِیْکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً (ترجمہ) کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ دکھاؤں تو (آپ نے حاضرین کے سامنے نماز پڑھی اور) اپنے ہاتھ نہ اٹھائے سوائے ایک دفعہ کے۔

سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۰۹ اور مصنف ابن شیبہ ج ۱ ص ۲۶۷ میں حضرت براء ابن عازب ؓ سے روایت ہے کہ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ ثُمَّ لَا یَرْفَعُھُمَا حَتّٰی یَفْرُغَ (ترجمہ) بیشک نبی ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر (نماز سے) فارغ ہونے تک ان (دونوں ہاتھوں) کو نہ اٹھاتے تھے۔

17۔ اونچی آواز میں آمین کہتے ہیں۔[1]

امام بخاری کے استاذ امام ابن شیبہ اپنے مجموعہ احادیث "مصنف ابن شیبہ' ج ۱' ص ۲۶۷" میں عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اِنَّ عَلِیًّا کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ (ترجمہ) بیشک حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے پھر نہ اٹھاتے۔ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۲ میں اسود تابعی سے روایت ہے وہ فرماتے تھے رَاَیْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ (ترجمہ) میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ پہلی تکبیر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر دوبارہ نہ اٹھاتے تھے۔

بخاری کی رفع یدین والی حدیثوں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے رفع یدین کیا تھا اور اسکا کوئی بھی منکر نہیں۔ سب مانتے ہیں کہ آپ ﷺ پہلے رفع یدین کرتے تھے لیکن سنت آنحضرت ﷺ کا آخری فعل ہوتا ہے۔ ان مذکورہ حدیثوں کے مطابق حضرت ابن مسعود، حضرت علی جو حضور کے بہت قریب اور آپ ﷺ کے خادم خاص تھے کا رفع یدین نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آخر نمازوں میں آپ ﷺ نے رفع یدین نہیں کیا تھا لہٰذا رفع یدین نہ کرنا سنت ہوا ورنہ حدیثوں میں تعارض لازم آئے گا۔

[1] نماز میں بہتر یہ ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے کیونکہ آمین قرآن کا لفظ نہیں ہے بلکہ یہ حدیث سے ثابت دعائیہ کلمہ ہے اور دعا میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ آواز سے کی جائے۔ قرآن میں ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً یعنی اپنے رب سے عاجزی اور آہستگی

18۔ نماز میں عورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں۔[1]

19۔ نماز میں اس قدر پاؤں پھیلا کر کھڑے ہوتے ہیں کہ کندھوں کے درمیان فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔[2]

سے دعا کرو اور عقلی دلیل بھی آمین آہستہ کہنے پر ہے کیونکہ آمین کے علاوہ نماز میں جتنی دعائیں ہیں یعنی دعائے قنوت اور ادعیہ ماثورہ جو آخری قعدہ میں پڑھی جاتی ہیں سب آہستہ ہی پڑھی جاتی ہیں۔ آمین بھی چونکہ دعا ہے لہٰذا اسے بھی دیگر دعاؤں کی طرح آہستہ کہا جائے اور جن روایتوں میں آمین اونچا کہنے کے بارے میں آتا ہے اولاً تو انکا اسناد ہی صحیح نہیں ہے اور اگر ان کا اسناد صحیح بھی مان لیا جائے تو ان میں نسخ کا احتمال باقی ہے ورنہ حدیثوں میں تعارض لازم آئے گا۔

[1] صحیح حدیثوں سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ نمازی حالتِ قیام میں دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھے لیکن یہ ہاتھ کہاں رکھے سینے پر یا زیر ناف۔ اس کا ثبوت خود رسول اللہ ﷺ کے کسی قول یا عمل سے کسی حدیث میں نہیں ملتا۔ لہٰذا اس صورت میں ہمیں قیاس کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور قیاس (دلیل عقلی) یہ ہے کہ مرد نمازی زیر ناف ہاتھ باندھیں کہ اس میں تواضع زیادہ ہے اور عورتوں کیلئے زیادہ اہم ستر ہے لہٰذا وہ سینے پر ہاتھ رکھیں۔

[2] اور یہ رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشاد کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری' ج ۱' باب اِقْبَالُ الْاِمَامِ عَلَی النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِیَۃِ الصُّفُوْفِ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ" (ترجمہ) اپنی صفوں کو ٹھیک کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ چمٹ کر کھڑے ہو بے شک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے

20۔ برصغیر کے وہابی رمضان شریف کے مہینے میں تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ ۱؎

پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ سنن ابوداؤد میں حدیث ہے کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَوَسَّطُوْا الْاِمَامَ وَسُدُّوْا الْخَلَلَ" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام کو درمیان میں رکھو اور خالی جگہ کو بند کرو۔ بعض وہابیہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹخنے سے ٹخنہ ملاؤ۔ حالانکہ پاؤں پھیلانے سے ٹخنے نہیں ملتے بلکہ ٹخنوں کا فاصلہ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد "ٹخنے سے ٹخنہ ملاؤ" کا مطلب یہ ہے کہ ٹخنے کو ٹخنے کی سیدھ میں رکھو تا کہ صف سیدھی ہو جائے۔

۱؎ اس مسئلہ میں وہابی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے" سے دلیل پکڑتے ہیں حالانکہ ان کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں اور ظاہر ہے کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں پڑھی جاتی بلکہ تہجد ہے جو رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور غیر رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔ تراویح کے بارے میں واضح طور پر وہ حدیث ہے جسے امام ابن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ مصنف ابن شیبہ ج ۲ ص ۲۸۶، فِیْ صَلٰوۃِ رَمَضَانَ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّالْوِتْرَ" (ترجمہ) بیشک رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے کہ آخری تینوں خلفاء کے عہد میں اعلانیہ جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح پڑھی گئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعد والے لوگوں کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے صحابی آپ کی سنت کو زیادہ جانتے ہیں اور آج بھی حرمین شریفین میں بیس رکعت تراویح ہی پڑھی جاتی ہے۔

دیوبندی

بریلی اور دیوبند ہندوستان کے دو مشہور شہر ہیں۔ ان میں اہل سنت کے دو علمی مرکز قائم کیے گئے۔ بریلی میں اہل سنت کے نامور محقق حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم منظر الاسلام کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس سے ہزارہا طلباء نے کسب فیض کیا اور دیوبند کی قدیمی چھتہ مسجد میں مولانا حاجی سید محمد عابد حسین رحمہ اللہ نے بعض حضرات کے تعاون سے ۱۲۸۳ھ میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ حاجی محمد عابد ایک نیک دل سنی تھے۔ جب مدرسہ کے استاذ محمد قاسم نانوتوی کے ساتھ ان کے نظریاتی اختلافات پیدا ہوئے تو حاجی عابد صاحب مدرسہ سے الگ ہو گئے اور نظامت محمد قاسم نانوتوی کے سپرد کر دی ۱۲۹۲ھ میں اس مدرسہ کو وسعت دیکر دارالعلوم دیوبند کا نام دیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل حضرات اور ان سے ارادت رکھنے والے دیوبندی کہلاتے ہیں۔ دیوبندی اپنے آپ کو سنی کہتے ہیں، فقہی مذاہب میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور تقلید کو بالعموم ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن عقائد میں مولوی اسماعیل کے تابع ہیں۔ دیوبندی وہ کہتے ہیں جو اسماعیل نے کہا اور اس میں تعصب رکھتے ہیں۔

دیوبندیوں کے دو گروہ ہیں ایک مماتی جو حضور سید المرسلین ﷺ کے بارے میں وہابیوں جیسا عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے لہٰذا اب آپ سے کسی قسم کا کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ گروہ عقیدہ کے اعتبار سے وہابی ہی ہے۔ اہل حدیثوں کے ساتھ ان کا اختلاف صرف تقلید میں ہے کہ یہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں

اور اہلحدیث تقلید کو بدعت اور شرک سمجھتے ہیں۔

دوسرا گروہ حیاتی ہے۔ یہ اہل سنت کی طرح حضور ﷺ کی حیات بعد الممات کے قائل ہیں اور باقی عقائد بھی اہل سنت کی طرح بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان میں اور علماء اہل سنت میں اختلافات ہیں۔ بنیادی اختلاف تو ان بعض عبارات کی وجہ سے ہے جو بعض اکابر دیوبند نے اپنی کتابوں میں لکھیں اور آج بھی اسی طرح ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ علماء اہل سنت ان کو صریح کفریہ عبارات شمار کرتے ہیں جبکہ دیوبندی ان کی تاویل کرتے ہیں۔ ان عبارات کے علاوہ جمہور دیوبندیوں کی عصبیت ۱؎

۱؎ تمام علماء یہاں تک کہ علماء دیوبند بھی اس بات سے متفق ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی توہین اور آپ ﷺ کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی کفر ہے اور کفر کے مرتکب افراد کے ساتھ عقیدت اور دوستی رکھنے سے قرآن مجید واضح طور پر منع کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶/۱۰) اے ایمان والو اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور جو تم میں سے ان سے دوستی کرے گا وہ ظالم ہوگا۔ اس ارشاد کے پیش نظر چاہیے تو یہ تھا کہ جب بعض اکابر دیوبند نے اپنی کتابوں میں ایسی عبارتیں لکھیں جن میں واضح طور پر حضرت نبی کریم ﷺ کی توہین پائی گئی تو تمام علماء دیوبند ان عبارات کو غلط کہتے اور ان کے قائلین سے قطع تعلق کرتے جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ ان کو اپنے بڑے سمجھ کر ان

تضاد ۱؎

سے چشم پوشی کی، ان عبارات کو صحیح قرار دینے کی سعی لاحاصل کی۔ یہ عصبیت ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ ص ۴۱۸ پر بحوالہ ابوداؤد حضرت واثلہ بن اسقع ؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْعَصَبِیَّۃُ یارسول اللہ عصبیت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَکَ عَلَی الظُّلْمِ یہ کہ تو ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔ مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر ہے آپ ﷺ نے فرمایا لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے۔

بانی مدرسہ دیوبند مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس ص ۲۸ پر لکھا "بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے" اور یہی بات مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کے معنی میں کہی اور اس بنیاد پر دعوئ نبوت کیا۔ اب دیوبندی تحریک ختم نبوت کا سہرا اپنے سر باندھتے ہیں اور مرزائیوں کے خلاف خوب ردعمل کا اظہار کرتے ہیں لیکن اپنے بڑے مولوی صاحب کے خلاف ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے، یہ عصبیت اور واضح تضاد ہے۔

۱؎ تمام دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ کی جلد ا میں صاف صاف وہابیوں کے عقائد کو عمدہ اور تقویۃ الایمان کو عمدہ کتاب اور رد شرک و بدعت میں لاجواب لکھا ہے۔ لیکن حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب شہاب ثاقب میں عوام کو یہ یقین دلانے کیلئے پورا زور لگایا ہے کہ اکابر دیوبند اس وہابی عقیدہ کے بالکل مخالف ہیں چنانچہ

اپنے مخالفین کے خلاف بہتان طرازی اور ان کی اکثریت کا تحریک پاکستان میں قیام

ص ۶۹ پر لکھتے ہیں ''یہ اکابر بالکل از سرتا پا مخالف ومبائن عقیدہ وہابیہ کے ہیں'' یہ واضح تضاد اور فریب ہے۔ دیوبندیوں کے دارالعلوم حقانیہ صوبہ سرحد کے فاضل اور دارالعلوم مظہر الاسلام تورڈھیر کے مدرس اور معین مفتی چاند بادشاہ صاحب کا مرتب ونشر کردہ ایک اشتہار میرے پاس ہے اس پر بہت سے علماء دیوبند کی تصدیقات ہیں ایسی اشتہار میں حیلہ اسقاط، محفل میلاد، میت کے گھر سے صدقہ کرنا، مصافحہ بعد از نماز عیدین، اولیاء کرام کے مزاروں پر گنبد بنانا اور پختہ کرنا، درود تاج پڑھنا، مزاروں پر عرس کرنا، دعا بعد از نماز جنازہ، وقت آذان انگوٹھوں کو چومنا اور آذان کے بعد درود کو جائز ومستحب لکھا ہے اور اسی مدرسہ کے استاد حافظ رشید احمد جنہوں نے ان مسائل کے بدعت اور منکر ہونے کا اشتہار چھپوایا تھا پر سخت تنقید کی گئی ہے اور حافظ صاحب کو سستی شہرت حاصل کرنے، دینی تحقیق سے ناواقف، لوگوں سے پیسے بٹورنے کیلئے غلط بیانی اور دھوکہ سے کام لیتے ہوئے صحیح اور مسلمہ مسائل کو بدعت اور منکر لکھنے والا کہا ہے۔ پنجاب کے دیوبندی بھی ایسے ہی مقاصد کی خاطر ان اعمال خیر کے کرنے پر اہل سنت کو بدعتی ومشرک وغیرہ کہتے ہیں اور سرحد کے علماء دیوبند سے متضاد پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ محفل میلاد کے انعقاد اور سرکاری طور پر اسے منانے کو بدعت کہتے ہیں لیکن خلفاء راشدین کے ایام وصال سرکاری طور پر منانے کیلئے حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں اور اپنے بڑوں کی برسیاں مناتے ہیں۔ سوم چہلم کو ہندوؤں کی رسمیں اور ناجائز لکھتے ہیں اور خود ایسی محفلوں میں شمولیت بھی کرتے ہیں۔ تو یہ سب ان میں پائے جانے والے تضاد کی واضح مثالیں ہیں۔

پاکستان کی مخالفت کرنا [1] اور مسلمانوں کے مقابل ہندوؤں کا ساتھ دینا بھی مخالفت کی

---

۱ اکابر علماء دیوبند میں سے علامہ شبیر احمد عثمانی نے تحریک پاکستان کی مکمل کر حمایت کی۔ اس جرم کی پاداش میں ان کا جو حشر ہوا اس کا ذکر وہ خود اپنی کتاب ''مکالمۃ الصدرین'' ص ۳۱ پر ان الفاظ میں کرتے ہیں ''دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کیے ہیں جن میں ہمیں ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا۔ دارالعلوم کے طلباء نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے اور وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازے میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جاتی تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتیں۔ کیا آپ (علماء دیوبند) میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا؟ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان کمینہ حرکات پر خوش ہوئے تھے''۔

قیام پاکستان کی مخالفت اور ہندو مسلم متحدہ قومیت کے نظریہ کی حمایت میں دیوبندیوں کے شیخ الہند حسین احمد مدنی پیش پیش تھے۔ جب حسین احمد مدنی نے کہا کہ ''قومیں اوطان سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، یہ نظریہ اسلام کے سراسر خلاف تھا۔ تو متحدہ قومیت کے غلط نظریے اور وطنیت کے باطل عقیدے کے خلاف حکیم الامت علامہ اقبال نے فرمایا

عجم ہنوز نداند رموز دین ورنہ ۔۔۔ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است ۔۔۔ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

○ عجمی لوگ ابھی دین کے اسرار ورموز نہیں جانتے ورنہ حسین احمد دیوبندی سے یہ کیا

وجوہات سے ہیں۔

دیو بندی علماء کی توھین آمیز عبارات

اہل سنت اور دیو بندی حضرات کے درمیان اصل اختلاف اکابرین دیو بند کی بعض ایسی عبارات کی وجہ سے ہے جن میں واضح طور پر شان الوہیت یا شان رسالت میں توہین پائی جاتی ہے۔ حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الحق المبین'' میں ان عبارتوں کو جمع کیا ہے۔ بطور نمونہ چند عبارتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ دیو بندیوں کے مطاع کل مولوی رشید احمد گنگوہی کے شاگرد خاص مولوی حسین علی ساکن واں بھچراں میانوالی اپنی تفسیر ''بلغۃ الحیران'' مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور ص ۱۵۷، ۱۵۸ پر لکھتے ہیں ''اور انسان خود مختار ہے اچھے کام کریں یا نہ کریں اور اللہ کو پہلے سے کوئی علم بھی نہیں ہوتا کہ کیا کریںگے بلکہ اللہ کو ان کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا اور آیات قرآنی جیسا کہ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ وغیرہ بھی اور احادیث کے الفاظ بھی اس مذہب پر منطبق

جہالت؟ (جو صادر ہوئی)

○ بر سر منبر گنگناتا ہے کہ ملت (دین اور قوم) وطن سے بنتی ہے یہ شخص محمد عربی ﷺ کے مقام سے کتنا بے خبر ہے۔

○ اپنے آپ کو مصطفیٰ کریم ﷺ کی بارگاہ میں لے چل کیونکہ تمام دین تو آپ ہی ہیں۔ اگر آپ ﷺ تک نہ پہنچا تو تیرا یہ سب عمل و کردار ابولہب والا ہے یعنی حضور ﷺ سے واضح دشمنی ہے۔

ہیں''۔ ۱

2۔ علماء دیو بند کے نزدیک خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ ضمیمہ براہین قاطعہ مطبوعہ ساڈھوڑہ کے ص ۲۷۲ پر ہے ''الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے'' ۲

3۔ دیو بندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کو

---

۱ اہل سنت کے نزدیک علم الٰہی کا منکر اسلام سے خارج ہے۔ شرح فقہ اکبر ص ۲۰۱ پر ہے مَنِ اعْتَقَدَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ الْاَشْيَاءَ قَبْلَ وُقُوْعِهَا فَهُوَ كَافِرٌ '' جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس کے واقع ہونے سے پہلے نہیں جانتا وہ کافر ہے۔ آیہ کریمہ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ اور اس قسم کی دوسری آیات واحادیث میں علم سے مراد تمیز ہے تو فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ بمنزلۃ فَلَيُمَيِّزَنَّ اللّٰهُ کے ہے یعنی تا کہ اللہ مجاہدین وغیر مجاہدین اور مومنین ومنافقین میں جدائی کردے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ میں خبیث کا طیب سے جدا ہونا منصوص ہے۔ (ماخوذ از الحق المبین ص ۵۰)

۲ اس کے رد میں حضرت علامہ کاظمی رحمہ اللہ الحق المبین ص ۵۱ پر لکھتے ہیں کہ ''کذب کے تحت قدرت باری تعالیٰ ہونے سے بندوں کے جھوٹ کی تخلیق اور اس کے باقی رکھنے یا نہ رکھنے پر قدرت خداوندی کا ہونا مراد ہے یا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود صفت کذب (جھوٹ) سے متصف ہے۔ اگر پہلی شق مراد ہے تو اس میں آج تک کسی سنی نے اختلاف نہیں کیا اور اگر دوسری شق مراد ہو تو اس سے بڑھ کر شان الوہیت میں کیا گستاخی ہو سکتی ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے متصف بالکذب ہونے کو ممکن قرار دیا جائے۔ اہل سنت کے نزدیک ایسا عقیدہ کفر خالص ہے۔

زید، عمرو، بچوں، پاگلوں بلکہ تمام حیوانوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دی ہے۔ دیکھئے حفظ الایمان مصنفہ اشرف علی ص ۸ پر ہے "پھر یہ کہ آپکی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کیلئے بھی حاصل ہے"۔ ۱؎

4۔ علماء دیوبند کے نزدیک شیطان اور ملک الموت کا علم رسول اللہ ﷺ کے علم سے زیادہ ہے۔ ان کے نزدیک شیطان اور ملک الموت کیلئے زمین کا احاطہ کرنے والا وسیع علم دلیل شرعی سے ثابت ہے اور فخر عالم ﷺ کیلئے اس علم کا ثابت کرنا شرک ہے۔ چنانچہ براہین قاطعہ مصنفہ خلیل احمد انبیٹھوی کے ص ۵۱ پر ہے "الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان وملک

۱؎ اہل سنت حضور ﷺ کے علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے علم کا بعض مانتے ہیں اور زید وعمرو کا علم بھی اگرچہ علم الٰہی کا بعض ہے لیکن بعض بعض میں فرق ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے علم پاک کے سامنے تمام اولین وآخرین کے علم کی حیثیت وہ ہے جو ایک قطرے کی سمندر کے سامنے ہے۔ امام بوصیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا   وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(ترجمہ) بیشک آپ کے جود وکرم سے دنیا اور آخرت ہے اور لوح وقلم کے علم آپکے علوم کا ایک جزء ہیں۔ اشرف علی تھانوی نے مذکورہ عبارت میں حضور ﷺ کے علم کو پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دی ہے اس قسم کی تشبیہ شان نبوت کی شدید ترین توہین اور تنقیص ہے۔

الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص قطعی سے ثابت ہوئی۔ فخر دو عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ ۱؎

۱؎ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں شیطان کیلئے محیط زمین کا علم ثابت کرنا اور حضور ﷺ کی ذات اقدس سے اس کی نفی کرنا بارگاہ رسالت کی سخت توہین ہے۔ اہل سنت کے نزدیک شیطان وملک الموت کے محیط زمین کے علم پر قرآن وحدیث میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ جو شخص نص کا دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن وحدیث پر نہایت ہی ناپاک بہتان باندھتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے علم کو نصوص قطعیہ کے خلاف کہنا بھی قرآن وحدیث پر افتراء عظیم ہے۔ قرآن وحدیث میں کوئی ایسی نص وارد نہیں ہوئی جس سے رسول اللہ ﷺ کے حق میں محیط زمین کے علم کی نفی ہوتی ہو بلکہ بے شمار نصوص سے آپ کیلئے ہر چیز کا علم ثابت ہے۔

(الحق المبین ۵۳)

بریلوی

بریلوی یہ کوئی فرقہ نہیں ہے بلکہ یہ نام وہابیت زدہ دیوبندیوں سے امتیاز کیلئے پاک وہند میں مخلص اہلسنت وجماعت کے لیے بولا جاتا ہے جس طرح کہ اہلسنت وجماعت یہ جماعت مسلمین سے علیحدہ کوئی جماعت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صحیح العقیدہ مسلمان ہی ہیں۔لیکن چونکہ شیعہ، خارجی اور معتزلی اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے تو ان سے امتیاز اور سادہ دل مسلمانوں کو ان کے فریب اور اختلاط سے بچانے کی غرض سے صحیح مسلمانوں کیلئے اہلسنت وجماعت کا نام اختیار کیا گیا۔پاک وہند میں اہلسنت پر بریلوی کا لفظ بولے جانے کی دو وجہیں ہیں ایک وجہ تو حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کیساتھ اہلسنت کی ارادت اس کا سبب بنی۔مولوی اسماعیل دہلوی نے جب تقویۃ الایمان لکھی تو اس دور کے بے شمار علماء نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس کے مذہب پر نکتہ چینی کی۔علماء دیوبند کے سوا بہت سے نامور علماء نے اس کے خلاف کتابیں تصنیف فرمائیں لیکن جس قدر تحریری طور پر حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی نے فتنہ وہابیت کی سرکوبی کی اور سادہ دل عوام اہلسنت کو بدعقیدگی کے اس طوفان سے بچانے کی سرتوڑ کوشش کی وہ قابل تحسین ہے۔ان خدمات کی بنا پر آپ اہلسنت کیلئے مینارہ نور بن گئے اور بعض اہلسنت حضرت امام احمد رضا کیساتھ محبت وارادت کے اظہار اور وہابیوں اور دیوبندیوں سے امتیاز کیلئے اپنے کو بریلوی کہنے لگے۔اہل سنت پر لفظ بریلوی کے اطلاق کی دوسری وجہ ان کے مخالفوں کی سازش ومنصوبہ بندی ہے چنانچہ استاذی محقق شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا

محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری مدظلہ لکھتے ہیں کہ "امام احمد رضا خان بریلوی کے افکار ونظریات کی بے پناہ قبولیت سے متاثر ہو کر مخالفین نے ان کے ہم مسلک علماء ومشائخ کو بریلوی کا نام دے دیا۔مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ دوسرے فرقوں کی طرح یہ بھی ایک نیا فرقہ ہے جو سرزمین ہند میں پیدا ہوا"۔ ۱؎

علمائے اہلسنت بریلویہ اگرچہ اعتقادی طور پر اپنے اسلاف صحابہ وتابعین کی راہ پر بڑی مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔لیکن انکی عملی حالت دیگر فرقوں کے مقابلہ میں بہتر نہیں ہے۔کئی خامیاں بہت واضح ہیں جو فوری توجہ اور اصلاح کی متقاضی ہیں مثلاً ٥ قیادت واتحاد کا فقدان ٥ تنظیمات اور دینی خدمات کے عہدوں پر اہل لوگوں کے انتخاب وتقرری کی بجائے وراثت اور ذاتی تعلقات کا لحاظ وترجیح ٥ اشاعت دین اور ملت اسلامیہ کی اصلاح کیلئے مستقل اور زیادہ مفید منصوبوں کی بجائے بس وقتی اور عارضی فائدے کے پروگراموں یا محض مباح کاموں پر پیسے کا اسراف جیسا کہ اس فضول خرچی پر حضرت مفتی احمد یار خاں اپنے ان اشعار میں تنبیہ فرماتے ہیں

؎ اہل سنت بہر قوالی وعرس — دیوبندی بہر تصنیفات ودرس
خرچ سنی بر قبور وخانقاہ — خرچ نجدی بر علوم ودرسگاہ

٥ بیعت میں غلو کرنا اور یہاں تک کہنا کہ جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے حالانکہ یہ بات اس شخص کے بارے میں ہے جو حضرت رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنا رہنما نہیں مانتا۔اسلاف میں بہت سے ایسے نامور علماء گزرے ہیں جنکے بارے میں کچھ ثابت نہیں کہ

۱؎ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، احسان الٰہی ظہیر کی کتاب البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ/ص ۳۴

انہوں نے کسی کے ہاتھ پر مروجہ بیعت کی ہو۔ بیعت ایک مستحب فعل ہے اور یہ بھی اس وقت جب شریعت وطریقت کا جاننے والا کوئی عاقل وصالح شخص مل جائے۔ بیعت یعنی پیری مریدی کا اصل مقصد عقیدہ وعمل کی اس راہ کی طرف راہنمائی کرنا ہے جسکی تعلیم حضرت رسول اللہ ﷺ نے دی اور اللہ کے نیک بندے تادم آخر اس پر چلتے رہے جیسا کہ پیر سید نصیر الدین گولڑوی فرماتے ہیں کہ

تشریع شریعت وطریقت یہ ہے ۔۔۔ اقطاب واولیاء کی سنت یہ ہے
تعلیم رسول پر چلانا ، چلنا ۔۔۔ سجادہ نشینی کی حقیقت یہ ہے

مگر افسوس کہ اب پیری مریدی ذریعہ ہدایت کی بجائے عموماً ایک نفع بخش کاروبار اور خود مقصود بن چکی ہے۔ زہد کی ترغیب دینے والے خود مزخرفات دنیا میں مستغرق ہو چکے ہیں۔

- علماء کے مقابل جاہل پیروں اور نعت خوانوں کو اہمیت دینا۔
- نہی عن المنکر میں تساہل خصوصاً بزرگان دین کے ساتھ عقیدت واحترام کے اظہار میں جاہل لوگوں کی طرف سے بعض خلاف شرع افعال کے ارتکاب پر مسئلہ کی صحیح نوعیت بیان کر کے انکی اصلاح کی کوشش کرنے کی بجائے چشم پوشی سے کام لینا اور چپ سادھ لینا۔

☆☆☆☆☆

اہلسنت و جماعت

اہل سنت و جماعت کوئی فرقہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مسلمانوں کی وہ اکثریت ہے جو مختلف ادوار میں مسلمانوں سے چھوٹے بڑے فرقوں کے نکلنے کے بعد ان عقائد پر قائم رہی جو حضرت رسول اللہ ﷺ کی ظاہر سنت (حدیث) اور جماعت صحابہ سے ثابت ہیں۔

اس اکثریت کا پہلے کوئی خاص نام نہ تھا۔ سب لوگ اپنے آپکو مسلمان کہتے تھے۔ جب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر سے رافضی اور خارجی فرقے پیدا ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وہ وفادار جو آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے وقت میں سب سے افضل اور خلیفہ برحق مانتے تھے اور حضور ﷺ کے دیگر اصحاب کبار اور ازواج مطہرات سے بھی عقیدت اور ان کے حقوق کا خیال رکھتے تھے انہیں شیعہ مخلصین یا شیعہ اولیٰ کا نام دیا گیا۔ ۱

بعد میں جب شیعہ کا نام عموماً رافضیوں پر بولا جانے لگا اور اسلام میں ایک اور فرقہ معتزلہ بھی پیدا ہو گیا جو اثبات عقائد میں عقل پر زیادہ اعتماد کرتا تھا اور حدیث سے بالکل حجت نہ لاتا تھا تو شیعہ اولیٰ کے پیروکار مخلص مسلمانوں نے گمراہ فرقوں کے ساتھ اشتباہ اور التباس سے بچنے کیلئے اہل سنت و جماعت کا نام اختیار کر لیا۔ ۲ اہلسنت و جماعت کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کے مقابلہ میں حضور ﷺ کی سنت اور جماعت کی پیروی کرنے والے ہیں۔ جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے یا اس سے مراد مسلمانوں کی بڑی جماعت ہے۔

---

۱ تحفہ اثنا عشریہ / ص ۱۹ / حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۲ تحفہ اثنا عشریہ / ص ۲۰

نام اہل سنت و جماعت کی حقانیت کا ثبوت حضرت رسول کریم ﷺ کی حدیثوں سے ملتا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً وَّتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ [1]
(بیشک بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ سب آگ میں ہیں سوائے ایک فرقے کے۔ اصحاب نے عرض کیا وہ (نجات پانے والے) کون ہیں؟ یارسول اللہ۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اس طریقے (اعتقاد و عمل) پر ہوں گے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں)۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ [2] (سب سے بڑی جماعت کی پیروی کرو بلاشبہ جو (بڑی جماعت سے) علیحدہ ہوا اسے علیحدہ کر کے آگ میں ڈال دیا جائے گا)۔

اہل سنت میں اختلاف: اہل سنت کا آپس میں بڑا اختلاف تو فروعی فقہی مسائل میں ہوا اور تھوڑا سا اختلاف اعتقادی مسائل کے انداز بیان اور طرز فکر و نظر میں ہوا فقہی مسائل میں چار مذہب ہو گئے (۱) حنفی (۲) مالکی (۳) شافعی (۴) حنبلی اور اعتقادی مسائل میں دو گروہ ہو گئے (۱) اشعری (۲) ماتریدی

فروعی اختلاف: حضرت رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں فقہ کی تدوین نہیں

[1] مشکوٰۃ/ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ/ الفصل الثانی [2] مشکوٰۃ/ ص ۳۰

ہوئی تھی اور نہ ہی احکام کی قسمیں پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ فرض ہے، یہ سنت ہے، یہ مستحب ہے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے۔ بس جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ یہی حال حج کا تھا۔ [1] آپ ﷺ کے وصال شریف کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل چھوڑ دیا۔ اب بحث پیش آئی کہ اس کی نماز ہوئی یا نہیں۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تفریق کرنا پڑی کہ نماز میں کتنے اعمال فرض اور واجب ہیں اور کتنے مسنون اور مستحب ہیں؟ اس تفریق کیلئے جو اصول قرار دیے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی آراء کا متفق ہونا ممکن نہ تھا اس لیے مسائل میں اختلاف پیدا ہوا اور بہت سے مسائل میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ان کا وجود نہیں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان صورتوں میں استنباط، حمل النظیر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے اس لیے اختلافات پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ کرام ہی کے زمانہ میں احکام و مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے۔ [2]

[1] حجۃ اللہ البالغہ/ ج ۱/ ص ۱۴۰ [2] حجۃ اللہ البالغہ/ ج ۱/ ص ۱۴۱

صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط اور اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے ان میں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم۔

تابعین کے عہد میں اجتہاد کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا۔ کئی فقہی مذاہب بن گئے۔ لیکن عوام کیلئے کسی مذہب معین کی قید نہ تھی یہاں تک کہ جب بغداد کو لشکر چنگیز خانی نے پامال کر دیا اور اسلامی مملکت برباد ہو گئی تو لوگوں کی رائے مذاہب اربعہ پر قرار پائی اس لیے کہ یہ مذہب اور مذاہب کی نسبت کسی قدر مدون ہو چکے تھے مگر ابھی تک کوئی تقلید کو واجب نہیں جانتا تھا بلکہ عوام کیلئے تقلید کو مستحسن خیال کرتے تھے اور علماء کے حق میں تقلید مکروہ جانتے تھے۔ اس کے بعد علم کی کمی ہوتے ہوتے اور جہالت پھیلتے پھیلتے تقلید کی ضرورت نے ترقی کی اور چاروں مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے علماء ساری زمین میں پھیل گئے اور ان مذاہب کی تقلید مقرر ہو گئی اور بعض اہل تحقیق جو تقلید کے محتاج نہ تھے وہ خاص اس ضرورت سے تقلید میں پڑ گئے کہ کہیں عام لوگ ان سے منحرف نہ ہو جائیں اور برا نہ جاننے لگیں۔ [1]

نظریاتی اختلافات: تیسری صدی ہجری کے آخر میں اہل سنت کے دو آدمیوں نے بڑا نام پایا ایک ابوالحسن اشعری اور دوسرے ابو منصور ماتریدی۔ شیخ ابوالحسن کا نام علی بن اسماعیل ہے۔ آپ ۲۶۰ ہجری یا ۲۷۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ صحابی رسول حضرت ابو موسی

[1] مذاہب اسلام/ص ۲۶/مصنفہ مولانا نجم الغنی رامپوری

اشعری ﷜ کی اولاد میں سے تھے۔ بصرہ میں رہائش تھی۔ شیخ موصوف پہلے معتزلی عالم ابوعلی جبائی کے شاگرد تھے۔ چالیس سال تک معتزلی رہے یہاں تک کہ معتزلہ کے مقتدا مانے گئے پھر مذہب اعتزال سے بیزار ہو کر اہل سنت کے عقائد اختیار کر لیے۔ آپ کے پیروکار اشاعرہ کہلاتے ہیں۔ اشعری لوگ عموماً فقہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد تھے۔

امام ابو منصور ماتریدی کا نام محمد بن محمد ہے۔ آپ سمرقند کے ایک محلہ "ماترید" میں رہا کرتے تھے۔ امام ابو منصور ماتریدی تین واسطوں سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اور فقہ میں حنفی مذہب رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام حنفی علم کلام میں آپ کے پیروکار تھے اور ماتریدی کہلاتے تھے۔ آپ نے کتاب التوحید، کتاب المقالات، کتاب بیان فساد رائے معتزلہ اور کتاب تاویلات القرآن وغیرہ کتب تصنیف فرمائیں۔ ۳۳۲ ہجری آپ کا سن وصال ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی دونوں چونکہ ایک ہی دشمن یعنی معتزلہ کے خلاف صف آراء تھے اس لیے ان کے نظریات بڑی حد تک قریب قریب تھے اگرچہ متحد نہ تھے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نظریات میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ استاذ شیخ محمد عبدہ العقائد العضدیہ کے حواشی میں رقمطراز ہیں کہ "ماتریدیہ و اشاعرہ کا باہمی اختلاف دس مسائل سے متجاوز نہیں اور وہ بھی نزاع لفظی کی حد تک ہے"۔ [1] شیخ محمد ابو زہرہ مصری اپنی کتاب اسلامی مذاہب (المذاہب الاسلامیہ) میں لکھتے ہیں کہ "امام ماتریدی کے اقوال و آراء اور امام اشعری کے آخری آثار و نتائج کا

[1] اسلامی مذاہب/تصنیف ابو زہرہ مصری/ص ۲۳۲

دقیق مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ دونوں کا طرز فکر و نظر جداگانہ نوعیت کا ہے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ دونوں قرآن کے ثابت کردہ عقائد کو عقل و برہان کی روشنی میں ثابت کرنا چاہتے تھے۔ عقائد قرآن کے دائرہ سے نکلنا دونوں کو گوارہ نہ تھا۔ البتہ ایک فریق پر نسبتاً عقلیت کا زیادہ غلبہ تھا مثلاً اشاعرہ کہتے ہیں کہ خدا کی معرفت حاصل کرنا شریعت کی بناء پر واجب ہے۔ جب کہ ماتریدیہ امام ابوحنیفہ کی اتباع میں کہتے ہیں کہ اس کا وجوب عقلی ہے۔[1]

اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلافی مسائل میں سے بعض یہ ہیں (۱) مسئلہ تکوین۔ اشعری کہتے ہیں کہ تکوین سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت ہی ہے اور ماتریدی اسے قدرت کے علاوہ ایک صفت شمار کرتے ہیں۔ (۲) اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ۔ اشعری اس سے احتراز کرتے ہیں اور ماتریدی علماء نص قطعی کے خلاف عقیدہ رکھنے والے اسلامی فرقوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ (۳) ایمان مقلد کا مسئلہ۔ یعنی ایسا شخص جو اسلام کے بنیادی عقائد سے جاہل ہے۔ البتہ اس کے دل میں اسلام کی تکذیب و کفر بھی نہیں ہے وہ مسلمانوں کی متابعت میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو کیا اس کا اسلام و ایمان عنداللہ صحیح ہوگا یا نہیں۔ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ صحیح ہے اور اشعریہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ (۴) استثناء کا مسئلہ۔ یعنی کسی شخص سے پوچھا گیا کہ کیا تو مسلمان ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو مسلمان ہوں۔ اشعریہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنے والا اپنے ایمان میں شک کر رہا ہے لہٰذا اس کا یہ کہنا کفر ہے۔ (۵) افعال میں حسن و قبح کا مسئلہ۔ اشعریہ کے نزدیک

[1] اسلامی مذاہب/ص ۲۴۲

ان کا ادراک شریعت سے ہی ہو سکتا ہے یعنی جس کام کو شریعت اچھا کہے گی وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہے گی وہ برا ہے۔ ماتریدیہ کے نزدیک افعال کا اچھا یا برا ہونا عقل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔[1]

اہل سنت میں اصحاب حدیث واہل رائے: اہل سنت کے جو لوگ علم حدیث کے درس و تدریس میں مشغول تھے ان میں دو فرقے قائم ہو گئے۔ ایک وہ جن کا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایت بحث کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو ناسخ و منسوخ سے بھی سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا۔ اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریقوں میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وہ وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھے۔ پہلا فرقہ اہل الروایت، اہل حدیث اور محدثین کے نام سے پکارا جاتا تھا اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے ذکر کیا جاتا تھا۔ امام مالک، سفیان ثوری اور اوزاعی اس لیے اہل الرائے کہلاتے ہیں کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا اس لیے اسے اضافی طور پر بھی اس فرقے میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے مثلاً امام مالک کی نسبت امام ابوحنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا اور چونکہ وہ عام محدثین کے برخلاف روایت میں درایت سے بھی کام لیتے تھے اس لیے ان کی نسبت اس

[1] النبراس شرح شرح العقائد/ص ۳۱

لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔امام احمد سے لوگوں نے پوچھا کہ تم امام ابو حنیفہ پر کیوں اعتراض کرتے ہو۔انہوں نے جواب دیا کہ رائے کی وجہ سے۔پھر پوچھا گیا۔کیا مالک صاحب رائے نہیں؟ فرمایا ہاں مگر ابو حنیفہ اس باب میں ان سے زیادہ ہیں۔پھر کہا گیا کہ تم مالک کے بارے میں ان کے حصے کے مطابق کلام کیوں نہیں کرتے؟ امام احمد چپ ہو رہے۔ ۱؎

اہل سنت میں سلاسل تصوف: تصوف کے معنی میں حضرت ابو الحسن علی بن عثمان الجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے کئی اقوال ونظریات ذکر کیے ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے اور اخلاق میں سے بالخصوص آٹھ خصلتیں تصوف کی بنیاد ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) سخاوت (۲) رضا (۳) صبر (۴) اشارہ (۵) غربت (۶) اون کا لباس پہننا (۷) سیر وسیاحت کرنا (۸) فقر۔ ۲؎ حضرت امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ "فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ۔ ۳؎ یعنی تصوف اچھی عادت کا نام ہے جو شخص اچھی عادتوں میں بڑھ کر ہوگا وہ تصوف میں بھی بڑھ کر ہوگا۔حضرت مرتعش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''تصوف حسن اخلاق کا نام ہے'' یعنی تصوف سے مراد نیک اور پاکیزہ اخلاق ہیں اور یہ (حسن خلق) تین طرح ہوتا ہے۔اول: حسن خلق اللہ تعالیٰ کیساتھ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ریاکاری کے بغیر احکام خداوندی کی تعمیل کی جائے۔

۱؎ مذاہب اسلام/ نجم الغنی رامپوری/ ۴۵، ۴۶

۲؎ / ۳؎ کشف المحجوب/ تصنیف حضرت داتا گنج بخش/ باب ۳ تصوف کے بیان میں

دوم: حسن خلق مخلوق کیساتھ: اور اس سے مراد یہ ہے کہ بزرگوں کا احترام کیا جائے۔ چھوٹوں سے شفقت کا برتاؤ کیا جائے اور ہم جنسوں سے بلا حرص ولالچ انصاف کرنے کے باوجود خود ان سے انصاف کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

سوم: حسن خلق اپنی ذات کے ساتھ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ خواہشات نفسانی اور شیطان کی متابعت نہ کی جائے اور جو شخص ان ہر سہ معانی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے اس کا شمار نیک خُلق والوں میں کیا جائے گا۔ ۱؎

ان نیک خُلق والوں میں حضور پر نور ﷺ کے اصحاب امتیازی شان سے نظر آتے ہیں جنکا ظاہر وباطن صحبت پاک کے اثر سے بشری تاریکیوں اور کدورتوں سے پاک تھا۔حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ اپنی کتاب میں حضرت ابو الحسن بوشنجہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''تصوف موجودہ زمانے میں صرف ایک نام ہے۔جس کی کوئی حقیقت نہیں اور گزشتہ زمانے میں یہ ایک حقیقت تھی جس کا کوئی (مخصوص) نام نہ تھا'' یعنی صحابہ کرام اور سلف صالحین کے وقت میں لفظ صوفی تو بے شک نہ تھا لیکن اس کی حقیقی صفات ان میں سے ہر ایک میں موجود تھیں اور آج کل یہ نام تو موجود ہے لیکن اس کے معنی موجود نہیں۔اس زمانے میں معاملات تصوف سے آگاہی کے باوجود لوگ اس کے مدعی نہ ہوتے تھے لیکن اب دعویٰ عام ہے مگر معاملات تصوف سے آگاہی مفقود ہے۔ ۲؎

تصوف کا نام کب اختیار کیا گیا؟ شیخ ابو القاسم عبد الکریم القشیری (۳۷۶ تا

۱؎ کشف المحجوب/ تصنیف حضرت داتا گنج بخش/ باب ۳ تصوف کے بیان میں

۲؎ کشف المحجوب/ باب ۳

۴۶۵ھ) رحمہ اللہ اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اِعْلَمُوْا رَحِمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَّ الْمُسْلِمِیْنَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَمْ یَتَسَمَّ اَفَاضِلُھُمْ فِیْ عَصْرِھِمْ بِتَسْمِیَۃِ عَلَمٍ سِوٰی صُحْبَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِذْلَا فَضِیْلَۃَ فَوْقَھَا فَقِیْلَ لَھُمُ الصَّحَابَۃُ وَلَمَّا اَدْرَکَھُمْ اَھْلُ الْعَصْرِ الثَّانِیْ سُمِّیَ مَنْ صَحِبَ الصَّحَابَۃَ التَّابِعِیْنَ وَرَاَوْا ذٰلِکَ اَشْرَفَ سِمَۃٍ ثُمَّ قِیْلَ لِمَنْ بَعْدَھُمْ اَتْبَاعُ التَّابِعِیْنَ ثُمَّ اخْتَلَفَ النَّاسُ وَتَبَایَنَتِ الْمَرَاتِبُ فَقِیْلَ لِخَوَاصِّ النَّاسِ مِمَّنْ لَھُمْ شِدَّۃُ عِنَایَۃٍ بِاَمْرِ الدِّیْنِ الزُّھَّادُ وَالْعُبَّادُ ثُمَّ ظَھَرَتِ الْبِدَعُ وَحَصَلَ التَّدَاعِیْ بَیْنَ الْفِرَقِ فَکُلُّ فَرِیْقٍ اِدَّعَوْا اَنَّ فِیْھِمْ زُھَّادًا فَانْفَرَدَ خَوَاصُّ اَھْلِ السُّنَّۃِ الْمُرَاعُوْنَ اَنْفَاسَھُمْ مَعَ اللّٰہِ تَعَالٰی الْحَافِظُوْنَ قُلُوْبَھُمْ عَنْ طَوَارِقِ الْغَفْلَۃِ بِاسْمِ التَّصَوُّفِ وَاشْتَھَرَ ھٰذَا الْاِسْمُ لِھٰؤُلَاءِ الْاَکَابِرِ قَبْلَ الْمِائَتَیْنِ مِنَ الْھِجْرَۃِ۔ [1] (تم جان لو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کے بزرگوں نے اپنے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے سوا کسی نام کو اپنے لیے پسند نہیں کیا اس لیے کہ اس سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی اور فضیلت نہ ہو سکتی تھی چنانچہ انہیں صحابہ کہا گیا۔ جب دوسرے زمانے کے لوگ آئے تو صحابہ کی صحبت میں رہنے والوں کو تابعین کہا گیا اور انہوں نے اس نام کو نہایت ہی شرف والا نشان سمجھا پھر ان کے بعد کے لوگوں کو اتباع التابعین کہا گیا۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا اور مراتب جدا جدا ہو گئے تو ان خاص لوگوں کو جنہیں دینی امور کیساتھ خاص لگاؤ تھا زاہد اور عابد کہا جانے

[1] الرسالۃ القشیریہ/ص ۸/باب فی ذکر مشائخ هذه الطريقة

لگا۔ پھر بدعتیں رونما ہونے لگیں اور فرقوں میں دعوے ہونے لگے۔ ہر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ زاہد ان میں ہی پائے جاتے ہیں تو اہل سنت میں سے ان خاص لوگوں نے جنھوں نے اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کیلیے وقف کر دیا اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا، اپنے لیے ایک الگ نام تصوف رکھ لیا۔ یہ نام ان بزرگوں کیلیے دوسری صدی ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔

دوسری صدی ہجری میں خاص طور پر اس کے نصف آخر میں ملت اسلامیہ میں ایک گروہ نظر آتا ہے جو ایک خاص اور عجیب انداز سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اس گروہ کے ظاہری حالات و رفتار دوسرے لوگوں سے مشابہت نہیں رکھتے چنانچہ لازماً اس گروہ کا کوئی نام بھی رکھا جانا چاہیے اور وہ نام صوفی تھا اور یہ اس مناسبت سے کہ ان لوگوں کا لباس موٹے اور کھردرے اون کا ہوتا تھا۔ ان میں سے بعض نے دور افتادہ گوشوں میں اپنے لیے عبادت گاہیں بنائی تھیں اور وہاں رہتے تھے اور بعض غاروں میں گوشہ نشین تھے اور بعض جنگل بیابانوں میں پھرتے رہتے تھے۔ [1] پھر ان کے گروہ اور سلسلے بننے لگے۔ کئی سلسلے معرض وجود میں آ گئے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ (م ۴۶۵ھ) کے عہد میں صوفیاء کے بارہ فرقے موجود تھے جن میں سے دس مقبول اور دو مردود تھے چنانچہ آپ قدس سرہ لکھتے ہیں "صوفیوں کے کل بارہ گروہ ہیں جن میں سے دو مردود ہیں اور دس مقبول ہیں جو یہ ہیں۔ محاسبیہ، قصاریہ، طیفوریہ، جنیدیہ، نوریہ، سہیلیہ، حکیمیہ، خرازیہ، خفیفیہ، سیاریہ۔ یہ (دس فرقے) سب کے

[1] تصوف اور سریت/ص ۱۷۹/تصنیف پروفیسر لطیف اللہ

سب اہل تحقیق اور اہل سنت وجماعت سے ہیں اور دو مردود گروہوں میں سے ایک حلولیہ کہلاتا ہے جس کے پیروکار حلول اور امتزاج سے منسوب ہیں اور سالمی اور مشبہین انہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا مردود فرقہ حلاجیہ کا ہے جو تارک شریعت اور ملحد ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اباحی اور فارسی فرقے کے لوگ انہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ١

اس پندرہویں صدی کی ابتداء میں ان مذکورہ ناموں کا کوئی فرقہ موجود نہیں ہے۔ آج کے دور میں تصوف کے چار سلسلے زیادہ مقبول ہیں جو یہ ہیں۔

1. سلسلہ قادریہ: اس سلسلہ کے بانی حضرت قطب الاقطاب سیدنا الغوث الاعظم الشیخ ابومحمد عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ (۴۷۰۔۵۶۱ھ) ہیں۔ آپ کا فیض تصوف کے تمام سلاسل میں جاری وساری ہے۔ ٢

2. سلسلہ چشتیہ: چشت خراسان کے ایک شہر کا نام ہے وہاں کچھ بزرگان

---

١ کشف المحجوب/باب ۱۱/ابوالحسن احمد بن محمد النوری کے ذکر میں

٢ حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۳ کے مکتوب 123 میں لکھتے ہیں۔

تاآنکه نوبت بحضرت شیخ عبد القادر جیلانی رسید قدس سره وچوں نوبت ایں بزرگوار شد منصب مذکور باو قدس سره مفوض گشت وما بین ائمه مذکورین وحضرت شیخ هیچکس بریں مرکزمشهود نمی گردد ووصول فیوض وبرکات دریں راه بهر که باشد از اقطاب ونجباء بتوسط شریف او مفهوم می شود چه ایں مرکز غیر او را میسر نشده،

دین نے روحانی اصلاح وتربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا۔ جو اس مقام کی نسبت سے چشتیہ کہلانے لگا۔ ١ اس سلسلہ کے بانی اول حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رحمہ اللہ (م ۳۲۹ھ) ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں سلسلہ چشتیہ کے امام الطریق حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ ہیں جو اپنے شیخ خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کے حکم سے ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مسکن بنالیا۔

3. سلسلہ سہروردیہ: اس سلسلہ کے بانی حضرت شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبداللہ سہروردی رحمہ اللہ ہیں۔ آپ ۵۳۹ھ میں ایران کے ایک مقام سہرورد

ازینجاست که فرموده شعر

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا ... اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبٖ

(ترجمہ) حتی کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی باری آپہنچی اور منصب مذکور اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہ کے سوا اور کوئی شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا اس راستہ میں تمام اقطاب ونجباء کو فیوض وبرکات کا پہنچنا شیخ (غوث اعظم) قدس سرہ ہی کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا اسی واسطے شیخ قدس سرہ نے فرمایا۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا ... اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبٖ

(ترجمہ) پہلوں کے سورج ڈوب گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلند کنارے پر ہے گا غروب نہ ہوگا ۱۲۔

١ تصوف وشریعت/ص ۲۱۳

میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی فیض باطنی پایا۔ آپ کی تصنیف ''عوارف المعارف'' علم تصوف میں بہترین تصنیف ہے۔ برصغیر میں حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمہ اللہ آپ کے خلفاء میں سے ہیں۔

4. سلسلہ نقشبندیہ: اس سلسلے کی نسبت حضرت خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبند قدس سرہ (م ۷۹۱ھ) سے ہے۔ برصغیر میں سلسلہ نقشبندیہ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی ذات گرامی کی وجہ سے بہت فروغ حاصل ہوا۔

ان کے علاوہ سلسلہ اویسیہ، شاذلیہ، رفاعیہ اور شطاریہ بھی کسی قدر پائے جاتے ہیں۔

تمام سلاسل تصوف اس بات پر متفق ہیں کہ سالک کا اصل مطلوب حق سبحانہ کی رضا کا حصول ہے جو اخلاق فاضلہ کی تصحیح اور تہذیب سے حاصل ہوتی ہے اور ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کے طریقوں میں قدرے فرق ہے۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''صوفیاء اگرچہ معاملات طریقت، مجاہدات تصوف، مشاہدات معرفت اور ریاضات راہ سلوک میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن جہاں تک اصول شریعت، فروعی معاملات، شرع دین اور توحید خداوندی کا تعلق ہے وہ ایک دوسرے کے موافق ہیں اور ان میں کامل اتفاق پایا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] کشف المحجوب / باب ۱۴ / فرقہ ہائے صوفیاء کا باہمی فرق

اہلسنت
کے
عقائد و معمولات

اہل سنت کے عقائد و اعمال ہی صحیح اسلامی عقائد و اعمال ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں ان میں سے بعض کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کو ماننا

○ اہل سنت بلکہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انسانوں اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کی تفسیر میں فرمایا اِلَّا لِیَعْرِفُوْنِیْ یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی پہچان کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فتوحات کے باب نمبر ۲۸۰ میں فرماتے ہیں "اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَا یَصِحُّ مِنْ اِنْسَانٍ عِبَادَةٌ" اِلَّا اَنْ کَانَ یَعْرِفُ رَبَّهٗ عَلَی الْقَطْعِ" یعنی جب تک انسان کو اپنے رب کی یقینی معرفت حاصل نہ ہو اس کی کوئی عبادت صحیح نہیں ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی کنہ اور حقیقت کی پہچان شرعاً وعقلاً محال ہے۔ البتہ اس کے افعال اور آثار قدرت کے ذریعہ سے اس کے وجود اور اجمالاً اس کی صفات اور پھر صفات کے ذریعہ سے معرفت ذات حاصل ہوتی ہے چنانچہ خود اللہ جل شانہ نے قرآن مقدس میں ایک سے زائد مقامات پر اپنے افعال وصفات کے ساتھ اپنی پہچان کروائی ہے۔ مثلاً سورۃ الرعد میں فرمایا اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

---

[1] عوام الناس کو اسلامی عقائد سے آگاہ کرنے کیلئے کئی ایسے عقیدے بھی یہاں لکھ دیئے ہیں جن میں دیگر فرقوں کا اہلسنت کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ" یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ ۔ (اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند کیا جن کو تم دیکھو پھر عرش پر استواء فرمایا اور سورج اور چاند کو مسخر کیا۔ ہر ایک ٹھہرائی ہوئی میعاد تک کیلئے اپنی راہ پر چلا جا رہا ہے۔ وہ کام کی تدبیر فرماتا ہے اور اپنی قدرت کی نشانیاں مفصل بیان فرماتا ہے تاکہ تم اپنے رب کے ملنے پر یقین کرو)۔

○ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ احکام میں اور نہ اسماء میں۔ اللہ واجب الوجود ہے یعنی اسکا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال ہے۔ وہ قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ وہ بے پرواہ ہے، کسی کا محتاج نہیں اور سارا جہاں اس کا محتاج ہے۔ جس طرح ہم اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح اپنی بقاء کے ہر لمحہ میں اس کے محتاج ہیں۔ وہ کسی کا باپ نہیں اور نہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔

○ اللہ تعالیٰ ہر اس کمال وخوبی کا جامع ہے جو اس کے حق میں کمال وخوبی متصور ہوتی ہو اور ہر اس چیز سے پاک ہے جس میں عیب ونقص کا پہلو پایا جاتا ہو بلکہ جس بات میں نہ کمال اور نہ نقص ہو اللہ تعالیٰ اس سے بھی پاک ہے۔

○ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے کوئی اسے اس کے ارادہ سے پھیر نہیں سکتا۔ کوئی اس پر زبردستی اور دھونس نہیں جما سکتا۔ البتہ مہربان اور شکور وقدردان ہے اپنے نیک بندوں

کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے اپنے محبوب بندوں کی سفارشیں قبول کرتا ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اسکی کسی صفت کا کسی جسم یا روح میں حلول وسرایت کرنا محال ہے ہاں یہ جائز ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کا مظہر بن جائے۔ [1]

---

[1] اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کا مظہر بننے کے قول اور کسی شی میں اللہ تعالیٰ یا اس کی صفات کے حلول کر جانے کے قول میں بڑا فرق ہے۔ آئینے کو جب سورج کے سامنے کیا جائے تو سورج کی ٹکیہ اس میں نظر آتی ہے اور اگر اس آئینہ کو ایک خاص زاویے میں رکھا جائے تو سورج کی شعاعیں اس سے منعکس ہوتی ہیں۔ تو ایسی صورت میں اگر کوئی کہے کہ آئینہ سورج کی ٹکیہ اور اس کی شعاعوں کا مظہر ہے تو اس کا یہ کہنا بجا ہوگا اور اگر وہ یہ کہے کہ سورج آئینہ میں حلول کر گیا ہے یا یہ کہے کہ اس کی شعاعیں اس سے منقطع ہو کر آئینہ میں حلول وسرایت کر گئی ہیں تو یہ غلط ہوگا اور کوئی عقلمند شخص اس کی بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کا کسی شخص میں حلول کرنا باطل ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی احتیاج ونقص لازم آتا ہے اور کسی شی کا مظہر ذات یا مظہر صفات بننا نہ صرف جائز ہے بلکہ واقع ہے اور اسکی تائید واضح طور پر حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳ میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْئٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا (ترجمہ) جس نے

○ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمان کا حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ تمام امور کی تدبیر وہی فرماتا ہے۔ جن، انسان، فرشتے، حیوانات، نباتات اور جمادات سب کا خالق وہی ہے اور ان تمام کے افعال کو بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ خیر وشر سب اسی کی طرف سے ہے جسے چاہتا ہے خوشی وراحت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے رنج وغم میں مبتلا کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ہر شی کو بالواسطہ یا بلا واسطہ وہی رزق دیتا ہے۔

○ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے نہ تو اسے آلات کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ جد وجہد کرنا پڑتی ہے بلکہ وہ صرف کُنْ فرماتا ہے تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

○ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کیلئے صفات ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات دو طرح

میرے ولی سے دشمنی کی تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن چیزوں کیساتھ میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز مجھے فرائض سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں۔ تو جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا بندے میں حلول کر جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے مقرب بندہ صفات الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے نور سمع سے سنتا ہے، اسی کے نور بصر سے دیکھتا ہے اور اسی کے نور قدرت سے تصرف کرتا ہے۔ ۱۲

ہیں۔(۱) **صفات سلبیہ** یہ وہ صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور منزہ ہے یعنی وہ صفات جن کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی جاتی ہے مثلاً اللہ کا جسم نہیں ہے مرکب نہیں ہے، کسی مکان میں نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کا کوئی ماں باپ نہیں ہے، کوئی اولاد نہیں ہے اور اسکی کوئی بیوی نہیں ہے (۲) **صفات ثبوتیہ** یہ وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں پائی جاتی ہیں اور یہ صفات دو قسم پر ہیں (۱) صفات ذاتیہ (۲) صفات فعلیہ۔ صفات ذاتیہ سے مراد اس کی صفات حقیقیہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے جدا ہونا محال ہے اور یہ صفات حقیقیہ آٹھ ہیں حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین۔ اور صفات فعلیہ مثلاً پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا اور مارنا یہ صفات ذاتیہ کے آثار ہیں۔

○ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا محال ہے اس لیے کہ جھوٹ بولنا نقص اور گھٹیا حرکت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ شرح مقاصد کی بحث کلام میں ہے "اَلْکِذْبُ مُحَالٌ بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ لِاَنَّ الْکِذْبَ نَقْصٌ" بِاتِّفَاقِ الْعُقَلَاءِ وَھُوَ عَلَی اللّٰہِ مُحَالٌ" یعنی اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا باجماع العلماء محال ہے اس لیے کہ عقلمندوں کا اتفاق ہے کہ جھوٹ نقص وعیب ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ [1]

○ اللہ تعالیٰ جس ثواب وانعام کا وعدہ فرماتا ہے اس کا خلاف ہرگز نہیں کرتا کیونکہ وعدہ خلافی نقص وعیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ البتہ اس کیلئے یہ جائز ہے کہ

---

[1] اس مسئلے کی مزید تفصیل کیلئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے رسالہ "سبحان السبوح" اور علامہ کاظمی رحمہ اللہ کے رسالہ "تسبیح الرحمان" کا مطالعہ کیجیے۔

ایمانداروں سے ان کے گناہوں کے بارے میں عفو ودرگزر سے کام لے اور اپنے کرم سے ان کو اس عذاب سے بچالے جس کی وعید اس نے مجرموں کیلئے فرما رکھی ہے اور یہ تبدیلی نقص اور جھوٹ نہیں ہے اس لیے کہ سب وعیدیں عدم عفو سے مشروط ہیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا تو ضرور اس جرم پر عذاب ہوگا۔

○ سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے لیکن دنیا میں سوائے حبیب خدا ﷺ کے کسی اور کیلئے اس کا وقوع نہ ہوگا اور آخرت میں دخول جنت کے بعد مسلمان اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ (صحیح بخاری) بیشک تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ دنیا میں نیند کی حالت میں دیدار باری تعالیٰ کے جواز میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ایک سے زائد مرتبہ اور سلف صالحین میں سے بھی بعض کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے سو مرتبہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا (نبراس، ص ۲۶۰) نیند میں دیکھنا یہ دراصل مشاہدہ قلبی ہے۔

○ بندوں کے تمام افعال حتیٰ کہ افعال اختیاریہ مثلاً کفر وایمان اور طاعت وعصیان کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے۔

تقدیر کو ماننا

○ مذہب حق جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے باجماع صحابہ وتابعین ثابت ہے یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کا علم، ارادہ اور قدرت ہر شی اور ہر فعل ممکن پر حاوی ہے اور مخلوقات کے

وجود سے پہلے اس نے ہر ایک چیز کا جو اندازہ باندھ دیا تھا اسی کے مطابق تمام حوادث، افعال اور حرکات وسکنات وقوع میں آتے رہتے ہیں۔ [1] خلق کی پیدائش، عمروں کی تعیین، رزقوں کی تقسیم، آرام اور تکلیف کا بانٹنا اور امرونہی یہ سب کچھ تقدیر سے ہے۔ قرآن میں ہے اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ بیشک ہم نے ہر شے کو اندازے سے بنایا۔

○ تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی حدیث ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ" حَتّٰی یُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ یَشْهَدُ

[1] اللہ تعالیٰ کے ارادہ وتقدیر سے تمام افعال کے موجود ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندوں کو ان کے افعال میں پتھر کی طرح مجبور محض سمجھ لیا جائے اور انہیں مکلف ٹھہرانے کو غلط گمان کرلیا جائے اس لیے کہ دلائل سمعیہ وعقلیہ سے ثابت ہے کہ بندوں کو ان کے بعض افعال میں کچھ اختیار حاصل ہے۔ بندوں سے ایمان وطاعت اور کفر وفسق کا صدور ان کے ارادہ واختیار کے ساتھ مقدر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے حق میں بہتری مقدر فرماتا ہے تو اس کی عقل کو کامل اور بصیرت کو درست کردیتا ہے اور تمام موانع ہٹا دیتا ہے اور نیک لوگوں کو اس کا رفیق اور حصول خیر کے راستے اس پر آسان کردیتا ہے تو وہ شخص اس خیر کو کرنے لگتا ہے۔ اس کے برخلاف جب کسی بندے کے حق میں شر اور برائی مقدر کردی گئی ہو تو اس کیلئے وہ اسباب مہیا ہو جاتے ہیں جو اس کو خیر سے دور اور شر کے قریب کردیتے ہیں مثلاً بُرے ہم نشین تو وہ شخص ان برائیوں کا ارتکاب کرنے لگتا ہے باوجود اس کے اس کو اختیار اور قدرت حاصل ہے اور بدکاری پر مجبور نہیں کیا گیا۔

اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَیُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَیُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ چار باتوں کا یقین کرلے (۱) گواہی دے اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے (۲) اور مرنے کا یقین رکھے (۳) اور مرنے کے بعد اٹھنے کا بھی اور (۴) تقدیر پر ایمان رکھے۔ عقیدہ ایمان بالقدر کی بڑی اہمیت ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور کمال قدرت پر یقین حاصل ہوتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توکل زیادہ ہوتا ہے۔ نیز جب بندہ اس بات کا یقین کرلیتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اپنے سے خوشحال کے ساتھ حسد نہ کرے گا اور کم درجہ سے نفرت نہ کرے گا۔

○ قضا [1] کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مبرم حقیقی یعنی وہ فیصلہ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں کسی شے کے ساتھ معلق نہ ہو۔ (۲) معلق محض جس کا لوح محفوظ اور صحائف ملائکہ میں کسی شے کے ساتھ معلق ہونا ظاہر کردیا گیا ہو مثلاً فلاں مریض نے اگر خود یا کسی نیک آدمی سے دعا کروائی یا فلاں دوائی استعمال کی تو تندرست ہو جائے گا۔ (۳) معلق مشابہ بہ مبرم یعنی ایسی قضا کہ صحف ملائکہ میں کسی شے کے ساتھ اس کی تعلیق مذکور نہیں ہے البتہ علم الٰہی میں وہ

[1] لغت میں قضا کا معنی ہے فیصلہ کرنا اور اہل شرع کے نزدیک قضا سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی فیصلہ ہے جو ابد تک ہونے والی موجودات خارجیہ اور ان پر جاری ہونے والے احوال کے بارے میں ہے اور اس ازلی فیصلہ کے مطابق ممکنات کا یکے بعد دیگرے عدم سے وجود کی طرف نکلنا قدر یا تقدیر کہلاتا ہے۔

معلق ہے مثلاً صحف ملائکہ میں یہ لکھا ہے کہ فلاں مریض تندرست نہیں ہوگا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ کہ اگر اس کیلئے میرے فلاں بندے نے دعا کردی تو میں اسے ٹھیک کردوں گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ انجام کو بھی جانتا ہے اور اسے علم ہوتا ہے کہ وہ فلاں اس کیلئے دعا کردے گا لہٰذا یہ ٹھیک ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں جس طرح ہوتا ہے اسی طرح ہوکر رہتا ہے۔

ان تین قسموں میں سے پہلی قسم کسی عام وخاص کی دعا سے تبدیل نہیں ہوتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (ترجمہ) میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔ قضا مبرم حقیقی کی نسبت اگر اتفاقاً انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے کچھ عرض کیا تو انہیں اس خیال سے پھیر دیا گیا جیسا کہ نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے بارے میں سوال جس کی ہلاکت مبرم حقیقی تھی۔ اور دوسری قسم یعنی معلق محض یا اکثر عام وخاص کی دعاؤں اور صدقہ وخیرات سے ٹل جاتی ہے اور تیسری قسم یعنی معلق مشابہ بمبرم اکابر اولیاء اور انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے ٹلتی ہے اور اس کی نسبت حدیث میں فرمایا گیا اِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ بیشک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔ [1]

---

[1] بہار شریعت ا/ج ۱

آسمانی کتابوں کو ماننا

○ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اور صحیفے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائے ہیں ان سب کو ماننا ضروری ہے۔ مشہور آسمانی کتابیں چار ہیں (۱) توریت یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ (۲) زبور یہ کتاب حضرت داؤد علیہ السلام پر اتاری گئی۔ (۳) انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر (۴) قرآن مجید یہ افضل الرسل حضرت محمد مصطفی ﷺ پر اتارا گیا ہے۔ قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

○ ہم پر سب آسمانی کتابوں کو برحق ماننا اگرچہ ضروری ہے لیکن عمل قرآن کے مطابق ہی ہوگا کیونکہ پہلی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ منسوخ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ غلط تھیں اس لیے ان پر عمل کرنے سے روک دیا گیا ہے بلکہ نسخ کا مطلب یہ ہے کہ بعض احکام خاص وقت تک کیلئے ہوتے ہیں مگر لوگوں پر یہ ظاہر نہیں کیا جاتا کہ اس حکم یا احکام کی میعاد فلاں وقت تک ہے۔ جب وہ میعاد پوری ہوجاتی ہے تو پھر دوسرا حکم نازل ہوجاتا ہے جس سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس بعد والے حکم سے پہلے حکم کو ختم کردیا گیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بعد والے حکم سے پہلے حکم کے وقت کا ختم ہونا بتایا گیا ہے۔

○ پہلی کتابوں پر شریر لوگوں نے تحریف وتبدیلی کردی۔ اب حال یہ ہے کہ ان کتابوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ان کا کون سا حصہ تحریف شدہ ہے اور کون سا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لیے ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ ان کتابوں کا جو حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا گیا ہے ہم اس کو مانتے ہیں اور جو

تحریف شدہ ہے اس کو نہیں مانتے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود رب العالمین جل شانہ نے لیا ہے اس لیے یہ وقت نزول سے آج تک دشمنوں کی بسیار کوششوں کے باوجود ہر قسم کی تحریف وتبدیلی سے پاک ہے اور انشاء اللہ قیامت تک پاک رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ بیشک ہم نے قرآن اتارا اور بالیقین ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن اور پہلی کتابوں پر ایمان لانے میں ایک اور فرق یہ ہے کہ پہلی کتابوں پر تفصیلاً ایمان لانا ضروری نہیں ہے بلکہ اجمالاً ایمان کافی ہے اور قرآن پر اجمالاً ایمان کے ساتھ تفصیلاً ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ تفصیلی ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک آیت کو سمجھ کر ایمان لانا اور قرآن پر یہ تفصیلی ایمان فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے۔ لہٰذا جب ایسے علماء موجود ہوں جنہوں نے قرآن سمجھنے میں پوری کوشش کی ہو تو عوام اس کی تفصیلات نہ جاننے کی وجہ سے گنہگار نہ ہوں گے۔

قرآن کی بعض آیتوں یا سورتوں کے بارے میں جو منقول ہے کہ وہ دیگر آیتوں یا سورتوں سے افضل ہیں تو یہ افضلیت ثواب اور مضمون کے اعتبار سے ہے ورنہ کلام الٰہی ہونے کے اعتبار سے سارا قرآن ایک جیسا ہے۔



فرشتوں کو ماننا

- فرشتوں کو ماننا بھی ضروری ہے۔ فرشتے نوری جسم ہیں اللہ تعالیٰ نے انکو یہ طاقت دی ہے کہ وہ جس شکل میں چاہیں اپنے آپ کو بدل لیں۔ کبھی وہ انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں۔
- فرشتے معصوم ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے وہ کبھی بھی جان بوجھ کر یا بھول کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔
- فرشتے نہ مرد ہوتے ہیں، نہ عورت اور توالد وتناسل کا سلسلہ بھی ان میں نہیں پایا جاتا۔
- فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کتنے ہیں۔
- فرشتوں کے ذمے مختلف کام وخدمات ہیں۔ بعض کے ذمہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں وحی لانا، کسی کے ذمہ بارش برسانا، کسی کے ذمہ نامہ اعمال لکھنا، کسی کے ذمہ رحموں کے اندر بچوں کی صورتیں بنانا، کسی کے ذمہ جان ڈالنا، کسی کے ذمہ جان نکالنا، کسی کے ذمہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دینا، کسی کے ذمہ امتیوں کا سلام دربار رسالت میں پیش کرنا، کسی کے ذمہ صرف تسبیح وتہلیل، کسی کے ذمہ قبر میں سوال کرنا، کسی کے ذمہ عذاب دینا وغیرہ۔

○ تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب ہیں۔ ملک وملکوت کے بڑے بڑے انتظامات ان چاروں کے سپرد ہیں ان کے نام یہ ہیں (۱) حضرت جبرائیل علیہ السلام (۲) حضرت میکائیل علیہ السلام (۳) حضرت عزرائیل علیہ السلام (۴) حضرت اسرافیل علیہ السلام۔



انبیاء علیہم السلام کو ماننا [1]

○ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی دینوی اور اخروی زندگی کی اصلاح وبہتری کیلئے انہیں میں سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام انسانوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں کیونکہ عام انسان اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل نہ کرسکتے تھے۔

○ دنیا میں بعثت کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حبیب خدا حضرت محمد ﷺ ہیں۔

---

[1] نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ احکام کیلئے مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔ نبی کو رسول بھی کہتے ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک رسول صرف اس نبی کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب یا صحیفہ عطا فرمایا ہو یعنی صاحب شریعت ہو۔ لہٰذا انسانوں میں سے جو رسول ہے وہ نبی بھی ہے البتہ ہر نبی رسول نہیں ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی بھی تھے اور رسول بھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے رسول نہیں تھے۔

○ نبیوں کی تعداد کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں۔ احتیاط اسی میں ہے کہ انکی تعداد معین نہ کی جائے بلکہ اعتقاد یہ رکھا جائے کہ ہر سچے نبی پر ہمارا ایمان ہے۔

○ ہر نبی پر کم از کم ایک دفعہ وحی نبوت کا آنا ضروری ہے۔

○ نبی سے معجزے کا ظہور ضروری ہے کیونکہ یہ اسکے دعویٰ نبوت کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا فرمایا ہے ہمارے نبی ﷺ کے معجزے تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزوں سے زیادہ ہیں بلکہ بے شمار ہیں، آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو قیامت تک کیلئے باقی ہے۔

○ نبوت کسبی نہیں کہ کوئی آدمی عبادت وریاضت کے ذریعہ اسے حاصل کرسکے بلکہ یہ محض اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور دیتا اسے ہے جسے اس منصب کے قابل بناتا ہے۔ البتہ اب کسی کو یہ منصب نہیں مل سکتا کیونکہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے ساتھ اسکا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

○ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق یہاں تک کہ رسول فرشتوں سے بھی افضل ہیں کوئی ولی یا امام کسی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔

○ انبیاء علیہم السلام سب بشر تھے اور مرد تھے کسی عورت یا جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی نہیں بنایا۔

○ تمام نبیوں کو ماننا ضروری ہے کہ نفس نبوت ورسالت میں ان کے درمیان اس طرح فرق کرنا کہ بعض کو نبی مانا جائے اور بعض کو نبی نہ مانا جائے کفر ہے۔ البتہ درجے اور فضیلت کے اعتبار سے ان میں فرق ہے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کا درجہ وفضیلت سب رسولوں سے زیادہ ہے۔

○ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ان سے کسی قسم کا گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہمیں انبیاء علیہم السلام کے اقوال وافعال میں ان کی پیروی کرنے کا حکم ہے تو اگر ان سے گناہ کا صدور بھی ہو تو اس میں بھی ہم پر ان کی اطاعت کرنا لازم ہوگی حالانکہ گناہ میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ تو انبیاء علیہم السلام کی مطلق اطاعت کا حکم اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان سے قصداً کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جو معصیت کے زمرے میں آتا ہو اور سہواً بھی کوئی ایسا فعل ان سے صادر نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے ان کے منصب نبوت پر حرف آتا ہو۔ ہاں خطا یا بھول کر ان سے کوئی ایسی لغزش صادر ہوسکتی ہے جس سے شان نبوت میں کوئی فرق نہ آئے۔

○ نبی کی تعظیم فرض ہے۔ کسی نبی کی شان میں گستاخی، ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔

○ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو اپنے خاص غیوب پر بھی مطلع فرمایا ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ آل عمران، پ ۴، ع ۱۸ میں ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔ سورۃ جن پ ۲۹ ع ۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (اللہ ذاتی طور پر) غیب کا جاننے والا ہے تو وہ اپنا (خاص) غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

○ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی عزت ووجاہت والے ہیں۔

حیات انبیاء علیہم السلام

○ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اسی طرح حیاتِ[۱] حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہیں جس طرح دنیا میں تھے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے مطابق ایک آن کیلئے

---

[۱] انسان کی ایک حیات عادی ہوتی ہے اور ایک حیات حقیقی ہوتی ہے۔ حیات عادی سے مراد یہ ہے کہ روح بدن کے اندر ہو۔ جب روح بدن سے نکل جائے تو اسے موت عادی کہا جاتا ہے اور حیات حقیقی سے مراد بدن کے اندر ایسی صفت کا ہونا کہ جس کے سبب انسان کا سمع و بصر اور علم وقدرت کے ساتھ اتصاف صحیح ہو۔ ہر انسان پر موت عادی کا طاری ہونا حق ہے لیکن اس کے بعد انسان کی روح کا اس کے بدن کے اجزائے اصلیہ کے ساتھ ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کے سبب بدن کے بے حس ہونے یا گل سڑ جانے کے باوجود اس کی عقل کام کرتی ہے اور وہ اپنی قبر میں عذاب یا نعمتوں کے حصول کا ادراک کرتا ہے۔ قبر پر حاضر ہونے والوں کو دیکھتا ہے، ان کے سلام وکلام کو سنتا ہے۔ تو یہ اس کی ایک قسم کی حیات ہے۔ لیکن یہ حیات تمام اموات کی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اگر میت کافر ہے تو وہ قبر میں مبتلائے مصیبت وعذاب ہے اور مصیبت میں مبتلا شخص کی زندگی کیسی زندگی؟ اور اگر میت عام مسلمان ہے تو اسے سوال وجواب کے بعد کہا جاتا ہے "نم کنومة العروس" سو جا جیسے دلہن سوتی ہے تو اس کی قبری زندگی تقریباً اس طرح ہوتی ہے جیسے آدمی نیند میں اچھے مناظر (اچھے خواب) دیکھ رہا ہو تو اسکی یہ حیات معنوی ہوئی اور شہداء کی برزخی زندگی اس سے مختلف ہوتی ہے کہ شہید صرف ادراک وشعور ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کی روح کو جنت میں

ان پر موت طاری ہوئی۔ پھر بدستور زندہ ہو گئے۔ ان حضرات کی برزخی اور دنیاوی زندگی میں اس کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہوتا کہ دنیاوی زندگی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی یہ بزرگ دنیاوی ضروریات سے بے نیاز اور احکام شرعیہ کے مکلف نہیں رہتے، فریضہ تبلیغ سے

سیر کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور وہ صرف سیر ہی نہیں کرتی بلکہ اسے جنت کا رزق دیا جاتا ہے۔ شہید کا مادی جسم زخمی بلکہ اس کے اعضاء اگر کاٹ کر علیحدہ کر دیے جائیں تو بھی قرآن کے ارشاد بَلْ اَحْيَاءٌ" کے مطابق وہ زندہ ہے، جنت میں کھاتا پیتا ہے لہٰذا اس کی حیات حقیقیہ ہوئی۔ اس لیے قرآن نے ان کو مردہ کہنے سے منع کیا ہے اور ان کے زندہ ہونے اور رزق دیے جانے کی قطعی خبر دی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیاۃ حقیقیہ برزخیہ شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہید کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور اسکی بیوی عدت کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کر سکتی ہے بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ نہ تو ان کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں۔ چنانچہ مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تفسیر مظہری ج ۱، ص ۱۵۲ میں فرماتے ہیں (ترجمہ) بلکہ انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے بہت زیادہ قوی اور اس کے اثرات ظہور میں بہت زیادہ بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہیں ہے بخلاف شہداء کے کہ ان کی ازواج سے نکاح جائز ہے اور صدیقین بھی حیات میں شہداء سے اعلیٰ ہیں اور صالحین یعنی عام اولیاء شہداء سے کم درجہ ہیں لیکن ان کے ساتھ ملحق ہیں جیسا کہ ارشاد باری مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ کی ترتیب اس پر دلالت کرتی ہے۔

سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ ان حضرات کی اپنی خوشی کی خاطر انہیں نماز پڑھنے اور حج وغیرہ کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے باہر زمین و آسمان اور جنتوں میں جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں جیسا کہ واقعہ معراج کی احادیث سے ثابت ہے۔

دلائل:

۱۔ قرآن پاک پ ۲ ع ۳ میں ہے لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ" وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ، جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تم (ان کی زندگی) سمجھ نہیں سکتے۔ یہ آیت حیات شہداء میں نص قطعی ہے اور شہید کی اس حیات کا سبب صرف قتل ہونا نہیں ہے ورنہ ہر مقتول کو زندہ کہنا چاہیے بلکہ اصل سبب اللہ کی راہ میں ہونا ہے یعنی وہ قتل حیات کا سبب ہے جو فی سبیل اللہ کی قید سے مقید ہو۔ جیسے ڈاکٹر مریض کو کہے کہ تیرے لیے ٹھنڈا پانی مضر ہے تو اس کیلئے مطلقاً پانی مضر نہیں ہے۔ گرم پانی پی لے تو اس کیلئے نقصان دہ نہیں ہوگا بلکہ وہ پانی مضر ہے جو ٹھنڈک کی قید سے مقید ہو۔ تو مضرت کی علت ٹھنڈک ہوئی نہ کہ پانی۔ اسی طرح حیات شہید کی علت "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" ہے اور شہید کا قتل چونکہ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہوا یعنی اللہ کی راہ میں ہوا لہٰذا یہ قتل حیات کا سبب بن گیا اور انبیاء علیہم السلام کی موت بھی فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہوتی ہے بلکہ ان کا تو ہر قول و فعل، زندگی اور موت سب کچھ اللہ کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (اے حبیب ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میرا فوت ہونا سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے تو شہید جس کی صرف موت اللہ کیلئے ہے وہ زندہ ہو تو نبی جس کا سب کچھ اللہ تعالیٰ

کیلئے ہو وہ کیسے مردہ ہو سکتا ہے؟۔

۲۔ صحیح مسلم ج ۲ باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام میں حدیث ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اَتَیْتُ عَلٰی مُوْسٰی لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ'' جس رات مجھے سیر (معراج) کرائی گئی میرا گزر سرخ ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے ہوا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

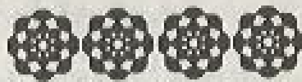
۳۔ مشکوٰۃ المصابیح کے باب الجمعہ میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَکْثِرُوْا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ یَشْهَدُهُ الْمَلٰئِکَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰهِ حَیٌّ یُرْزَقُ ۔ جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو۔ بیشک یہ دن حاضری کا ہے کہ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی مجھ پر درود پڑھے گا ضرور اسکا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جائے ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی وَبَعْدَ الْمَوْتِ اور آپ کے وصال کے بعد کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔

۴۔ حافظ الحدیث امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۶۹ مطبوعہ بیروت میں فرماتے ہیں صَحَّ عَنْهُ ﷺ اَنَّ الْاَرْضَ لَا تَاْکُلُ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَتَحْصُلُ مِنْ جُمْلَةِ هٰذَا الْقَطْعُ بِاَنَّهُمْ غُیِّبُوْا عَنَّا بِحَیْثُ لَا نُدْرِکُهُمْ

وَاِنْ کَانُوْا مَوْجُوْدِیْنَ اَحْیَاءً وَّذٰلِکَ کَالْحَالِ فِی الْمَلٰئِکَةِ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَاِنَّهُمْ مَوْجُوْدُوْنَ اَحْیَاءٌ لَا یَرَاهُمْ اَحَدٌ مِنْ نَوْعِنَا اِلَّا مَنْ خَصَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِکَرَامَتِهٖ (ترجمہ) آپ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) بیشک زمین انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی تو اس تمام سے یہ قطعی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غیب کر دیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے اگرچہ موجود ہیں، زندہ ہیں اور یہ حال فرشتوں کے حال کی طرح ہے کہ وہ بھی موجود ہیں، زندہ ہیں ہم جیسوں میں سے کوئی انہیں نہیں دیکھ سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ عزت و کرامت کے ساتھ خاص کر دے۔

۵۔ علامہ ابن عابدین شامی اپنے فتاویٰ شامی میں ج ۳ ص ۳۲۷ میں فرماتے ہیں اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ بیشک انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''فیوض الحرمین'' ص ۲۸ میں لکھتے ہیں اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَا یَمُوْتُوْنَ وَاِنَّهُمْ یُصَلُّوْنَ وَیَحُجُّوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ وَاِنَّهُمْ اَحْیَاءٌ'' بیشک انبیاء کرام (حقیقی موت) نہیں مرتے اور بیشک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں۔



خصائص حضور سید المرسلین ﷺ

○ دیگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کسی ایک قوم یا ایک علاقہ کے لوگوں کیلئے ہوئی اور حضور سید المرسلین ﷺ ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے جس طرح تمام انسانوں پر حضور ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری فرض ہے اسی طرح جن، ملائکہ، جمادات اور حیوانات پر بھی آپ ﷺ کی فرمانبرداری ضروری ہے۔

○ حضور رسول کریم ﷺ تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں اور مسلمانوں پر نہایت ہی مہربان ہیں۔

○ حضرت مصطفی کریم ﷺ کو اللہ تعالی نے محبوبیت کبری کے مرتبہ پر فائز فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح محبوب کو راضی رکھا جاتا ہے اور اس کی بات رد نہیں کی جاتی اللہ تعالی بھی اپنے حبیب ﷺ کو خوش رکھتا ہے، آپ ﷺ کی چاہتوں کو پورا فرماتا ہے اور اپنے فضل سے آپ ﷺ کی بات کو رد نہیں کرتا۔

○ آپ ﷺ کے معجزات سے واقعہ معراج ہے کہ رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں جاگتے ہوئے جسم کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی وعرش کی آپ کو سیر کروائی گئی اور اس سے آپ کو وہ کمال اور قرب خاص حاصل ہوا جو آپ کے سوا کسی انسان اور فرشتے کو کبھی حاصل نہ ہوا۔ آپ نے جمال الہی بچشم سر دیکھا، بلا واسطہ اللہ تعالی کا کلام سنا اور تمام ملکوت السموت والارض کا مشاہدہ فرمایا۔ آپ ﷺ کا مسجد

حرام سے مسجد اقصی تک اسراء قرآن سے ثابت ہے۔ اس کا انکار کفر ہے اور مسجد اقصی سے آسمانوں اور ان سے گزرنے کا ذکر احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے جس کا انکار گمراہی ہے اگرچہ کفر نہیں اور آسمانوں سے آگے جانا اور طرح طرح کے عجائبات کا مشاہدہ کرنا احادیث آحاد سے ثابت ہے اس کا انکار کرنا درجات اخروی وسعادت سے محرومی کا موجب ہے۔

○ اہلسنت حضور ﷺ کو خاتم النبیین بمعنی آخری نبی تسلیم کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد تا قیامت کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ جو شخص حضور ﷺ کے زمانہ میں یا حضور ﷺ کے بعد کسی کو نبوت ملنا تسلیم کرے یا جائز جانے تو وہ کافر ہے۔

○ قیامت کے دن آپ ﷺ سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے۔ شفاعت کبری آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہے۔ جب تک آپ ﷺ شفاعت کا دروازہ نہ کھولیں گے کسی نبی، ولی کو مجال شفاعت نہ ہوگی۔ منصب شفاعت آپ ﷺ کو دیا جا چکا ہے آپ ﷺ کی حدیث ہے اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ۔ آپ ﷺ کیلئے ہر قسم کی شفاعت ثابت ہے یعنی شفاعت بالوجاہت، شفاعت بالمحبت اور شفاعت بالاذن ان میں سے کسی شفاعت کا انکار وہی شخص کرے گا جو گمراہ ہوگا۔

○ کمال ایمان کا مدار آپ ﷺ کی محبت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اسے اس کے والد، اسکی اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ آپ ﷺ کے ساتھ محبت سے ہے کہ آپ ﷺ سے تعلق رکھنے

والی ہر شے سے محبت وعقیدت رکھے۔ حضور ﷺ کی آل، آپ ﷺ کے تمام اصحاب، آپ ﷺ کی احادیث، آپ ﷺ کے آثار شریفہ بلکہ آپ ﷺ کی وجہ سے تمام مسلمان عربوں سے محبت رکھے اگرچہ ان کی طرف سے نامناسب رویہ دیکھنے کو ملے۔

حضور ﷺ کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نیز فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (اے حبیب) آپ کہہ دیجئے (اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، (اس کے نتیجہ میں) اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

○ حضور ﷺ کی تعظیم (یعنی ساری مخلوق سے زیادہ آپ کی عظمت و بلند رتبے کا اعتقاد رکھنا) اور اپنے فعل سے آپ ﷺ کی عزت واحترام کا اظہار کرنا فرض ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔" تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ "ایمان کے بعد آپ ﷺ کی تعظیم واحترام ہر فرض سے مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوہ خیبر سے واپسی پر منزل صہباء میں حضرت نبی کریم ﷺ عصر کی نماز پڑھ کر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جنہوں نے ابھی تک نماز عصر نہ پڑھی تھی اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ سورج غروب ہو رہا ہے نے آپ ﷺ کے سر کے نیچے سے زانو نہ ہٹایا۔ صرف اس وجہ سے کہ کہیں آپ ﷺ کی نیند میں خلل نہ آئے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ ﷺ بیدار ہوئے تو حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کا حال عرض کیا۔ حضور ﷺ نے دعا کی ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا۔ مولیٰ علی نے نماز ادا کی۔ سورج پھر ڈوب گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ افضل العبادات نماز اور وہ بھی صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے حضور ﷺ کی نیند پر قربان کر دی کیونکہ یہ عبادتیں بھی حضور ﷺ ہی کے صدقہ ووسیلہ سے ملی ہیں۔

حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح آپ ﷺ کی ظاہری زندگی میں تھی۔ لہٰذا جب آپ ﷺ کا ذکر آئے خشوع وخضوع سے سنے اور نام پاک سنتے ہی آپ ﷺ پر درود پڑھے۔ نام پاک جب لکھے تو اس کے بعد ﷺ لکھے۔ اختصار کیلئے آپ کے نام پر پورے درود کی بجائے "ؐ" نہ لکھے کیونکہ صرف "ؐ" لکھنا ناجائز ہے۔

آپ ﷺ کی شان میں جو الفاظ بولے جائیں ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں کوئی ایسا لفظ نہ بولے جس میں کم تعظیمی کی بو بھی ہو۔ مثلاً یہ نہ کہے کہ محمد نے کہا یا نبی نے کہا بلکہ کہے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا، حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

○ حضور ﷺ کو آپ ﷺ کا نام لے کر اس طرح نہ پکارے جیسے عام لوگوں کو آواز دی جاتی ہے کہ یہ ناجائز ہے بلکہ ادب سے یوں عرض کرے يَا نَبِیَّ اللّٰهِ، يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ ہاں اگر وصفی معنی کی نیت سے یا محمد کہے یعنی اے وہ ذات پاک جس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے اور کی جائے گی تو یہ جائز ہے۔

○ دین اور دنیا کے کاموں میں حضور ﷺ کا طریقہ معلوم کرنے کی کوشش کرے اور جب معلوم ہو جائے کہ اس کام میں حضور ﷺ کی سنت وطریقہ یہ تھا تو اس کے مطابق عمل

کرے کیونکہ یہ محبت کا تقاضا اور نشانی ہے۔

○ آپ ﷺ کے کسی قول و فعل اور حال کو حقیر و گھٹیا نہ جانے ورنہ کافر ہو جائے گا۔ حضور سید المرسلین ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب مطلق ہیں تمام جہان میں ان کے رب کے سوا کوئی ان کی بات پھیرنے والا نہیں ہے اور ان کا رب جل شانہ بھی اپنے فضل سے ان کی بات کو رد نہیں کرتا۔ آپ ﷺ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں اور سارا جہان آپ ﷺ کا محکوم ہے۔ تمام جہان حضور ﷺ کے تصرف میں کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ جسے جو چاہیں عطا فرمائیں اور جو چاہیں واپس لے لیں۔ آپ ﷺ کا یہ تصرف اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے تحت ہی ہوتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کو علم غیب عطا کیا گیا

○ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو امور غیبیہ پر مطلع فرمایا ہے اور آپ ﷺ کو تمام "مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" [1] کا علم عطا فرمایا ہے۔

---

[1] دو باتیں ذہن نشین رہنی چاہییں۔ ایک یہ کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی، استقلالی یا ذاتی (۲) اضافی، وہبی، عطائی یا تعلیمی۔ اول قسم سے مراد وہ علم ہے جو کسی ذریعہ و وسیلہ اور کسی کے بتائے بغیر ہو۔ یہ قسم اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اور دوسری قسم سے مراد وہ علم ہے جو کسی ذریعہ یا کسی کے بتانے سے حاصل ہو۔ یہ علم حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے واسطے سے اولیاء کیلئے ثابت ہے قرآن میں جس جس جگہ اللہ کے سوا سے علم غیب کی نفی کا ذکر ہے تو وہ نفی غیر اللہ کے علم ذاتی کی ہے، عطائی کی نہیں۔ عطائی علم غیب انبیاء کیلئے قرآن ہی کی کئی آیتوں سے ثابت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کیلئے ماکان و مایکون

تمام اولین و آخرین کے علوم حضرت رسول اللہ ﷺ کے علوم کے سامنے اس طرح ہیں جیسے قطرہ سمندر کے مقابل ہوتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ اپنی کتاب الدولۃ

کا علم غیب ماننے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری اور شرک لازم نہیں آتا اس لیے کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْن کا علم متناہی ہے کیونکہ جو کچھ ہو چکا ہے اگرچہ ہم اسے شمار نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی کل تعداد جانتا ہے تو وہ متناہی ہوا اور جو قیامت یا جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک ہوگا وہ بھی متناہی ہے کہ اس کی ایک حد ہے۔ تو متناہی کو متناہی کے ساتھ ملانے سے حاصل متناہی ہوگا اور متناہی اشیاء کا علم بھی متناہی ہوگا اور متناہی علم مخلوق کے لائق ہے۔ اللہ جل شانہ کا علم پاک تو غیر متناہی ہے کہ وہ معدومات کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابل ساری مخلوق کا علم وہ حیثیت بھی نہیں رکھتا جو ایک قطرے کو سمندر کے مقابل ہوتی ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ الدولۃ المکیہ کی القسم الاول میں لکھتے ہیں فَثَبَتَ اَنَّ اِحَاطَةَ اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ بِمَعْلُوْمَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى جِهَةِ التَّفْصِيْلِ التَّامِّ مُحَالٌ" شَرْعاً وَّعَقْلاً بَلْ لَوْ جُمِعَ عُلُوْمُ جَمِيْعِ الْعَالَمِيْنَ اَوَّلاً وَّآخِراً لَمَا كَانَتْ لَهَا نِسْبَةٌ" مَا اَصْلاً اِلٰى عُلُوْمِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى حَتّٰى كَنِسْبَةِ حِصَّةٍ مِّنْ اَلْفِ اَلْفِ حِصَّةِ قَطْرَةٍ اِلٰى اَلْفِ اَلْفِ بَحْرٍ (ترجمہ) "تو ثابت ہوا کہ مخلوق میں سے کسی فرد کا تمام معلومات الٰہیہ کو پوری تفصیل کے ساتھ محیط ہو جانا شرعاً و عقلاً دونوں طرح محال ہے بلکہ اگر تمام اولین و آخرین سب کے علوم جمع کر لیے جائیں تو ان کے مجموعہ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علوم سے بالکل کوئی نسبت نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ کو دس لاکھ

الملیہ میں فرماتے ہیں فَعُلُوْمُ اٰدَمَ وَعُلُوْمُ الْعَالَمِ وَعُلُوْمُ اللَّوْحِ وَعُلُوْمُ الْقَلَمِ کُلُّھَا قَطْرَۃٌ" مِّنْ بِحَارِ عُلُوْمِ حَبِیْبِنَا تو آدم علیہ السلام کے علوم، تمام جہانوں کے علوم، لوح کے علوم اور قلم کے علوم یہ سب ملکر ہمارے محبوب ﷺ کے علموں کے سمندروں سے ایک بوند ہیں۔ امام بوصیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ میں آپ ﷺ کے حضور عرض کرتے ہیں۔

؎ فَإِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(ترجمہ) بیشک آپ ﷺ کے کرم سے دنیا اور آخرت ہے اور لوح وقلم کا علم آپ ﷺ کے علوم کا ایک جزء ہے۔

سمندروں سے ہوتی ہے"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقابل دو ہم جنس چیزوں میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم اور مخلوق کے علم میں قطعاً کوئی مجانست نہیں ہے بلکہ ان میں کئی اعتبار سے فرق ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور مخلوق کا علم عطائی ہے، اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ذات کیلئے واجب ہے اور مخلوق کا علم ان کیلئے ممکن ہے، اللہ تعالیٰ کا علم ازلی، سرمدی، قدیم، حقیقی ہے اور مخلوق کا علم حادث ہے کیونکہ تمام مخلوق حادث ہے اور کوئی صفت اپنے موصوف سے پہلے نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ کا علم پیدا نہیں ہوا اور مخلوق کا علم پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا علم کسی کا مقدور نہیں ہے اور مخلوق کا علم مقدور ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کا باقی رہنا واجب ہے اور مخلوق کے علم کا باقی رہنا واجب نہیں ہے بلکہ وہ جائز الفناء ہے، اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر وتبدیلی محال ہے اور مخلوق کے علم میں تبدیلی ممکن ہے۔ اتنے تفرقات کے باوجود کوئی شخص اللہ کے علم اور مخلوق کے علم میں مساوات وشرک کا وہم کیسے کر سکتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ نے بہرہ اور اندھا کر دیا۔

دلائل: آپ ﷺ کے علم پاک کی اس قدر وسعت قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

۱۔ قرآن پاک کی سورۃ النساء پ ۵ ع ۱۶ میں ہے "وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا" "اور تمہیں سکھادیا جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اس آیت کے تحت تفسیر عرائس البیان ج ۱ ص ۱۵۹ میں ہے اَیْ عُلُوْمَ عَوَاقِبِ الْخَلْقِ وَعِلْمَ مَا کَانَ وَمَا سَیَکُوْنُ یعنی مخلوق کی عاقبتوں کے علوم اور مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم۔

۲۔ صحیح بخاری شریف ج ۱، کتاب بدء الخلق ص ۴۵۳ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے یَقُوْلُ قَامَ فِیْنَا النَّبِیُّ ﷺ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ مَنَازِلَھُمْ حَفِظَ ذٰلِکَ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (خطبہ ارشاد فرمانے کیلئے) ہم میں کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے ہمیں خبر دی ابتدائے پیدائش سے لیکر یہاں تک کہ جنتی اپنی منزلوں اور دوزخی اپنی منزلوں میں داخل ہوں۔ اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔

۳۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ میں حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے۔ ابوزید فرماتے ہیں کہ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّھْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَ بِمَا کَانَ وَبِمَا ھُوَ کَائِنٌ" فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا (ترجمہ) ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی

اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ تو آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا پھر آپ ﷺ اترے اور نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لے گئے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو آپ ﷺ نے ہمیں خبر دی اس سب کی جو ہو چکا اور جو ہونے والا تھا تو ہم میں زیادہ معلومات رکھنے والا (وہ شخص ہے جو) ہم میں زیادہ حافظے والا ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کی قوت بصارت

○ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اگر توجہ فرمائیں تو جہاں کی کوئی چیز آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ امت کے اعمال سے باخبر ہیں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے آپ ﷺ اس کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو۔

دلائل:

۱۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ میں حدیث ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ان اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ حَتّٰی رَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا یہاں تک کہ میں نے اسکے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا۔

۲۔ مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۹۳ اور کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۷۸ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَاھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی

کَفِّیْ ھٰذِہٖ" حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ نے میرے لیے دنیا کو ظاہر کر دیا تو میں دنیا اور اس میں قیامت کے دن تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

۳۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۳۸۷ میں فرماتے ہیں لَا فَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وَحَیَاتِہٖ ﷺ فِیْ مُشَاھَدَتِہٖ لِاُمَّتِہٖ وَمَعْرِفَتِہٖ بِاَحْوَالِھِمْ وَنِیَّاتِھِمْ وَعَزَائِمِھِمْ وَخَوَاطِرِھِمْ وَذٰلِکَ عِنْدَہٗ جَلِیٌّ "لَا خِفَاءَ بِہٖ۔ یعنی حضور ﷺ کی حیات و وفات میں کچھ فرق نہیں آپ ﷺ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں ان کی حالتوں، ان کی نیتوں ان کے ارادوں اور ان کے دلوں کے خیالات تک کو پہچانتے ہیں اور یہ سب آپ ﷺ پر روشن ہے اس میں کسی قسم کی پوشیدگی نہیں ہے۔

۴۔ صحیح بخاری ج ۱ باب صلوٰۃ الکسوف جلد ۱ ص ۱۴۲ میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں سورج گہنا گیا۔ آپ ﷺ نے نماز (کسوف) پڑھائی۔ جب آپ ﷺ پھرے تو سورج منکشف ہو چکا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے کھڑے ہونے کی جگہ میں (ہاتھ لمبا کر کے) کوئی چیز پکڑی ہے پھر ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ پیچھے کی طرف ہٹے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّۃَ وَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَصَبْتُہٗ لَاَکَلْتُمْ مِنْہُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا وَاُرِیْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ مَنْظَرًا کَالْیَوْمِ قَطُّ اَفْظَعَ وَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَھْلِھَا النِّسَاءَ قَالُوْا بِمَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ بِکُفْرِھِنَّ قِیْلَ اَیَکْفُرْنَ بِاللّٰہِ قَالَ یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وَیَکْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدَاھُنَّ الدَّھْرَ کُلَّہٗ

ثُمَّ رَأَتْ مِنْکَ شَیْئًا قَالَتْ مَارَاَیْتُ مِنْکَ خَیْرًا قَطُّ ۔ (ترجمہ) میں نے جنت کو دیکھا اور انگوروں کا خوشہ اپنے ہاتھ میں لیا اگر میں اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے اور (جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ) مجھے جہنم دکھائی گئی تو میں نے آج کے دن کی طرح کبھی کوئی برا منظر نہیں دیکھا اور میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا لوگوں نے عرض کیا۔ کیوں یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے کفر (ناشکری) کی وجہ سے۔ کہا گیا کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی بے قدری کرتی ہیں۔ اگر تو ان میں سے کسی ایک سے پوری زندگی نیکی کرے پھر وہ تجھ سے کوئی معمولی سی ناپسندیدہ چیز دیکھ لے تو کہے گی کہ میں نے تو کبھی تجھ سے خیر نہیں دیکھی۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ زمین پر کھڑے ہو کر جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ تو جو رسول کریم ﷺ نیچے زمین پر کھڑے ہو کر اوپر جنت کو دیکھ سکتے ہیں کیا وہ اوپر جنت میں تشریف فرما ہو کر نیچے زمین کو نہیں دیکھ سکتے؟

رسول اللہ ﷺ کی قوت سماعت

○ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بے مثال قوت بصارت کی طرح قوت سماعت بھی اس قدر کامل عطا فرمائی ہے کہ آپ ﷺ دور اور نزدیک کی آواز کو یکساں سنتے ہیں۔

دلائل:

۱۔ حضرت ابوذر غفاری ﷺ سے حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ" (حوالہ مشکوٰۃ

ص ۴۵۷) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔

۲۔ دلائل الخیرات شریف کے فضائل صلوٰۃ کی آخری حدیث ہے "قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَرَاَیْتَ صَلٰوۃَ الْمُصَلِّیْنَ عَلَیْکَ مِمَّنْ غَابَ عَنْکَ وَمَنْ یَّاْتِیْ بَعْدَکَ مَا حَالُھُمَا عِنْدَکَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَاَعْرِفُھُمْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلٰوۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ خبر دیجئے ان درود بھیجنے والوں کے بارے میں جو آپ پر درود بھیجتے ہیں ان لوگوں میں سے جو آپ سے دور ہیں یا ان لوگوں میں سے ہیں جو آپ کے بعد آئیں گے آپ کے نزدیک ان دو قسم کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے عاشقوں کا درود خود سنتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں اور ان کے سوا (دیگر مسلمانوں) کا درود مجھ پر (فرشتوں کے ذریعہ) پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ صحیح بخاری میں حدیث لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ الخ کی شرح کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَکَذٰلِکَ عَبْدٌ" اِذَا وَاظَبَ عَلَی الطَّاعَاتِ بَلَغَ الْمَقَامَ الَّذِیْ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَبَصَرًا فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ سَمْعًا لَّہٗ سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ بَصَرًا لَّہٗ رَاَی الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ یَدًا لَّہٗ قَدَرَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِی الصَّعْبِ وَالسَّھْلِ وَالْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۶۸۸) اور اسی طرح بندہ جب نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا

ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے "کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا" فرمایا ہے تو جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سننے لگتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھنے لگتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ مشکل و آسانی میں دور اور قریب میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ جب اولیاء کرام کی یہ شان ہے کہ وہ مقام محبوبیت پر فائز ہونے کے بعد دور و نزدیک کی آوازوں کو سنتے ہیں تو پھر سید المرسلین ﷺ کے بارے میں کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ قبر اطہر سے دور موجود امتیوں کی آوازوں کو خود نہیں سن سکتے۔ اولیاء کو یہ اعزاز تو آپ ﷺ کی متابعت ہی کی وجہ سے حاصل ہوا ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۔ آج کل ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹیلی فون وغیرہ سائنسی ایجادات کے ذریعہ ہزاروں میل کے فاصلے سے آواز سن لی جاتی ہے اور تصویری آلہ کے ذریعہ ان کو دیکھ کر پہچان لیا جاتا ہے۔ تو کیا اللہ کے پیارے محبوب اپنی روحانی خدا داد قوت سے اپنے عاشقوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے صلوٰۃ و سلام کی آواز نہیں سن سکتے؟ کیوں نہیں آپ ﷺ خود ان کے صلوٰۃ و سلام کو سنتے ہیں اور انہیں پہچانتے بھی ہیں۔



مسئلہ حاضر و ناظر

○ اہلسنت حضور نبی کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی بشریت مطہرہ (جسم عنصری) ہر جگہ اور ہر ایک کے سامنے موجود ہے۔ [1] بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح عالم جسمانیت کا آفتاب (سورج) چوتھے آسمان پر ہونے کے باوجود اس کی شعاعیں بالواسطہ (رات کے وقت چاند اور ستاروں کے ذریعے) یا بلا واسطہ (دن کے وقت) تمام زمین اور فضاء میں سرایت کیے ہوئی ہیں اور ساری دنیا شعوری یا لاشعوری طور پر اس سے مستفید ہو رہی ہے اسی طرح عالم روحانیت کے آفتاب حضرت سید المرسلین ﷺ جنہیں قرآن نے بھی سراجاً منیراً فرمایا ہے کی روحانیت و نورانیت جہان کے ذرہ ذرہ میں سرایت کیے ہوئے ہے اور تمام

---

[1] حضرت سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کیلئے جو لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے اسکے یہ معنی ہرگز نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بشریت مطہرہ ہر جگہ ہر ایک کے سامنے موجود ہوتی ہے بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزء میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روح دو عالم ﷺ کی حقیقت منورہ ذرات عالم کے ہر ذرہ میں جاری و ساری ہے جسکی بناء پر حضور ﷺ اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور اہل اللہ اکثر و بیشتر بحالت بیداری اپنی جسمانی آنکھوں سے حضور ﷺ کے جمال مبارک کا مشاہدہ کرتے ہیں۔
(تسکین الخواطر فی مسئلۃ الحاضر و ناظر ص ۱۳)

جہان آپ ﷺ کی رحمت اور فیوض و برکات سے مستفیض ہو رہا ہے اور جس طرح بینا آدمی نظر اٹھا کر سورج کو دیکھے تو نہ صرف سورج اور اس کی کرنوں کو بلکہ مقابل زمین پر اس کی ضیاء اور انوار کو واضح طور پر دیکھتا ہے اسی طرح وہ اہل اللہ جن کے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے حجاب اٹھا دیے ہیں اور وہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہیں نہ صرف آپ ﷺ کے انوار سے تمام جہانوں کو منور دیکھتے ہیں بلکہ بعض دفعہ حالت بیداری میں آپ ﷺ کے جمال مبارک کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

دلائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور (اے حبیب) ہم نے نہیں بھیجا آپ ﷺ کو مگر رحمت تمام جہانوں کیلئے۔

اس آیت کریمہ کے تحت مفسر قرآن علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وَكَوْنُهٗ ﷺ رَحْمَةً لِّلْجَمِيْعِ بِاِعْتِبَارِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاسِطَةُ الْفَيْضِ الْاِلٰهِيِّ عَلَى الْمُمْكِنَاتِ عَلٰى حَسْبِ الْقَوَابِلِ وَلِذَا كَانَ نُوْرُهٗ ﷺ اَوَّلَ الْمَخْلُوْقَاتِ فَفِي الْخَبَرِ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْرَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ وَجَاءَ اَللّٰهُ الْمُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ" [1] اور نبی کریم ﷺ کا تمام جہانوں کیلئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ ﷺ تمام ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے مطابق فیض الٰہی کا واسطہ ہیں اور اسی لیے آپ ﷺ کا نور ساری مخلوق میں سے اول ہوا۔ حدیث میں ہے اے جابر اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے پہلے پیدا کیا اور (دوسری حدیث میں) آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ

[1] روح المعانی / پ ۱۷ / ص ۹۷

عطا فرمانے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

۲۔ قرآن مجید میں اللہ رب العالمین جل شانہ فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا اے نبی ہم نے آپ ﷺ کو شاہد (حاضر و ناظر) بنا کر بھیجا۔ شاہد کا اصل معنی حاضر و ناظر ہے چنانچہ امام راغب اصفہانی مفردات ص ۲۶۹ میں لکھتے ہیں اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ الْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ یعنی شہود اور شہادت کا معنی ہے حاضر ہونا جس کے ساتھ مشاہدہ (دیکھنا) بھی پایا جائے عام ازیں کہ یہ مشاہدہ آنکھ کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ ہو۔ عربی زبان میں گواہ کو بھی شاہد کہتے ہیں کیونکہ وہ جائے واردات پر حاضر ہوتا ہے اور ہونے والے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے اس نے دیکھا ہوتا ہے۔ محبوب کو بھی شاہد کہتے ہیں کہ وہ بھی دل عاشق میں حاضر ہوتا ہے تو شاہد کا اصل معنی حاضر ہوا اور جو حاضر ہو وہ ناظر بھی ہوتا ہے تو آیت کا معنی ہوا اے نبی ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا۔

۳۔ مشہور تابعی حضرت عمرو بن دینار نے اللہ تعالیٰ کے قول فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلٰۤى اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ [1] ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفاء ص ۳۲ میں لکھتے ہیں "اَیْ لِاَنَّ رُوْحَهٗ حَاضِرَةٌ" فِیْ بُیُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ" اس لیے کہ آپ ﷺ کی روح مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہوتی ہے۔

[1] الشفا للقاضی عیاض المالکی / ج ۲ فصل فی المواطن التی یستحب فیها الصلوۃ والسلام

۴۔ نمازی کو حکم دیا گیا کہ وہ نماز میں خطاب وندا کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کے الفاظ سے ہدیہ سلام پیش کرے۔ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ اپنی کتاب ''المیزان'' ص ۱۴۵ میں فرماتے ہیں ''میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ شارع (حقیقی، اللہ جل شانہ) نے تشہد میں نمازی کو رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم صرف اس لیے دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیٹھنے والے غافلوں کو اس بات پر تنبیہ فرمادے کہ جہاں وہ بیٹھے ہیں اس بارگاہ میں ان کے نبی ﷺ بھی تشریف فرما ہیں اس لیے کہ وہ دربار خداوندی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ پس نمازی نبی کریم ﷺ کو بالمشافہہ (روبرو) سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔ [1]

محدث حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف فتح الباری صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۵۰ میں لکھتے ہیں ''اہل عرفان کے طریقہ پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حَیٌّ لَا یَمُوْتُ کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ان کی آنکھیں فرحت مناجات سے ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں اس بات کی تنبیہ کی گئی کہ بارگاہ خداوندی میں جو انہیں یہ شرف باریابی حاصل ہوا ہے یہ سب نبی رحمت ﷺ کی پیروی کرنے کے طفیل ہے۔ نمازیوں نے اس حقیقت سے باخبر ہو کر بارگاہ خداوندی میں جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حبیب کے حرم میں حبیب حاضر ہے یعنی دربار خداوندی میں نبی کریم ﷺ جلوہ گر ہیں۔ حضور ﷺ کو دیکھتے ہی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا

[1] تسکین الخواطر للعلامہ کاظمی / ص ۴۵

النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے۔ [1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۰۱ میں لکھتے ہیں ''اور بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تمام موجودات کے ذرات اور افراد ممکنات میں جاری وساری ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں لہٰذا نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور حضور ﷺ کے اس حاضر ہونے سے غافل نہ ہو۔ تا کہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے روشن اور فیض یاب ہو۔ [2]



[1] تسکین الخواطر فی مسئلۃ الحاضر والناظر / ص ۳۶، ۴۷

[2] تسکین الخواطر / ص ۳۹

بشریت مصطفیٰ ﷺ

○ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ مصطفیٰ کریم ﷺ بشر تھے لیکن کسی امتیازی وصف کے بغیر آپ کو بشر کہنا خلاف ادب ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ " مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ میں بشر کے ساتھ وصف يُوْحٰى اِلَيَّ مذکور ہے یعنی میں عام بشر نہیں ہوں بلکہ ایسا بشر ہوں جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اسی وحی نے آپ ﷺ اور دیگر افراد بشر میں اس قدر فرق کر دیا ہے کہ اس مہبط وحی کی صحبت میں بیٹھنے والے کے برابر کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ خود مہبط وحی کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کیا جائے۔[1] اور آیت میں مِثْلُكُمْ سے

---

[1] ہمارے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان صفات بشریت میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۱ آیت اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا الآیۃ کی تفسیر میں علامہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المنہاج" سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام جسمانی قوتوں اور روحانی قوتوں میں اپنے غیر سے مختلف ہوتے ہیں اس لیے کہ قویٰ جسمانیہ یا تو مدرکہ ہیں یا محرکہ ہیں اور مدرکہ تو یہ حواس ظاہرہ ہیں یا حواس باطنہ ہیں اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں۔

پہلی حس قوۃ باصرہ (دیکھنے کی قوت): اور قسم ہے بالیقین رسول اللہ ﷺ اس صفت کے کمال کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس پر دو دلیلیں ہیں۔ ایک تو آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ فَاُرِيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا (میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی تو

مراد مماثلت من کل وجوہ نہیں ہے بلکہ صرف خدا نہ ہونے میں ہے یعنی میں بشر ہوں مثل

مجھے اس کے مشرق و مغرب دکھائے گئے)۔ دوسری دلیل: آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ' (اپنی صفوں کو ٹھیک کرو اور چٹ کر کھڑے ہو بیشک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں)۔ آپ ﷺ کی اس قوت کی نظیر وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے حاصل ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یعنی اے حبیب جس طرح ہم آپ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہیاں دکھاتے ہیں اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہیاں دکھاتے ہیں) اس کی تفسیر میں علامہ حلیمی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں اتنی قوت پیدا کر دی تھی کہ آپ نے اوپر اور نیچے کے تمام ملکوت کا مشاہدہ فرمایا۔ حلیمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زرقاء یمامہ تین دن کی مسافت سے شی کو دیکھ لیتی تھی۔ تو بعید نہیں کہ نبی ﷺ کی نظر اس کی نظر سے زیادہ تیز ہو۔

دوسری قوت سامعہ (سننے کی قوت): حضرت نبی کریم ﷺ اس قوت میں تمام لوگوں سے زیادہ قوی تھے۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔ ایک تو آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ "اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقَّ" لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِيْهَا مَوْضِعُ قَدَمٍ اِلَّا وَفِيْهِ مَلَكٌ" سَاجِدٌ" لِلّٰهِ تَعَالٰى (آسمان چرچرایا اور اس کیلئے حق یہی ہے کہ وہ چرچرائے۔ اس میں ایک قدم کی جگہ نہیں مگر یہ کہ اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہا ہے) تو اس حدیث سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اِنَّهٗ سَمِعَ دَوِيًّا وَذَكَرَ اَنَّهٗ هَوِيُّ صَخْرَةٍ" قُذِفَتْ فِيْ جَهَنَّمَ فَلَمْ تَبْلُغْ قَعْرَهَا اِلَى الْاٰنَ

تمہاری کہ جس طرح تم خدا نہیں ہو اسی طرح میں بھی خدا نہیں ہوں لیکن ہر اعتبار سے مجھے

(آپ نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی اور ذکر فرمایا کہ یہ ایک چٹان گری ہے جو جہنم میں پھینکی گئی تو اب تک اس کی گہرائی کو نہ پہنچی تھی)۔ حلیمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فلسفیوں کیلئے آپ ﷺ کی اس قوت کو بعید از عقل جاننے کی طرف کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ ان کا گمان ہے کہ فیثا غورث نے اپنے آپ کو ریاضت میں ڈالا یہاں تک کہ اس نے آسمان کی خفیف حرکت سنی۔ آپ ﷺ کی اس قوت کی نظیر قصہ نمل میں سلیمان علیہ السلام کیلئے حاصل تھی۔ قرآن میں ہے قَالَتْ نَمْلَةٌ" يٰاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ، وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا (ملکہ چیونٹی نے کہا اے چیونٹیوں اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ سلیمان اور اس کے لشکر لاشعوری میں تمہیں مسل نہ دیں تو سلیمان علیہ السلام اس کی بات سے مسکرا پڑے)۔ تو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی گفتگو سنائی اور اس کے معنی پر بھی انہیں آگاہ کر دی اور یہ بات تقویت فہم کے باب میں داخل ہے اور یہ حضرت محمد ﷺ کو بھی حاصل ہوئی جس وقت آپ نے بھیڑیے اور اونٹ کے ساتھ کلام فرمایا۔

تیسری حس شامہ: سونگھنے کی قوت ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کے حق میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنی قمیض بھائی کو دی اور حکم دیا کہ جا کر یہ قمیض باپ کے چہرے پر ڈال دینا۔ قافلہ جب مصر سے چلا تو مصر سے کئی میل دور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹے کی خوشبو کو محسوس کیا اور فرمایا اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ بیشک مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

اپنی طرح نہ سمجھ لینا۔ میرے اور تمہارے درمیان فرق ہے کہ یُوْحٰى اِلَیَّ میری طرف وحی ہوتی ہے اور تمہاری طرف وحی نہیں ہوتی۔

چوتھی حس ذائقہ: یہ چکھنے کی قوت ہے جیسا کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہے کہ آپ نے زہر آلود دستی کے بارے میں فرمایا اِنَّ هٰذَا الذِّرَاعَ يُخْبِرُنِيْ اَنَّهٗ مَسْمُوْمٌ "بیشک بکری کی یہ دستی مجھے یہ بتا رہی ہے کہ وہ زہر آلود ہے۔

پانچویں حس لامسہ: یہ چھونے کی قوت ہے جیسا کہ خلیل اللہ علیہ السلام کے حق میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والی کر دیا۔ تو یہ عقل سے کیسے بعید ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی مثل سمندل اور شتر مرغ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے (کہ آگ ان پر اثر نہیں کرتی)

حواس باطنہ: حواس باطنہ میں سے ایک قوت حافظہ ہے اور حضور ﷺ کی قوت حافظہ کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ ﷺ بھولیں گے نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے گا)۔ حواس باطنہ میں سے ایک اور قوت ذکاء (ذہن کی تیزی) ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْفَ بَابٍ مِّنَ الْعِلْمِ وَاسْتَنْبَطْتُ مِنْ كُلِّ بَابٍ اَلْفَ بَابٍ (مجھے رسول اللہ ﷺ نے علم کے ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب خود مستنبط کیے) جب ولی کی یہ شان ہے تو نبی ﷺ کی شان کا عالم کیا ہوگا۔

قویٰ محرکہ: انکی مثال نبی ﷺ کا معراج کی طرف عروج اور زندہ حالت میں حضرت عیسیٰ، حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہم السلام کا آسمان کی طرف عروج ہے اس

نورانیت مصطفیٰ ﷺ

- ○ اہلسنت حضور ﷺ کو نور بھی مانتے ہیں۔ ۱
- ○ اہلسنت وجماعت حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین بالخصوص حضرت سید

کی ایک اور مثال اس آیت میں ہے قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ "مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ" کہ کئی دنوں کی مسافت سے تخت بلقیس پلک جھپکنے میں حاضر کر دیا گیا۔

قوی روحانیہ عقلیہ: جب انبیاء علیہم السلام کی قوی جسمانیہ عام آدمیوں سے کئی گنا بڑھ کر ہیں تو لازمی بات ہے کہ ان کی قوی روحانیہ عقلیہ تو غایت کمال اور نہایت صفاء میں ہوں گی۔

۱ یعنی آپ ﷺ کی روح مبارک تو نور ہے ہی آپ ﷺ کا جسم اقدس بھی نور ہے۔ بشریت اور نورانیت میں قطعاً تضاد نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو بشر ماننے کے ساتھ نور ماننے سے اجتماع ضدین لازم آئے۔ ان میں تضاد نہ ہونے اور آپ ﷺ کے نور ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی کبھی محال شی کا سوال نہیں کرتا حالانکہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے تمام اعضاء اور خود اپنی ذات کے نور ہونے کی دعا فرمائی۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵ کتاب الدعوات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے وَکَانَ فِیْ دُعَائِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا

المرسلین ﷺ کی ذات پاک، آپ کے آثار (متروکہ چیزیں) اور ہر اس شے جو آپ ﷺ کی

وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا (ترجمہ) اور آپ ﷺ کی دعا میں یہ الفاظ بھی تھے اے اللہ میرے دل میں نور کر دے، میری آنکھوں میں نور کر دے، میرے کانوں میں نور کر دے، میری دائیں طرف نور کر دے، میری بائیں طرف نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میرے آگے نور کر دے، میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور کر دے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں عَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ وَذَکَرَ خَصْلَتَیْنِ یعنی میرے پٹھوں کو نور کر دے، میرے گوشت کو نور کر دے، میرے خون کو نور کر دے، میرے بالوں کو نور کر دے، میرے چمڑے کو نور کر دے اور دو چیزیں اور ذکر فرمائیں۔ محشی کہتا ہے کہ شاید وہ دو چیزیں چربی اور ہڈی ہے۔ اس دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ پہلے نور نہ تھے۔ آپ ﷺ کی یہ دعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی طرح ہے جو کہ آپ ﷺ ہر نماز میں آخر عمر تک پڑھتے رہے حالانکہ آپ ﷺ بالیقین سیدھے راستے پر تھے۔ جب کسی شی کے بارے میں کوئی دعا کرتا ہے تو اس کے دو مطلب ہوتے ہیں ایک یہ کہ یا اللہ یہ شی مجھے عطا فرما یہ اس وقت ہوتا ہے جب پہلے وہ شی اس کے پاس نہ ہو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت مجھ سے واپس نہ لینا، سلب نہ کرنا۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب پہلے نعمت حاصل ہو۔ تو سیدھے راستے پر ہونا اور آپ ﷺ کا نور ہونا یہ چیزیں پہلے سے آپ ﷺ کو حاصل تھیں تو دعا کرنے سے مطلوب استقامت ہے اور اس نعمت کو ہمیشہ عطا فرمائے رکھنا ہے۔

طرف منسوب ہو سے نفع و برکت کی امید رکھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ۱

---

۱ تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا جواز قرآن وسنت اور صحابہ وغیرہ سلف صالحین کے عمل سے ثابت ہے (۱) قرآن پاک میں سورۃ یوسف کی آیت ۹۳ ہے اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا (میرا یہ کرتہ لے جاؤ اسے میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی) چنانچہ جب اس قمیص کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر ڈالا گیا تو فوراً آپ کی بینائی واپس آگئی۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص تھی جو کہ نبی تھے تو نبی کی قمیص سے نبی نے برکت حاصل کی۔ (۲) ماہ ذی قعدہ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ میں تھے تو قریش مکہ نے عروہ بن مسعود کو جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کیلئے بھیجا جب وہ واپس گئے تو قریش سے یوں کہنے لگے اَیْ قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُ عَلٰى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللّٰهِ اِنْ رَاَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهٗ اَصْحَابُهٗ مَا يُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا وَاللّٰهِ اِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهٗ وَجِلْدَهٗ وَاِذَا اَمَرَهُمْ اِبْتَدَرُوْا اَمْرَهٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهٗ وَمَا يُحِدُّوْنَ اِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهٗ وَاِنَّهٗ قَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوْهَا (صحیح بخاری ج ۱، کتاب الشروط ص ۳۷۹) اے میری قوم اللہ کی قسم میں بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں۔ میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے ہاں گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی تعظیم محمد ﷺ کے اصحاب محمد ﷺ کی کرتے

عالم برزخ، قبر

برزخ کے معنی ایک ایسی چیز کے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ چونکہ

ہیں۔ اللہ کی قسم جب وہ (محمد ﷺ) تھوکتے اور کھنگارتے ہیں تو وہ ان کے اصحاب میں سے کسی نہ کسی کی ہتھیلی میں گرتا ہے تو وہ اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے۔ جب وہ ان کو حکم دیتے ہیں تو وہ سب آپکے حکم کی تعمیل کیلئے جلدی کرتے ہیں اور جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو وضو کا مستعمل پانی حاصل کرنے کیلئے یوں لگتا ہے کہ گویا ابھی لڑ پڑیں گے اور جب وہ محمد ﷺ کلام کرتے ہیں تو سب ان کے پاس اپنی آوازیں دھیمی کر لیتے ہیں اور تعظیماً ان کی طرف تیز نگاہ نہیں کرتے انہوں نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے (میرا مشورہ یہ ہے کہ) تم اسے قبول کر لو۔ اس روایت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ آپ ﷺ کا حد درجہ احترام کرتے تھے اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی تھوک و کھنگار اور وضو کا پانی حصول برکت کے واسطے لینے کیلئے حد درجہ بے تاب و مشتاق ہوتے تھے۔ (۳) حضرت محمد ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ (انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا مگر آپ ﷺ سے ملاقات نہ کر سکے) کو کہا کہ ہمارے پاس حضرت نبی کریم ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس یا ان کے گھر والوں کی طرف سے ملے ہیں تو حضرت عبیدہ نے کہا کہ لَاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِيْ شَعْرَةٌ مِّنْهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (صحیح بخاری ج ۱، کتاب الوضو ص ۲۹) میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا مجھے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، سے زیادہ محبوب ہے۔ (۴) ردالمختار المعروف بفتاویٰ شامی کی ج ۱ ص ۴۱ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اِنِّیْ لَاَتَبَرَّكُ بِاَبِیْ

قبر کی زندگی دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے اس لیے اسے برزخ کہا گیا ہے برزخی جہان عالم غیب اور عالم ارواح سے ہے۔ عالم برزخ زمین و آسمان پر کسی ایک معین جگہ میں نہیں ہے بلکہ یہ عالم محسوسات اور عالم شہادت (یعنی دنیا) کا دوسرا پہلو ہے مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام انسانوں اور جنوں کو اپنے مراتب کے مطابق اس میں رہنا ہوتا ہے۔ یہ جہاں دنیا سے بہت بڑا ہے۔

○ موت انسان کے بالکلیہ نیست و نابود ہو جانے کا نام نہیں بلکہ موت جسم سے روح کے نکل جانے کا نام ہے۔ جب روح نکل جاتی ہے تو عام طور پر جسم گل سڑ جاتا ہے لیکن اس کے اجزائے اصلیہ ایک ہی جگہ یا مختلف جگہوں میں باقی رہتے ہیں اور روح بھی ہر انسان کی باقی رہتی ہے خواہ نیک ہو یا برا۔ شیخ ابن عربی رحمہ اللہ فتوحات میں فرماتے ہیں کہ موت دو قسم کی زندگی کے درمیان ایک حالت برزخی کا نام ہے جس میں روح جسم برزخی خیالی اس طرح حاصل کرتی ہے جس طرح نیند کی حالت میں وہ ایک جسم خیالی حاصل کرتی ہے اور یہ خیالی جسم اس موجود مادی جسم سے پیدا ہوتا ہے۔

○ مرنے کے بعد تمام انسانوں کی روحیں ایک جگہ میں اکٹھی نہیں رہتیں بلکہ علیحدہ علیحدہ رہتی ہیں۔ مسلمانوں کی روحیں حسب مرتبہ مختلف مقامات میں رہتی ہیں۔ اکثر کی زمین پر اپنی قبروں میں، بعض کی آسمان و زمین کے درمیان، بعض کی پہلے، دوسرے،

حَنِيفَةَ وَاَجِيئُ اِلٰى قَبْرِهٖ فَاِذَا عَرَضَتْ لِيْ حَاجَةٌ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَسَاَلْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى عِنْدَ قَبْرِهٖ فَتُقْضٰى سَرِيْعًا (ترجمہ) میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر کی طرف آتا ہوں۔ مجھے جب کوئی حاجت پیش آجائے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور آپ کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تو جلدی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

تیسرے، ساتویں آسمان تک اور بعض کی آسمانوں سے اوپر، بعض کی بہشت میں، بعض کی روحیں زیر عرش قندیلوں اور بعض کی اعلیٰ علیین میں۔ مگر کہیں بھی ہوں اپنے جسم سے ان کو تعلق بدستور رہتا ہے جو کوئی قبر پر آئے اسے دیکھتے پہچانتے ہیں۔ مسلمان روحیں آپس میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں [1] اور کافروں کی روحیں بھی مختلف جگہوں پر رہتی ہیں۔ بعض

---

[1] غیر مقلدین کے امام علامہ ابن قیم کتاب الروح ص ۲۳ میں لکھتے ہیں اَلْاَرْوَاحُ الْمُنَعَّمَةُ الْمُرْسَلَةُ غَيْرُ الْمَحْبُوْسَةِ تَتَلَاقٰى وَتَتَزَاوَرُ وَتَتَذَاكَرُ مَا كَانَ مِنْهَا فِي الدُّنْيَا وَمَا كَانَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا یعنی انعام یافتہ روحیں آزاد ہوتی ہیں ان کو کسی ایک جگہ قید نہیں کیا جاتا وہ آپس میں ملاقات کرتی ہیں، زیارت کرتی ہیں، دنیا میں ہونے والی اپنی باتوں اور اہل دنیا کی طرف سے ہونے والی باتوں کا تذکرہ کرتی ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی تذکرۃ الموتیٰ ص ۳۱ میں لکھتے ہیں ارواح ایشاں در زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند و دوستان و معتقداں را در دنیا و آخرت مددگاری میفرمایند و دشمناں را ہلاک می نمایند (ترجمہ) ان کی روحیں زمین و آسمان اور بہشت میں جس جگہ چاہتی ہیں جاتی ہیں۔ دنیا اور آخرت میں اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں اسی تذکرہ میں ہے کہ در قبور نمازے خوانند و ذکر می کنند و قرآن می خوانند (ترجمہ) قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، ذکر کرتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں۔ بہار شریعت ج ۱ ص ۱۹ میں حدیث منقول ہے کہ اِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ يُخَلّٰى سِرْبُهٗ يَسْرَحُ حَيْثُ شَاءَ جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے تو وہ سیر و تفریح کرتا ہے جہاں چاہتا ہے۔

کی ان کی مرگھٹ یا قبر پر، بعض کی چاہ برہوت میں کہ یمن میں ایک نالہ ہے، بعض کی پہلی دوسری ساتویں زمین تک بعض کی اس کے بھی نیچے سجین میں رہتی ہیں۔ یہ بھی اپنے پاس سے گزرنے والے کو دیکھی پہچانتی ہیں مگر قید ہوتی ہیں اور کہیں آنے جانے کا اختیار نہیں رکھتیں۔

O جب لوگ مردے کو دفنا کر چلتے ہیں ابھی وہ مدفون ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے ظاہر ہو جاتے ہیں، ان کی شکلیں نہایت ڈراونی ہوتی ہیں ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ یہ فرشتے تین سوال کرتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ مَنْ رَّبُّکَ تیرا رب کون ہے۔ میت اگر مومن ہوگا تو جواب دے گا رَبِّیَ اللّٰہُ میرا رب اللہ ہے۔ اگر منافق یا کافر ہوگا تو کہے گا ھَاہ ھَاہ لَا اَدْرِیْ ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ دوسرا سوال یہ ہوگا مَا دِیْنُکَ تیرا دین کیا ہے اگر میت مسلمان ہے تو جواب دے گا دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ میرا دین اسلام ہے اور اگر منافق یا کافر ہوگا تو کہے گا ھَاہ ھَاہ لَا اَدْرِیْ۔ تیسرا سوال ہوگا۔ قبر میں حضور ﷺ کی زیارت کروائی جائے گی اور آپ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے گا مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ ھٰذَا الرَّجُلِ اس مرد کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا مسلمان جواب دے گا ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وہ تو اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور منافق یا کافر کہے گا لَا اَدْرِیْ کُنْتُ اَقُوْلُ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ میں نہیں جانتا۔ میں بھی وہی کہا کرتا تھا جو لوگ کہا کرتے تھے۔ مسلمان کے صحیح جواب پر آسمان سے ایک منادی کی آواز آئے گی کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کیلئے جنت کا بچھونا بچھا دو اور جنت کا لباس پہناؤ اور اس کیلئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ جنت کی ہوا اور خوشبو اس کے پاس آتی

رہے گی اور حد نگاہ تک اس کی قبر وسیع کر دی جائے اور کافر و منافق جب صحیح جواب نہ دے سکے گا تو آواز آئے گی کہ یہ جھوٹا ہے اس کیلئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اسے آگ کا لباس پہناؤ اور جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ اس کی گرمی اور لو اس کو پہنچے گی اور اس پر عذاب دینے کیلئے دو فرشتے مقرر ہوں گے جو اندھے بہرے ہوں گے وہ اس کو گرز سے ماریں گے نیز سانپ اور بچھو اسے عذاب پہنچائیں گے۔

O قبر کا عذاب حق ہے اور یوں ہی نیک لوگوں کیلئے قبر کی نعمتیں حق ہیں۔ قرآن کی بعض آیتوں مثلاً اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا اور مشہور حدیثوں سے اس کی حقانیت ثابت ہے عذاب قبر و تنعیم کا انکار گمراہی ہے۔

O انبیاء علیہم السلام کے جسم قبر میں محفوظ رہتے ہیں ان کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ حضور سید دو عالم ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ۔ (مشکوٰۃ) بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے علماء حق، شہداء، حفاظ جو قرآن کے مطابق عمل کرتے ہیں، ہمیشہ درود پڑھنے والے اور ہمیشہ حلال کھانے والے مسلمانوں کے جسم بھی قبر میں محفوظ رہتے ہیں۔ (حوالہ فتاویٰ شامی)



آخرت کو ماننا

آخرت یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ اسلام کے اہم عقائد سے ہے۔ مکہ کے کافروں کو اس سے سخت انکار تھا۔ اس عقیدہ کا انسان کی نفسیات پر بڑا اثر پڑتا ہے جب اسے یقین ہوگا کہ اس نے قیامت کے دن اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہے اور مجرم ہونے کی صورت میں سخت سزا کا سامنا کرنا ہے تو وہ گناہ سے بچا رہے گا، گناہ سرزد ہو جانے کی صورت میں فوراً توبہ کرے گا اور جس کا حق مارا ہے واپس کرے گا یا بخشوالے گا اور اگر قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہوگا تو ہر قسم کی لوٹ مار کرے گا، نفسانی خواہشات کیلئے ہر قسم کے گناہ میں پڑے گا۔

قیامت، حشر:

قیامت یہ اخروی زندگی کا پہلا مرحلہ ہے۔ قیامت دو طرح کی ہے ایک قیامت صغریٰ اس سے مراد موت ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ (جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی) اور دوسری قیامت کبریٰ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ زمین و آسمان اور اس میں موجود ہر شے ایک دن فنا ہو جائے گی پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تمام مخلوق کو پھر زندہ کرے گا۔ لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور میدان حشر جو شام کی زمین پر قائم ہوگا جمع ہوں گے۔ اس جمع ہونے کو حشر کہا جاتا ہے۔ لوگ اچھے اپنے اعمال کا حساب دیں گے پھر جو نیک ہوئے جنت میں جائیں گے اور جو برے ہوئے دوزخ میں جائیں گے۔ کافر دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور ایماندار لوگ جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب

ہوئے میدان قیامت یا جہنم میں داخل ہو جانے کے بعد انبیاء و اولیاء وغیرہم کی سفارش سے بخش دیئے جائیں گے اور کئی لوگوں کو بغیر سفارش کے اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

قرآن پاک کی کئی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی منظر کشی فرمائی ہے مثلاً سورۃ القارعۃ میں ارشاد باری ہے۔ اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ الآیۃ دل دہلانے والی، کیا ہے وہ دل دہلانے والی اور آپ نے کیا جانا وہ دل دہلانے والی کیا ہے جس دن آدمی پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح منتشر ہوں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح اڑتے ہوں گے پھر جن کے اعمال تول میں بھاری ہوں گے تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوں گے اور جن کے تول ہلکے ہوئے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ کا طبقہ ہاویہ ہے اور آپ نے کیا جانا وہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک شعلہ مارتی ہوئی آگ ہے۔

قیامت کی نشانیاں

قیامت کب ہوگی اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے البتہ حضور ﷺ نے قیام قیامت کی نشانیاں ضرور بتلائی ہیں۔ مسلمانوں کو یقین کرنا چاہیے کہ قیامت کی نشانیوں اور احوال آخرت کے بارے میں جو کچھ حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے سب برحق ہے اور ان نشانیوں کیلئے جو وقت مقرر ہے ضرور اس میں واقع ہوں گی۔ بلکہ ان میں چھوٹی نشانیوں کا وقوع تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

قرب قیامت کی نشانیاں کچھ تو قرآن مجید میں ہیں اور کچھ احادیث نبویہ میں اور

یہ نشانیاں دو طرح کی ہیں (۱) چھوٹی نشانیاں (۲) بڑی نشانیاں

چھوٹی نشانیاں: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَیَکْثُرَ الْجَھْلُ وَیَکْثُرَ الزِّنَا وَیَکْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَیَقِلَّ الرِّجَالُ وَیَکْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰی یَکُوْنَ لِخَمْسِیْنَ امْرَاَۃٍ الْقَیِّمُ الْوَاحِدُ ۔ متفق علیہ (ترجمہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی نشانیوں سے ہے یہ کہ علم (دین) اٹھالیا جائے گا، جہالت عام ہو جائے گی، زنا کثرت سے ہوگا، شراب بہت پی جائے گی، مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کیلئے ایک محافظ ہوگا۔

چھوٹی نشانیوں میں سے چودہ نشانیاں حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی اس حدیث میں ہیں کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دِوَلًا وَالْاَمَانَۃُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوۃُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَہٗ وَعَقَّ اُمَّہٗ وَاَدْنٰی صَدِیْقَہٗ وَاَقْصٰی اَبَاہُ وَظَھَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَۃَ فَاسِقُھُمْ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَھُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَۃَ شَرِّہٖ وَظَھَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَۃً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰیَاتٍ تَتَابَعُ کَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْکُہٗ فَتَتَابَعُ (جامع ترمذی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب فئی (غنیمت) کو ذاتی جائیداد، امانت کو مال غنیمت اور زکوۃ کو تاوان سمجھ لیا جائے گا اور علم دین (یعنی مسلمانوں میں دین واحکام شرعیہ پھیلانے) کے سوا (مالی مفادات اور عہدہ) کیلئے سیکھا جائے گا۔ مرد اپنی عورت کی

فرمانبرداری کرے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا۔ اپنے دوست کو قریب کرے گا اور اپنے باپ کو دور کرے گا اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی، قبیلے کا سرداران میں سے فاسق (احکام شرعیہ کی پرواہ نہ کرنے والا) ہوگا اور قوم کا لیڈران میں سے کمینہ آدمی ہوگا اور آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف کیوجہ سے کی جائے گی، گانے والیاں اور موسیقی اور کھیل کے آلات عام ہو جائیں گے۔ شرابیں پی جائیں گی۔ اس امت کے پچھلے پہلے لوگوں (اسلاف) پر لعنت بھیجیں گے تو اس وقت انتظار کرو سرخ آندھی، زلزلے، زمین میں دھنس جانے، شکلوں کے بگڑنے اور آسمان سے پتھروں کے پھینکے جانے کا اور ایسی نشانیوں کا جو اس طرح ایک دوسری کے پیچھے ظاہر ہوں گی جیسے موتیوں کے ہار کا دھاگہ جب ٹوٹ جائے تو موتی ایک دوسرے کے پیچھے گرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے کہ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَتَسَافَدَ النَّاسُ تَسَافُدَ الْبَھَائِمِ فِی الطُّرُقِ (قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگ راستوں میں جانوروں کے جفتی کرنے کی طرح جفتی کریں گے)

(کنز العمال ج ۱۴، ص ۲۳۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تُرْضَخَ رُؤُوْسُ اَقْوَامٍ بِکَوَاکِبَ مِنَ السَّمَاءِ بِاسْتِحْلَالِھِمْ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ (قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ کئی قوموں کے سر آسمان سے (گرائے گئے) ستاروں کیساتھ کچلے جائیں گے اسوجہ سے کہ وہ لوگ قوم لوط کے برے کام کو جائز سمجھتے ہوں گے)۔

(کنز العمال ج ۱۴، ص ۲۴۹)

حضرت حکیم بن حزام ؓ حدیث روایت کرتے ہیں کہ اِنَّکُمْ قَدْ اَصْبَحْتُمْ فِیْ زَمَانٍ کَثِیْرٌ" فُقَهَاؤُهٗ' قَلِیْلٌ" خُطَبَاؤُهٗ' قَلِیْلٌ" سُؤَّالُهٗ' کَثِیْرٌ" مُعْطُوْهُ' اَلْعَمَلُ فِیْهِ خَیْرٌ" مِّنَ الْعِلْمِ وَسَیَاْتِیْ عَلَیْکُمْ زَمَانٌ" قَلِیْلٌ" فُقَهَاؤُهٗ' کَثِیْرٌ" خُطَبَاؤُهٗ' کَثِیْرٌ" سُؤَّالُهٗ' قَلِیْلٌ" مُعْطُوْهُ' اَلْعِلْمُ فِیْهِ خَیْرٌ" مِّنَ الْعَمَلِ (بیشک تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اسمیں فقیہ یعنی دین کے عالم بہت ہیں اور خطیب کم ہیں، مانگنے والے تھوڑے ہیں اور دینے والے بہت ہیں اس زمانہ میں عمل علم سے بہتر ہے اور عنقریب تم پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسمیں فقیہ کم ہوں گے اور خطیب بہت ہوں گے، مانگنے والے بہت ہوں گے اور دینے والے کم ہوں گے اس زمانہ میں علم عمل سے بہتر ہوگا)

(کنزالعمال ج ۱۴، ص ۲۵۴)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے حدیث مروی ہے کہ سَیَاْتِیْ عَلٰی اُمَّتِیْ زَمَانٌ" یَکْثُرُ فِیْهِ الْقُرَّاءُ وَیَقِلُّ فِیْهِ الْفُقَهَاءُ (عنقریب میری امت پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسمیں قاری بہت ہوں گے اور فقہاء کم ہوں گے)۔ (کنزالعمال ج ۱۴، ص ۲۱۷)

حضرت انس ؓ سے مروی حدیث ہے کہ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ عُبَّادٌ" جُهَّالٌ" وَقُرَّاءٌ" فَسَقَةٌ" (آخر زمانہ میں عبادت کرنے والے جاہل ہوں گے اور قاری فاسق ہوں گے) (کنزالعمال ج ۱۴، ص ۲۲۲)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَکُوْنَ الزُّهْدُ رِوَایَةً وَالْوَرْعُ تَصَنُّعًا (قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ زھد کا وجود صرف روایت کے طور پر ہوگا اور پرہیزگاری تکلف و بناوٹ ہوگی) (کنزالعمال ج ۱۴، ص ۲۱۳)

مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں و دیگر کافروں کا جنگ و جدال کرنا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو کثرت کیساتھ قتل کیا جائے گا اور لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کو قتل کریں گے جسکی کوئی معقول وجہ قاتل و مقتول میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہوگی۔ البتہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے کو مارنے کا ہوگا اس لئے قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا قسم ہے اسکی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ضرور ضرور لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ قاتل نہیں جانے گا کہ اس نے کس وجہ سے قتل کیا اور مقتول نہیں جانے گا کہ وہ کیوں قتل کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفتن، ج ۲، ص ۳۹۴)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَی الْقَبْرِ فَیَتَمَرَّغُ عَلَیْهِ وَیَقُوْلُ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَکَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَیْسَ بِهِ الدِّیْنُ اِلَّا الْبَلَاءُ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اسکی جسکے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ آدمی قبر پر سے گزرے گا تو اس پر لیٹنے لگے گا اور کہے گا اے میری آرزو میں اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا۔ اسکی یہ عادت نہ تھی صرف مصیبت کی وجہ سے وہ ایسا کرے گا)۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۹۴)

حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُوْشِکُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْکُمْ کَمَا تَدَاعَی الْاَکَلَةُ اِلٰی قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ"

وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ " وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ " كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّ كُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ " يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ (مشکوٰۃ، بـاب تـغير الناس، فصل ثانی، ص۴۵۹) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ (کافروگمراہ) قومیں تم سے لڑنے کیلئے ایک دوسرے کو دعوت دیں جسطرح کھانے والی جماعت اپنے پیالے کی طرف ایک دوسرے کو دعوت دیتی ہے تو کسی کہنے والے نے عرض کیا کہ یہ اس دن ہمارے کم ہونے کی وجہ سے ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم اس دن بہت زیادہ ہوگے اور لیکن تمہاری حیثیت جھاگ کی طرح ہوگی جیسے سیلاب کی جھاگ ہوتی ہے اور ضرور اللہ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہاری ہیبت وخوف نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وھن ڈال دے گا۔ کسی کہنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ وھن کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت اور مرنے کو پسند نہ کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ (حضرت) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت نہ ہوگی یہانتک کہ روم (عیسائی) اعماق یا دابق (یہ شام میں حلب کے قریب دو جگہیں ہیں) میں اتریں گے تو (انسے لڑنے کیلئے) مدینہ سے ایک لشکر انکی طرف نکلے گا جو اس دن زمین کے سب سے نیک لوگوں میں سے ہوگا تو جب وہ دشمن کے مقابل صف بنائیں گے تو روم کہیں گے کہ تم ان لوگوں کو ہمارے سپرد کردو جو ہماری طرف سے قید کئے گئے تاکہ ہم انہیں قتل کریں تو مسلمان کہیں گے لَا وَاللّٰهِ لَا نُخَلِّيْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اِخْوَانِنَا نہیں اللہ کی قسم ہم اپنے بھائی تمہارے سپرد نہ کریں گے تو وہ انسے لڑیں گے تو ان

(مسلمانوں) میں سے تہائی شکست کھا کر بھاگ جائیں گے۔ اللہ کبھی انکی توبہ قبول نہ فرمائے گا اور تہائی شہید ہو جائیں گے اور یہ اللہ کے نزدیک افضل الشہداء ہونگے اور (بقیہ) تہائی فتح پائیں گے یہ کبھی گمراہی میں نہ ڈالے جائیں گے تو یہ (تہائی فاتح مسلمان) قسطنطنیہ کو فتح کریں گے جس دوران وہ غنیمتیں تقسیم کر رہے ہوں گے انہوں نے اپنی تلواریں زیتون کے ساتھ لٹکا رکھی ہونگی اچانک شیطان آواز دیگا کہ مسیح (دجال) تمہارے پیچھے تمہارے گھر والوں میں آپہنچا تو وہ (وہاں سے) نکلیں گے اور یہ خبر جھوٹی ہوگی اور جب شام آئیں گے تو وہ (دجال) نکلے گا۔ وہ لڑنے کیلئے تیار ہو رہے ہوں گے، صفیں درست کر رہے ہوں گے جب نماز کی تکبیر ہوگی تو (حضرت) عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے تو وہ انکی امامت کروائیں گے تو جب آپ کو اللہ کا دشمن (دجال) دیکھے گا (تو خوف کے مارے) پگھلنے لگے گا جسطرح پانی میں نمک پگھلتا ہے تو اگر (بالفرض) آپ اسکو چھوڑ دیں تو بھی وہ (خوف سے) پگھل کر ہلاک ہو جائے گا لیکن آپ اسکو اپنے ہاتھ سے قتل کرینگے اور اسکا خون اپنے نیزہ پر دکھائیں گے۔

(صحیح مسلم، ج۲، ص۳۹۲، کتاب الفتن واشراط الساعة)

بڑی نشانیاں : حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری ؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اِطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ فَقَالَ مَا تَذْكُرُوْنَ قَالُوْا نَذْكُرُ السَّاعَةَ قَالَ اِنَّهَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ اٰيَاتٍ فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّابَّةَ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُوْلَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَثَلٰثَةَ خُسُوْفٍ خَسْفٍ"

بَالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ" بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ" بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاٰخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ" تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰى مَحْشَرِهِمْ۔ (صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۳۹۳، کتاب الفتن) ''حضرت نبی کریم ﷺ اچانک ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا تم کیا گفتگو کر رہے تھے تو اصحاب نے عرض کیا کہ ہم قیامت کی بات کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا بیشک قیامت ہرگز قائم نہ ہوگی یہانتک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں دیکھو گے تو آپ ﷺ نے ذکر فرمایا دخان (دھویں) کا، دجال کا، دابۃ الارض کا، مغرب کی طرف سے سورج کے طلوع ہونے کا، حضرت عیسیٰ بن مریم کے (آسمانوں سے) اترنے کا، یاجوج ماجوج کا اور تین جگہ زمین کے دھنس جانے کا، ایک دھنس جانا مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں اور ان کے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو انکے محشر کی طرف دھکیل دے گی۔

اس حدیث میں قیامت کی دس بڑی نشانیوں کا ذکر ہے جن میں سے بعض کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت امام مهدی کا ظهور:

قربِ قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک حضرت امام مہدی کا ظہور ہے۔ امام مہدی رضی اللہ عنہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی آل سے ہوں گے۔ آپکا اسم گرامی محمد اور آپکے والد کا نام عبد اللہ ہوگا۔ پیشانی کشادہ و روشن اور ناک مبارک اونچی خوبصورت ہوگی، داڑھی گھنی، دونوں آنکھیں بہت سیاہ اور دانت چمکتے ہوں گے۔ آپکے چہرہ پر تل ہوگا۔ جائے پیدائش مدینہ منورہ اور ہجرت گاہ بیت المقدس ہوگی۔ تیس سے چالیس سال کی

عمر میں بحیثیت امام آپ کا ظہور ہوگا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کا اونی سیاہ رنگ کا مربعہ شکل کا جھنڈا آپکے پاس ہوگا جسے حضرت رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت امام مہدی تک کسی نے کھولا نہ ہوگا۔ آپ وہ جھنڈا لیکر دشمنوں کے خلاف خروج فرمائیں گے۔ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا جو آپ کے مخالفین کے چہروں اور پیٹھوں پر ماریں گے۔ دنیا میں کفر کا غلبہ ہوگا، ہر طرف فتنہ وفساد اور ظلم برپا ہوگا، مسلمانوں میں خلیفہ کے تقرر میں شدید نزاع واختلاف ہوگا، ایک سے زائد افراد خلافت کے طالب ہوں گے، شام میں سفیانی جو خالد بن یزید بن ابوسفیان اموی قریشی کی اولاد سے ہوگا بادشاہ بن جائے گا۔ اور اسکے اکثر حمائتی اور پیروکار قبیلہ کلب سے ہوں گے جو اسکا ننہالی قبیلہ ہوگا۔ یہ لوگ بڑے ظالم ہوں گے اپنے مخالف مردوں کو قتل کریں گے اور عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچوں کو باہر پھینک دینگے۔ انکا ایک لشکر مدینہ بھیجا جائے گا جو حضور ﷺ کی آل میں سے جس پر قابو پائیں گے پکڑ لیں گے۔ بنو ہاشم کے مردوں اور عورتوں کو قتل کریں گے۔ اس قتل وغارت کو دیکھ کر امام مہدی عبداللہ جو اہل بیت کے ایک صاحب وجاہت نوجوان ہوں گے اور ابھی امام مہدی کی حیثیت سے ظاہر نہ ہوئے ہوں گے بھاگ کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے جائیں گے۔ سفیانی آپ کی تلاش میں لشکر بھیجے گا جو آپ کے حرم شریف میں پہنچ جانے کیوجہ سے آپ کو پکڑ نہ سکے گا۔ امارتِ سفیانی کا فتنہ ونزاع امام مہدی کے ظہور کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ جب آپ مکہ پہنچیں گے تو اہل بصیرت آپکو پہچان جائیں گے اور آپ سے بیعتِ خلافت لینے کی درخواست کریں گے مگر آپ پسند نہ فرمائیں گے۔ انکی طرف سے اصرار ہوگا تو اسی دوران آسمان سے آواز آئے گی هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ

فاسمَعُوا لَہٗ وَاَطِیْعُوْہُ یہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں انکی بات سنو اور انکا حکم مانو ۔ تو تمام حاضرین آپکے دستِ مبارک پر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کریں گے۔ سفیانی جب آپکی بیعتِ خلافت کی خبر سنے گا تو آپ سے لڑنے کے لئے شام سے ایک لشکر بھیجے گا۔ سفیانی کا لشکر جب کوفہ کی طرف نکلے گا تو اہلِ خراسان شعیب بن صالح ہاشمی کی معیت میں سیاہ جھنڈے لیکر امام مہدی کی تلاش میں نکلیں گے۔ یہ وہ لشکر ہے جس میں شمولیت کا حکم حضرت رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے کہ اس لشکر کو امام مہدی کی اعانت و نصرت حاصل ہوگی۔ باب اصطخر کے مقام پر امام مہدی کے حمایتیوں اور سفیانی لشکر کے درمیان جنگ ہوگی۔ سفیانی لشکر مقابلہ میں شکست کھائے گا۔ لشکر کی شکست کی خبر سن کر سفیانی خود ایک بڑا لشکر لیکر حضرت امام مہدی سے لڑنے کیلئے شام سے چلے گا۔ جب وہ مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ بیداء پر پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اسکے سارے لشکر کو زمین میں دھنسا دے گا ان میں سے کوئی نہ بچے گا سوائے ایک شخص کے جو جاکر امام مہدی کو اس واقعہ کی خبر دے گا۔ جب لوگ سفیانی کی ہلاکت کی خبر سنیں گے تو شام سے ابدال اور عراق سے کثیر جماعتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہونگی اور یہ سب لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کریں گے۔ حضرت امام مہدی مسلمانوں کو اپنے ساتھ لیکر شام کی طرف عیسائی لشکروں سے لڑنے کیلئے روانہ ہوں گے۔ انکے ساتھ جنگ میں اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرمائے گا اور آپ کی برکت سے رومی شہر قسطنطنیہ بغیر لڑائی کے فتح ہوگا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد جب آپ واپس شام پہنچیں گے تو دجال نکل چکا ہوگا۔ اسکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا جو دجال کو قتل کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعض نمازیں آپ کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔ حضرت امام

مہدی رضی اللہ عنہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ وہ پہلے ظلم و زیادتی سے بھری ہوئی تھی۔ مانگنے والے کو اتنا عطا فرمائیں گے جتنا وہ اٹھا سکے۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی سنتوں کو زندہ فرمائیں گے اور بدعتوں کا خاتمہ کریں گے۔ سات سال حکومت فرمانے کے بعد وصال فرمائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

(ماخوذ من مشکوٰۃ المصابیح و کنز العمال ج ۱۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا:

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے جامع مسجد دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے۔ باوجود نبی ہونے کے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے پیروکار ہوں گے اور آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق حکم فرمائیں گے۔ آپ کے بعض احکام جو بظاہر حضور ﷺ کی شریعت کے خلاف محسوس ہونگے مثلاً جزیہ ختم کرنے کا حکم تو یہ تبدیلی علت کی بنا پر حکم بدلنے کے قبیل سے ہوں گے۔ جب کوئی اہل کتاب رہے گا ہی نہیں کہ وہ ایمان لے آئیں گے ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے تو پھر جزیہ کا حکم کس پر نافذ ہوگا؟ جب آپ نزول فرمائیں گے تو پہلی نماز کی امامت خود کروانے کی بجائے حضور ﷺ کے امتی حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے پیچھے ادا فرمائیں گے ایسا شاید اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے ہوگا کہ آپ اپنی شریعت نافذ نہیں کریں گے بلکہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی شریعت کے مطابق ہی عمل کروائیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ اصحاب کہف کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا وہ آپ کے حواری ہوں گے اور آپکی معیت میں حج ادا کریں گے۔ قتل دجال کے بعد آپ کے زمانہ میں ہی یاجوج ماجوج نکلیں گے تو آپ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ انکو ایک

ہی رات میں ہلاک کر دے گا۔ دین صرف اسلام ہوگا۔ تمام اہل کتاب جو قتل ہونے سے بچ جائیں گے آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ جزیہ قبول نہ فرمائیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے۔ آپ کے زمانہ میں بہت امن ہوگا۔ لوگوں کے درمیان عداوت، بغض اور حسد بالکل نہ ہوگا۔ شیر اور بکری ایک ساتھ چریں گے اور انسانوں کے بچے سانپ سے کھیلیں گے۔ مال و دولت بہت ہوگی لیکن لینے والے نہ ملیں گے۔ آپ شادی کریں گے، اولاد بھی ہوگی۔ سات یا چالیس یا پینتالیس سال تک زمین پر اقامت فرمائیں گے پھر مدینہ منورہ میں آپ کا وصال ہوگا۔ ایک روایت کے مطابق آپ علیہ السلام حضرت خاتم النبیین ﷺ کے روضہ اقدس میں جو ایک قبر کی جگہ خالی ہے اس میں دفن کیے جائیں گے۔

(ماخوذ من مشکوٰۃ المصابیح و کنز العمال ج ۱۴)

فتنہ دجال:

قرب قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک دجال کا نکلنا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ سطح زمین پر اولاد آدم کی تخلیق سے لیکر قیامت قائم ہونے تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وَمَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ وَلَقَدْ اَنْذَرَهٗ نُوْحٌ قَوْمَهٗ وَلٰكِنْ سَاَقُوْلُ لَكُمْ فِيْهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهٖ اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ۔ (صحیح بخاری باب ذکر الدجال)

کوئی نبی نہیں گزرا مگر یہ کہ اس نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا اور قسم ہے نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا اور لیکن میں تمہیں اس کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی۔ وہ یہ کہ یقیناً وہ کانا ہوگا اور بیشک اللہ تعالیٰ

کانا نہیں ہے۔

دجال یہود سے ہوگا۔ مدینہ کے مشرق سے شام اور عراق کے درمیان ایک شہر سے ظاہر ہوگا۔ اس کی دائیں آنکھ نہیں ہوگی اور دوسری آنکھ یوں لگے گی گویا وہ چمکتا ستارا ہے جس میں خون کی آمیزش ہوگی۔ نہایت سفید بہت بڑے گدھے پر سوار ہوگا جس کے دو کانوں کی درمیانی مسافت چالیس گز ہوگی۔ اصفہان کے ستر ہزار یہودی اسکے ساتھ ہوں گے جنہوں نے طیالسہ (سبز یا خاکستری چادریں) پہن رکھی ہوں گی۔ اسکے اکثر پیروکار یہودی اور عورتیں ہوں گی۔ اسکی آنکھوں کے درمیان "ک، ف، ر" لکھا ہوگا جسے ہر ایماندار پڑھے گا۔ دجال دائیں بائیں ہر طرف فساد پھیلائے گا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سوا ساری زمین میں پھرے گا۔ اس کے ساتھ دو پہاڑ چلیں گے ایک پہاڑ پر درخت، پھل اور پانی ہوگا جسے وہ جنت کہے گا اور دوسرے پہاڑ پر دھواں اور آگ ہوگی جسے وہ آگ کہے گا حالانکہ حقیقت میں جو اسکی جنت ہوگی وہ آگ ہوگی اور جو آگ ہوگی وہ جنت ہوگی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فَمَنِ ابْتُلِيَ بِنَارِهٖ فَلْيُغْمِضْ عَيْنَيْهِ وَلْيَسْتَعِنْ بِاللّٰهِ تَكُوْنُ عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا كَمَا كَانَ النَّارُ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔ جو اس کی آگ میں مبتلا ہو تو چاہیے کہ اپنی آنکھیں بند کر لے اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے تو وہ آگ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جس طرح ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوئی۔

دجال کے فتنے سے ہوگا کہ وہ بدو کو کہے گا کہ دیکھ اگر میں تیرے لیے تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو کیا تو گواہی دے گا کہ میں تیرا رب ہوں تو وہ کہے گا ہاں۔ تو دو شیطان اسکے ماں باپ کی شکل اختیار کر کے اسکے سامنے آ جائیں گے۔ تو وہ اسے کہیں گے کہ اے

پیارے بیٹے اس کی پیروی کر بیشک یہ تیرا رب ہے۔

دجال کے فتنہ سے ہوگا کہ وہ آسمان کو کہے گا کہ بارش برسا تو بارش برسے گی، زمین کو کہے گا سبزہ اُگا تو وہ سبزہ اُگائے گی۔ اس کے فتنہ سے یہ بات بھی ہوگی کہ وہ ایک قبیلے کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کو کہے گا بارش برسا تو بارش برسے گی، زمین کو کہے گا سبزہ اُگا تو وہ سبزہ اُگائے گی یہانتک کہ شام کو ان کے مویشی پہلے سے بہت زیادہ موٹے ہو کر آئیں گے اور زیادہ دودھ دینے والے ہو جائیں گے۔ پھر ایک اور قبیلے کے پاس سے گزرے گا ان کو بلائے گا تو وہ اس کی بات (دعویٰ ربوبیت) کو رد کردیں گے تو یہ ان سے پھرے گا تو ان پر قحط پڑ جائے گا وہ کنگال ہو جائیں گے ان کے پاس کوئی شے باقی نہ رہے گی۔ بنجر و بے آباد زمین سے گزرے گا تو اسے کہے گا کہ اپنے خزانے نکال تو اس کے خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اسکے پیچھے چلیں گے۔

دجال کے فتنہ سے ہے کہ اسے ایک آدمی پر تسلط دیا جائے گا۔ دجال جب نکلے گا تو مدینہ کے اہل ایمان میں سے ایک آدمی اسکی جانب متوجہ ہوگا۔ دجال کے مسلح آدمی اسے ملیں گے تو اس سے پوچھیں گے کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے تو وہ کہے گا کہ میرا ارادہ اس کی طرف ہے جو نکل چکا ہے۔ تو وہ کہیں گے۔ کیا تو ہمارے رب (دجال) پر ایمان نہیں رکھتا؟ تو وہ جواب دے گا کہ ہمارے رب (اللہ جل شانہٗ) کی الوہیت کی دلیلیں پوشیدہ نہیں ہیں۔ تو وہ کہیں گے کہ اس کو قتل کردو۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے کیا تمہارے رب نے تم کو منع نہیں کیا کہ اسکی غیر موجودگی میں کسی کو قتل نہ کرنا تو وہ اس کو لیکر دجال کی طرف آئیں گے۔ جب مومن اسے دیکھے گا تو کہے گا یَاأَیُّھَا النَّاسُ ھٰذَا الدَّجَّالُ الَّذِیْ ذَکَرَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ ﷺ۔ اے لوگو! یہ وہ دجال ہے جسکا ذکر رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ تو دجال اس کے بارے میں اپنے مسلح آدمیوں کو حکم دے گا کہ اسکو پکڑو اور پیٹ کے بل لٹا دو تو وہ لٹا دیں گے۔ پھر مار مار کر اسکی پیٹھ اور پیٹ کو کشادہ کر دیا جائیگا۔ پھر دجال اس سے پوچھے گا کیا تو مجھے مانتا ہے تو وہ جواب دے گا اَنْتَ الْمَسِیْحُ الْکَذَّابُ تو مسیح ہے بہت جھوٹا۔ وہ حکم دے گا تو آرے کے ساتھ سر کی سیون سے پاؤں کی طرف اسکو چیرا جائیگا۔ یہانتک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ تو دجال ان دو ٹکڑوں کے درمیان چلے گا۔ پھر اسے کہے گا کھڑا ہو جا۔ تو اللہ تعالیٰ اسکو زندہ کرے گا اور وہ مسکراتا ہوا سیدھا اسکے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ دجال پھر اس سے پوچھے گا کیا تو مجھے رب مانتا ہے تو وہ جواب دے گا کہ مجھے تیرے بارے میں مزید بصیرت حاصل ہوئی ہے۔ بالیقین تو وہی دجال ہے جس کی خبر حضرت رسول اللہ ﷺ نے دی۔ پھر وہ لوگوں کو کہے گا کہ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَا یَفْعَلُ بَعْدِیْ بِاَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ اے لوگو میرے بعد یہ کسی کے ساتھ ایسا نہ کر سکے گا۔ تو دجال اسے پکڑے گا تا کہ اسے ذبح کرے تو اس مومن کے گلے اور ہنسلی کی ہڈی کے درمیانی حصے کو تانبے کا بنا دیا جائیگا جسکی وجہ سے وہ ذبح نہ کر سکے گا۔ پھر اسے اس کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں سے پکڑ کر پھینک دے گا۔ لوگ یہ سمجھیں گے کہ اس نے اسے آگ میں پھینکا ہے حالانکہ اسے جنت میں ڈال دیا گیا ہوگا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ ھٰذَا اَعْظَمُ النَّاسِ شَھَادَۃً عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یہ رب العالمین کے نزدیک شہادت کے اعتبار سے تمام لوگوں سے زیادہ عظمت والا ہوگا۔

اس کا فتنہ چالیس دن کیلئے ہوگا۔ پہلا دن سال کی مثل ہوگا، دوسرا دن مہینے کی

مثل ہوگا، تیسرا دن جمعہ یعنی سات دن کی مدت میں گزرے گا اور باقی دن ہمارے دنوں کی طرح ہوں گے اور اسکے آخری دن ایسے گزریں گے جیسے آگ کی اڑنے والی چنگاری۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ دن جو سال کی طرح ہوگا کیا اس میں ہمیں ایک نماز کافی ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا لَا اُقْدُرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ نہیں تم اندازہ کر کے نماز پڑھو گے جس طرح ان دنوں میں اندازہ رکھتے ہو۔

صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ وَمَا اِسْرَاعُهٗ فِی الْاَرْضِ دجال زمین میں کتنی تیزی سے چلے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا کَالْغَیْثِ اِسْتَدْبَرَتْهُ الرِّیْحُ بادل کی طرح جسے ہوا دھکیل رہی ہو۔

دجال کے نکلنے سے پہلے تین سال ایسے سخت ہوں گے کہ لوگ قحط اور سخت بھوک میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پہلے سال آسمان کو حکم دے گا کہ اپنی بارش کا تہائی روک لے اور زمین کو حکم دے گا کہ وہ اپنے سبزہ کا تہائی روک لے۔ پھر دوسرے سال آسمان کو حکم ہوگا کہ اپنی بارش کا دو تہائی روک لے اور زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے سبزہ کا دو تہائی روک لے۔ پھر تیسرے سال آسمان کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی ساری بارش روک لے تو وہ ایک قطرہ بارش نہیں برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا کہ وہ اپنا سبزہ روک لے تو بالکل سبزہ نہیں اُگے گا جس کی وجہ سے ہر کھر والا جانور ہلاک ہو جائے گا مگر جسے اللہ چاہے گا وہ زندہ رہے گا۔ تو عرض کیا گیا کہ اس زمانہ میں لوگ کیسے زندہ رہیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تہلیل، تکبیر، تسبیح اور تحمید کریں گے تو یہ چیزیں ان کی بھوک کو دور کریں گی۔

لوگ دجال کے خوف کی وجہ سے پہاڑوں میں بھاگ جائیں گے اور اس سے

دور رہنے میں ہی بہتری ہوگی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْیَنْأَ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَأْتِیْهِ وَهُوَ یَحْسِبُ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ " فَیَتْبَعُهٗ مِمَّا یُبْعَثُ بِهٖ مِنَ الشُّبُهَاتِ (کنزل العمال ج ۱۴ ص ۳۰۲) جو دجال کو سنے تو اس سے دور ہو جائے۔ اللہ کی قسم بیشک آدمی اس کے پاس آئے گا در آنحالیکہ وہ اپنے بارے میں سمجھتا ہوگا کہ وہ یقیناً مومن ہے پھر اس دجال کے شبہات میں مبتلا ہو کر اسکا پیروکار بن جائے گا۔

دجال مدینہ کی طرف بھی اس ارادے سے آئے گا کہ وہ اسکے پہاڑی راستوں میں داخل ہو حالانکہ اس پر اس میں داخل ہونا حرام کیا گیا ہے۔ اس دن مدینہ کے سات پہاڑی راستے ہوں گے اور ہر پہاڑی راستے پر دو فرشتے ننگی تلواریں لیے کھڑے ہوں گے جو اسے مدینہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ تو وہ مدینہ کی ایک طرف احد پہاڑ کے پیچھے شور والی زمین میں چھوٹے سرخ پہاڑوں کے پاس اترے گا اور وہاں اپنا سائبان لگائے گا۔ مدینہ میں تین شدید زلزلے آئیں گے جن کی وجہ سے ہر منافق مرد اور منافق عورت مدینہ سے نکل کر دجال کی طرف چلا جائے گا۔ اس دن مدینہ طیبہ خبیث اور گندے لوگوں کو اپنے سے ایسے نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کے میل کو نکال دیتی ہے۔ اس وجہ سے اس دن کو ''یوم الخلاص'' کہا جائے گا۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ عرب اس دن کہاں ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اس دن تھوڑے ہوں گے اور ان کی زیادہ تعداد بیت المقدس میں ہوگی اور ان کا امام ایک مرد صالح (امام مہدی) ہوگا۔

پھر دجال مدینہ سے شام کی طرف جائے گا۔ مسلمان مجاہدین کی کثیر تعداد وہاں ہوگی اور دریائے اردن کے قریب مسلمان دجال سے لڑیں گے۔ مسلمان دریا کے مشرق

جانب ہوں گے اور دجال کے لوگ مغربی جانب ہوں گے۔اس لڑائی میں مسلمانوں کی ایک تہائی تعداد قتل ہو جائیگی اور تہائی شکست کھا کر بھاگ جائیں گے اور ایک تہائی باقی رہ جائیں گے۔رات چھا جائے گی تو اگلے دن مسلمانوں کا ارادہ یہ ہوگا کہ فجر کی نماز جلدی پڑھ کر دشمن کی طرف متوجہ ہوں جب وہ نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوں گے اور ان کا امام نماز پڑھانے کیلئے آگے بڑھے گا تو اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دمشق کے شرقی سفید مینارے کے پاس رنگ دار پوشاک پہنے اپنی ہتھیلیاں فرشتوں کے پروں پر رکھے اتریں گے۔جب آپ سر جھکائیں گے تو پسینہ آئے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو وہ پسینہ موتیوں کی طرح گرے گا۔امام کو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر ہوگی تو وہ آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف چلے گا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلیٰ امامت پر آ کر نماز پڑھائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام کے کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھ کر انہیں فرمائیں گے کہ آگے ہو کر نماز پڑھاؤ کیونکہ یہ جماعت آپ کیلئے کھڑی کی گئی۔تو مسلمانوں کا امام انہیں نماز پڑھائے گا جب وہ نماز سے پھریں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ دروازہ کھولو جب دروازہ کھولا جائے گا تو اس کے پیچھے دجال ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ موجود ہوگا اور ہر یہودی آراستہ تلوار کے ساتھ مسلح ہوگا۔جب دجال آپ علیہ السلام کو دیکھے گا تو خوف کے مارے پگھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے اور وہ آپ سے بچنے کیلئے بھاگ کھڑا ہوگا مگر آپ اسے نہیں چھوڑیں گے۔فلسطین کے شہر لد کے مشرقی دروازے پر اسے قتل کریں گے۔آپ کے سانس کی خوشبو جو کافر محسوس کرے گا مر جائے گا اور آپ کے سانس کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نظر جائے گی۔دجال کے قتل ہو جانے کے بعد

اللہ تعالیٰ یہود کو شکست دے گا۔مسلمان یہودیوں کو قتل کریں گے۔اللہ عزوجل کی مخلوقات میں سے ہر وہ شئے جس کے پیچھے یہودی چھپنے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شئے کو قوت گویائی بخشے گا تو ہر درخت، پتھر، دیوار اور جانور بول کر مسلمان کو بتائیں گے کہ اے اللہ کے بندے مسلمان یہ میرے پیچھے یہودی ہے۔آ اسے قتل کر دے۔سوائے غرقد درخت کے کیونکہ وہ یہود کا درخت ہے۔

پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت آئے گی جسے اللہ تعالیٰ نے دجال سے بچایا ہوگا تو آپ ان کے چہروں سے غبار کو صاف کریں گے اور جنت میں ان کے درجات کی انہیں خبر دیں گے۔

آپ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائے گا کہ میں اپنے ایسے بندے نکالنے والا ہوں جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔تو میرے بندوں کو طور کی طرف محفوظ جگہ میں لے جایئے۔تو آپ مسلمانوں کو لے کر طور میں چھپ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا۔

(ماخوذ من مشکوۃ المصابیح و شرح اشعۃ اللمعات و کنز العمال ج ۱۴)

یاجوج ماجوج کا نکلنا:

یافث بن نوح کی اولاد سے یاجوج اور ماجوج نام کے دو مرد ہوئے ہیں۔انہی کے نام پر انکی اولاد کے دو قبیلے بن گئے۔یاجوج اور ماجوج کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کی عورتیں بھی ہیں جن سے وہ جتنا چاہتے ہیں اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں ان میں سے کوئی جب مرتا ہے تو اپنے پیچھے ہزار یا اس سے بھی زیادہ تعداد میں اولاد چھوڑ جاتا ہے۔

ان کی آنکھیں چھوٹی اور چہرے چوڑے ہیں۔ یہ دونوں فسادی گروہ ہیں۔

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام جب مشرق سے روم کی طرف جانب شمال دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو ان پہاڑوں کے قریب ایسے لوگ ملے جو ذوالقرنین کی بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان لوگوں نے بذریعہ ترجمان یا اشارے سے ذوالقرنین سے کہا کہ یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَکَ خَرْجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا اے ذوالقرنین بیشک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد پھیلاتے ہیں (ہمارے باغوں کے پھل کچے، پکے سب کھا جاتے ہیں، ہماری اولاد کو قتل کرتے ہیں اور ذبح کر کے کھا جاتے ہیں) تو کیا ہم آپ کیلئے کچھ مال اکٹھا کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دیں۔ تو ذوالقرنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ میرے رب نے مجھے دیا ہے وہ بہتر ہے، مجھے تمہارے مال کی حاجت نہیں ہے۔ ہاں تم اپنی طاقت سے میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ بنا دیتا ہوں۔ میرے پاس لوہے کے تختے لے آؤ۔ وہ تختے لائے تو کام شروع ہو گیا۔ آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان بنیاد کھدوائی جب کھدائی پانی تک پہنچی تو اس میں پتھر پگھلائے گئے، تانبے سے جمائے گئے اور لوہے کے تختے اوپر نیچے چن کر ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھروا دیا اور آگ دے دی، اوپر سے پگھلایا ہوا تانبا بھی ڈال دیا گیا یہ سب ملکر ایک سخت جسم بن گیا۔ اس طرح یہ دیوار پہاڑوں کی بلندی تک اونچی کر دی گئی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان کوئی جگہ نہ چھوڑی گئی۔ ذوالقرنین نے کہا فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا یاجوج ماجوج اس پر چڑھ نہ سکیں گے اور نہ اس میں

سوراخ کر سکیں گے فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَکَّآءَ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ یاجوج اور ماجوج روزانہ اس دیوار کو توڑتے ہیں اور دن بھر محنت کرتے کرتے جب اسکے توڑنے کے قریب ہوتے ہیں تو ان پر مسلط شخص کہتا ہے کہ اب چلو باقی کل توڑ لیں گے۔ دوسرے دن جب آتے ہیں تو وہ دیوار بحکم الٰہی پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ جب ان کے نکلنے کا وقت آئے گا تو ان پر مسلط شخص کہے گا کہ اب چلو باقی انشاء اللہ کل توڑ لیں گے تو انشاء اللہ کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس دن کی کمائی ضائع نہ ہو گی اور اگلے دن انہیں دیوار اتنی ہی ٹوٹی ہوئی ملے گی جتنی پہلے روز توڑ گئے تھے۔ اب دیوار ٹوٹ جائے گی اور وہ نکل آئیں گے اور زمین میں فساد اور قتل و غارت کریں گے، جانور، آدمی اور جو کچھ ہاتھ آئے گا ان سب کو کھا جائیں گے۔ وہ ہر اونچی جگہ سے دوڑتے چلے جائیں گے۔ ان کا پہلا گروہ جو بحیرہ طبریہ (جو شام کے علاقہ طبریہ میں دس میل لمبی پانی کی ایک جھیل ہے) پر پہنچے گا تو اس کا سارا پانی پی جائیں گے اور بعد والا گروہ جب آئے گا تو کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوتا ہو گا پھر وہ چلیں گے یہاں تک کہ جبل الخمر کی طرف پہنچیں گے یہ بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے تو کہیں گے کہ قسم ہے بیشک ہم نے زمین والوں کو قتل کر دیا آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں تو وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے ان پر لوٹائے گا تو وہ خوش ہوں گے کہ آسمان والے بھی قتل ہو رہے ہیں۔ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپکے ساتھی مسلمان طور پہاڑ میں محصور ہوں گے کھانے کی چیزیں ختم ہو جائیں گی یہاں تک کہ بیل کی سری انکے لئے اس سے زیادہ اہم ہو

جائے گی جتنا تم میں سے کسی کے لئے سو دینار۔ تو اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپکے اصحاب اللہ تعالیٰ سے یاجوج ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انکی گردنوں میں کیڑا پیدا کرے گا جسکی وجہ سے وہ سب گر کر فوراً مر جائیں گے گویا کہ ان سب کی جان ایک ہی تھی۔ انکے مرنے کے بعد اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپکے اصحاب زمین کی طرف اتریں گے تو زمین میں بالشت بھر کوئی جگہ نہ پائیں گے مگر یہ کہ اسے ان کی چربی اور بدبو نے بھرا ہوگا۔ تو نبی اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپکے ساتھی پھر دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بڑے بڑے پرندے بھیجے گا جنکی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح ہوں گی تو وہ ان کے لاشے اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۔ یاجوج ماجوج کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ انکے تیروں اور کمانوں کی لکڑیاں سات سال تک مسلمان بطور ایندھن جلائیں گے۔

یاجوج ماجوج کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ زوردار بارش برسائے گا جس سے ساری زمین دھل کر شیشے کی طرح صاف ہو جائے گی۔ اسکے بعد زمین کو کہا جائے گا اپنا پھل اُگا اور اپنی برکتیں واپس لوٹا تو پھل اتنے بڑے پیدا ہوں گے کہ ایک جماعت کے کھانے کے لئے ایک انار ہی کافی ہوگا اور انار کے چھلکے کو لوگ سائبان کے طور پر استعمال کریں گے اور دودھ میں برکت ہوگی یہاں تک کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک جماعت کو کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کو کافی ہوگا اور ایک بھیڑ کا دودھ ایک گھرانے کو کافی ہوگا۔

(ماخوذ من مشکوٰۃ المصابیح وشرح اشعۃ اللمعات وکنز العمال ج ۱۴)

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا:

اس نشانی کے ظاہر ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس کے بعد کسی کا

ایمان لانا معتبر نہ ہوگا۔ روایت ہے کہ جب سورج اپنے مغرب سے طلوع ہوگا تو شیطان سجدے میں گر جائے گا اور اونچی آواز سے کہے گا اِلٰهِیْ مُرْنِیْ اَنْ اَسْجُدَ لِمَنْ شِئْتَ اے اللہ مجھے حکم دے تاکہ میں سجدہ کروں جسے تو چاہے۔ تو اس کے کارندے اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے یا سیدی یہ کیا عاجزی کی دعا ہے۔ وہ کہے گا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تھا کہ مجھے وقت معلوم تک مہلت دے تو یہ وقت معلوم ہے۔ مغرب سے طلوع شمس کے بعد جب دابۃ الارض نکلے گا تو وہ اپنا پہلا قدم جب انطاکیہ میں رکھے گا تو ابلیس کے پاس آئے گا اور زور سے اسے تھپڑ مارے گا۔

(ماخوذ من مشکوٰۃ المصابیح وشرح اشعۃ اللمعات وکنز العمال ج ۱۴)

دابۃ الارض کا نکلنا:

قرب قیامت کی نشانیوں سے دابۃ الارض کا نکلنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے وَاَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ اور ہم ان کے لیے زمین سے ایک چوپایہ نکالیں گے۔ دابۃ الارض کے چار پاؤں ہوں گے اور اس کے قد کی لمبائی ساٹھ گز ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اسکی خلقت بہت سے جانور کے مشابہ ہوگی۔ چاشت کے وقت جبل صفا پھٹے گا تو اس سے دابۃ الارض نکلے گا۔ وہ مردوں سے بات کرے گا، بہت تیز رفتار ہوگا کوئی شخص اس سے بھاگ نہ سکے گا۔ اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ عصا کے ساتھ مومن کی پیشانی پر ایک نورانی نشان بنائے گا جس سے اس کا مومن ہونا واضح ہو جائے گا اور انگوٹھی کے ساتھ کافر کے ناک کی نوک پر مہر لگائے گا۔ یعنی سیاہ نشان لگائے گا جس سے اس کا کافر ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ مومن تا دم آخر مومن ہی

رہے گا اور کافر ہمیشہ کافر ہی رہے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب قیام قیامت کو صرف چالیس سال رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ خوشبودار، پاکیزہ ہوا چلائے گا جو مسلمانوں کو ان کی بغلوں کے نیچے سے پکڑے گی جس سے تمام مسلمانوں کی روحیں قبض ہو جائیں گی۔ پیچھے شرارتی لوگ رہ جائیں گے جو ظاہر باہر گدھے کی طرح نفسانی خواہشات پوری کریں گے تو ان پر قیامت قائم ہوگی۔

(ماخوذ من مشکوٰۃ المصابیح وشرحہ اشعۃ اللمعات وکنز العمال ج ۱۴)

صور:

یہ سینگ یا گاجر کی شکل کوئی چیز ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ایک اعرابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے پوچھا کہ صور کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا قَرْنٌ" یُنْفَخُ فِیْهِ یعنی شکل میں سینگ کی مثل ہے جس میں پھونکا جائے گا۔

جب دنیا میں کافر ہی کافر رہ جائیں گے اور اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا، لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ اچانک حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔ شروع شروع میں اس کی آواز بہت باریک ہوگی اور پھر آہستہ آہستہ بہت اونچی ہو جائے گی۔ لوگ کان لگا کر سنیں گے اور بیہوش ہو کر گر پڑیں گے اور مر جائیں گے۔ ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں موجود ہر شئے فنا ہو جائے گی۔ اس وقت سوائے اس واحد حقیقی کے کوئی نفس زندہ نہ ہوگا تو وہ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کس کی بادشاہی ہے۔ کسی طرف سے کچھ جواب نہ آئے گا۔ پھر خود ہی فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ صرف اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔

پھر جب اللہ چاہے گا حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا اور صور کو پیدا کر کے دوبارہ پھونکنے کا حکم دے گا۔ صور پھونکتے ہی تمام پہلے، پچھلے، فرشتے، انسان، جن اور حیوانات موجود ہو جائیں گے۔

(جامع ترمذی، بہار شریعت)

○ حوض کوثر:

حوض کوثر کا وجود بھی برحق ہے۔ یہ ایک حوض ہے جس سے حضور ﷺ اپنی پیاسی امت کو حشر کے میدان میں پانی پلائیں گے۔

○ میزان:

میزان حق ہے۔ یہ ایک قسم کا ترازو ہے جس پر ایمانداروں کے اچھے اور برے اعمال تولے جائیں گے۔

○ پلصراط:

پل صراط حق ہے۔ یہ ایک پل ہے جہنم کی پشت پر ہر انسان نے اس کے اوپر سے گزرنا ہے۔ جنتی لوگ اس کو عبور کر جائیں گے اور جنہوں نے جہنم میں گرنا ہے وہ اس کو عبور نہ کر سکیں گے۔

○ جنت:

یہ باغ ایسی جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کیلئے پیدا فرمائی ہے۔ اس کی صفت قرآن کی کئی آیتوں اور صحیح حدیثوں میں کی گئی ہے مثلاً سورۃ الرحمٰن کے آخری رکوع

میں جنت کے جو اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔ بہت سی شاخوں والیاں۔ ان میں دو دو چشمے بہتے ہیں ان میں ہر پھل دو قسم کا ہے۔ (جنتی) ایسے بچھونوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کا استر موٹے ریشم کا ہوگا اور ان دونوں جنتوں کے پھل اتنے جھکے ہوئے قریب ہوں گے کہ نیچے سے توڑے جاسکیں گے۔ ان جنتوں میں ایسی عورتیں ہیں جو شوہر کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں ان عورتوں کو ان (کے شوہروں) سے پہلے نہ کسی آدمی نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ ان کے جسم کے رنگ اتنے خوبصورت ہوں گے گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ ان جنتوں کے سوا دو جنتیں اور ہیں جو نہایت سبز ہونے کی وجہ سے سیاہی کی جھلک دے رہی ہیں۔ ان میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں۔ ان میں میوے، کھجوریں اور انار ہیں۔ ان میں عورتیں ہیں اخلاق کی اچھی اور شکل وصورت کی اچھی۔ حوریں ہیں، خیموں میں پردہ نشین۔ ان (کے شوہروں) سے پہلے انہیں ہاتھ نہ لگایا کسی آدمی نے اور نہ جن نے۔ تکیہ لگائے ہوئے سبز بچھونوں اور منقش خوبصورت چاندنیوں پر۔ تو تم اپنے رب کی کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بڑی برکت والا ہے تمہارے رب کا نام جو عظمت اور بزرگی والا ہے۔ مشکوٰۃ کے باب صفت الجنۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ" رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ" سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ "مَا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ نعمتیں تیار فرمائی ہیں جو نہ

کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا۔ (حضور ﷺ نے فرمایا اس کی تائید میں) اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ "مَا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ (نہیں جانتی کوئی جان آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی ان نعمتوں کو جو ان کیلئے چھپائی گئی ہیں)۔

دوزخ:

دوزخ یا جہنم یہ سخت عذاب کی ایسی جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور کافروں کیلئے تیار کی ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اور کئی حدیثوں میں جہنم اور اسکے شدید عذاب کا ذکر ہے۔ مثلاً سورۃ تحریم کی آیت ۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت اور طاقتور فرشتے مقرر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹالتے نہیں اور وہ وہی کرتے ہیں جسکا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ سورۃ واقعہ کی آیت ۵۱ سے ۵۵ تک میں ہے کہ انہیں کھانے کیلئے تھوہر (نہایت کڑوا بدبودار پھل) دیا جائے گا اور پینے کیلئے کھولتا ہوا سخت گرم پانی جسے وہ پیاسے اونٹوں کیطرح بدحواس ہو کر پئیں گے۔ مشکوٰۃ المصابیح کے باب صفۃ النار میں حدیث ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ دوزخ میں بختی (دو کوہان والے) اونٹوں کیطرح سانپ ہوں گے ان میں سے ایک سانپ جب ڈسے گا تو (جہنمی آدمی) اس کے ڈسنے کی تیزی اور درد چالیس سال محسوس کرتا رہے گا اور دوزخ میں پالان ڈالے ہوئے خچروں کی طرح بچھو ہوں گے ان میں سے ایک جب ڈسے گا تو اس کے ڈسنے کا درد اور ٹیسیں چالیس سال تک محسوس کرتا رہے گا۔

امامت وخلافت

امامت دو قسم ہے (۱) امامت صغریٰ (۲) امامت کبریٰ

امامت صغریٰ سے مراد نماز کی امامت یا صرف دینی امور میں پیشوائی ہے اور امامت کبریٰ سے مراد حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایسی نیابت مطلقہ ہے کہ جس کے سبب مسلمانوں کے تمام دینی اور دنیوی امور میں شریعت کے مطابق تصرف عام کا اختیار ہو۔اس امامت کو خلافت بھی کہتے ہیں اور اس منصب پر فائز شخص کو خلیفہ یا امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا قیام واجب ہے۔لوگوں پر لازم ہے کہ وہ خلافت کے اہل کسی شخص کو خلیفہ مقرر کریں جو حضرت نبی کریم ﷺ کے طریقے پر چلتے ہوئے لوگوں کو دنیوی مصلحتوں کا نگران ہو اور دین اسلام کے تحفظ کا فریضہ ادا کرے اور اگر خلاف علی منہاج النبوۃ کا قیام نہ ہو سکے تو پھر بھی ایک دیندار حاکم کا موجود ہونا بے حد ضروری ہے۔خلیفہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے بشرطیکہ اس کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو کیونکہ شریعت کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔خلافت نبوت حضرت رسول کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد تیس سال تک رہی۔اس کے بعد بادشاہت اور سرداری ہوگئی۔حضور ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ برحق حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں جن کی مدت خلافت دو سال چار مہینے ہے۔دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق ؓ ہیں جن کی مدت خلاف دس سال چھ مہینے ہے۔پھر چند دن کم بارہ سال حضرت عثمان غنی ؓ منصب خلافت پر فائز رہے ان کے بعد رسول اللہ ﷺ کے چوتھے خلیفہ حضرت

علی شیر خدا ؓ ہیں جنہوں نے چار سال نو مہینے خلافت کی۔اس حساب سے چاروں خلفاء کی کل مدت خلافت انتیس سال اور سات مہینے ہے اور پانچ مہینے جو باقی رہے ان میں نواسہ رسول حضرت امام حسن ؓ خلیفہ رہے لہٰذا آپ بھی خلفاء میں سے ہوئے اور یہ خلافت خلافت راشدہ ہے جو نبوت کے طریق پر ہے اور باقی آئمہ اہل بیت چونکہ علوم دینیہ، ہدایت باطنی اور ارشاد طریقت میں یکتا تھے اس واسطے امام کہلاتے ہیں نہ اس وجہ سے کہ امامت جو خلافت کے معنی میں ہے وہ ان پر بھی آتی ہے کیونکہ امامت بمعنی خلافت کیلئے ملک میں اقتدار تصرف شرط ہے جو انہیں حاصل نہ تھا۔

○ اہلسنت آئمہ اہل بیت کو مانتے ہیں لیکن انہیں انبیاء علیہم السلام کے برابر نہیں مانتے اور نہ ہی انہیں انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم جانتے ہیں۔اہلسنت کے نزدیک آئمہ اہل بیت قطب ارشاد کے مرتبہ پر فائز تھے اور قطب ارشاد صرف وہی نہیں تھے بلکہ امام حسن عسکری کے بعد حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ؓ قطب ارشاد کے مرتبہ پر فائز ہیں۔اب قرب ولایت کی راہ پر تمام اقطاب ونجباء کو فیوض وبرکات حضرت غوث پاک رحمہ اللہ کے وسیلہ شریف سے ہی پہنچ رہے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات ج ۳ کے مکتوب ۱۲۳ میں اس بات کی تصریح کی ہے۔

○ اہلسنت حضرت امام مہدی ؓ کو بھی مانتے ہیں لیکن وہ شیعوں کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ امام مہدی امام حسن عسکری کے بیٹے تھے نو برس کی عمر میں خلیفہ معتمد علی اللہ عباسی کے عہد میں حکمران کے خوف سے شہر سر من رای میں ایک تہ خانہ میں داخل ہوئے اور غائب ہو گئے اور قرب قیامت ظہور فرمائیں گے اہلسنت کہتے ہیں کہ امام مہدی چھپے ہوئے

نہیں ہیں بلکہ وہ قرب قیامت پیدا ہوں گے آپ ﷺ کی آل سے ہوں گے اور فتنہ دجال سے کچھ پہلے ظاہر ہوں گے۔

صحابہ و اہل بیت

صحابہ سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں حضرت رسول اللہ ﷺ کی صحبت وہم نشینی پائی اور ایمان پر ہی فوت ہوئے اور اہل بیت کا معنی ہے گھر والے۔ حضور ﷺ کے اہل بیت سے مراد آپ ﷺ کی اولاد اور بیویاں ہیں۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما بھی اہل بیت سے ہیں اور ان کے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی حضور ﷺ نے اپنے اہل بیت میں شامل فرمایا۔ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہشت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ حسنین رضی اللہ عنہما اعلیٰ درجہ شہداء سے ہیں جو ان میں سے کسی کی شہادت کا منکر ہے وہ گمراہ ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا یقیناً جنتی ہیں اور دنیا اور آخرت میں حضور ﷺ کی محبوبہ بیوی ہیں جو انہیں ایذاء دیتا ہے وہ حضرت رسول خدا ﷺ کو ایذاء دیتا ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ کے اہل بیت سے عقیدت و محبت رکھنا فرض ہے جو ان سے محبت نہیں رکھتا وہ ملعون خارجی ہے لیکن اہل بیت کی محبت میں شیعوں کی طرح غلو کرنا اہلسنت کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

○ حضرت رسول کریم ﷺ کے اصحاب ساری امت سے بہتر اور افضل ہیں۔ اصحاب سے (کثرت ثواب کے اعتبار سے نہ کہ کسی دوسری وصف مثلاً شجاعت، شرف نسب کے اعتبار سے) حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ پھر حضرت عمر

فاروق، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ خلفاء اربعہ کے بعد باقی عشرہ مبشرہ ان کے بعد بدری صحابہ افضل ہیں۔ ان کے بعد جو جنگ احد میں شریک ہوئے، ان کے بعد وہ صحابہ افضل ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان کی۔

○ صحابہ انبیاء نہ تھے اور نہ فرشتے تھے کہ معصوم ہوں ان میں سے بعض سے لغزشیں ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت کرنا شریعت کے خلاف ہے کیونکہ سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور دوسرے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ پہلوں کو ان پر کچھ فضیلت دی اور کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی کے ساتھ سب صحابہ سے حسنیٰ (یعنی جنت) کا وعدہ فرمایا ہے۔

ولایت

○ ولایت ایک قرب خاص ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

○ ولایت وہبی شے ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ البتہ عام طور پر اس فضل و عطا کا ظہور اعمال حسنہ اور ریاضت کے نتیجہ میں ہوتا ہے اور بعض کو ابتداء ہی میں مل جاتی ہے جنہیں مادرزاد ولی کہا جاتا ہے۔

○ ولایت بے علم اور دین سے جاہل شخص کو نہیں ملتی اس کیلئے علم شرعی ضروری ہے۔ عام ازیں کہ یہ علم اسباب ظاہریہ کو اختیار کرنے سے حاصل ہو یا اس مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے بلاواسطہ اس پر علوم منکشف کر دیئے جائیں جسے علم لدنی کہا جاتا ہے۔

○ کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ولی کیلئے پیغمبر پر ایمان لانا ضروری ہے۔ نیز ولی مامون العاقبہ نہیں ہوتا اور پیغمبر اپنی عاقبت کے خوف سے امن میں

ہوتا ہے۔ نبی معصوم ہوتا ہے اور ولی معصوم نہیں ہوتا البتہ محافظت کرنے سے برے گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ پیغمبر کے پاس وحی آتی ہے اور اس کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے ولی کیلئے ایسا نہیں ہے۔

○ ولی پر شریعت کی پابندی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی عاقل بالغ اس مرتبہ کو نہیں پہنچتا کہ بلا عذر نماز وغیرہ احکام شرعیہ اس سے معاف ہو جائیں۔

○ طریقت شریعت کے منافی نہیں ہوتی بلکہ وہ شریعت ہی کا باطنی حصہ ہے۔

○ اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں اگرچہ ولی سے کرامت کا ظہور ضروری نہیں ہے بہت سے اولیاء اللہ ایسے گزرے ہیں جن سے پوری زندگی کسی کرامت کا ظہور نہیں ہوا۔ ولی کی کرامت دراصل اس کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے کہ اس نبی کے نقش قدم پر چل کر وہ اس مقام کو پہنچا ہے۔

○ کرامت ولایت کا معیار و دلیل نہیں ہے۔ ولایت کا معیار تادم آخر شریعت پر استقامت ہے۔

اہلسنت کے معمولات

○ اہلسنت کے معمولات سے ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کی ذوات قدسیہ سے انکے وصال کے بعد توسل کرتے ہیں۔ ۱

---

۱ تاج اللغۃ میں توسل کا معنی ہے نزدیکی جستن اور البصائر ص ۳۵ میں توسل الی اللہ کا معنی ہے اَجَابَۃُ الدُّعَاءِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ وَالنُّفُوْسِ الْفَاضِلَۃِ یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت دعا کا ذریعہ تلاش کرنا وہ ذریعہ خواہ اعمال صالحہ ہوں یا اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے۔

جواز توسل کی دلیلوں اور فوائد کے بیان کرنے سے قبل چند حقیقتوں کا ذکر ضروری ہے جو کہ یہ ہیں۔

۱۔ دعا میں توسل فرض ولازم نہیں ہے بلکہ یہ دعا کے کئی طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توجہ کے کئی دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

۲۔ وسیلہ پکڑنے والے مسلمان کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہر شئی میں نفع وضرر کی تاثیر پیدا فرمانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے مؤثر حقیقی صرف وہی ہے۔ اولیاء وانبیاء کو اشیاء کے پیدا کرنے میں قطعاً کوئی شراکت وحصہ داری نہیں ہے البتہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مقرب بندوں کی کرامت وعزت ظاہر کرنے کیلئے جس طرح انکی دنیوی زندگی میں انکی دعا ووسیلہ سے بیماروں کو شفا اور حاجت مندوں کی حاجتوں کو پورا فرماتا ہے اسی طرح انکے وصال کے بعد

بھی انکی برکت سے مصیبت زدوں کی مصیبتوں کو دور فرماتا ہے۔

۳۔ جس شی کا واسطہ پکڑا جارہا ہے اسکے بارے میں یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ اللہ سبحانہٗ اس سے محبت فرماتا ہے اور اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ تو اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ ہے اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے یا یہ کہ اس شخص کی زندگی خلاف شرع کاموں میں گزری تو اسکا وسیلہ پکڑنا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ مسلمان کو ایسے شخص سے نفرت وکراہت کا اظہار کرنا چاہیے۔

توسل کی صورتیں: توسل کی کئی صورتیں بنتی ہیں لیکن ہم اختصار کے پیش نظر صرف چار صورتیں ذکر کرتے ہیں (۱) نیک اعمال کو وسیلہ بنانا (۲) ذوات قدسیہ کو انکی زندگی میں وسیلہ بنانا (۳) ذوات قدسیہ کو قیامت کے دن وسیلہ بنانا (۴) ذوات قدسیہ یعنی انبیاء واولیاء کو انکے وصال کے بعد انکی برزخی زندگی میں وسیلہ بنانا۔ پہلی تین صورتیں بالاتفاق جائز ہیں اور چوتھی صورت مختلف فیھا ہے۔ وہابیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ شرک ہے اور اہلسنت کے نزدیک توسل کی یہ صورت بھی جائز ہے اور اسکا جواز سمعی اور عقلی دلیلوں سے ثابت ہے۔

سمعی دلیلیں: (۱) يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ (۲) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ اور یہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا آپ کے پاس آجاتے پھر

اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول ان کیلئے بخشش مانگتا (یعنی سفارش کرتا) تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا، مہربان پاتے۔ ان دونوں آیتوں کا اطلاق وفات کے بعد برزخی زندگی میں جواز توسل کی دلیل ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ مورد خاص کا۔ صحابہ وتابعین بھی الفاظ قرآن کے عموم سے حجت پکڑتے تھے باوجود یہ کہ وہ آیتیں خاص موقعوں پر نازل ہوئیں (اتقان للسیوطی) (۳) وفاء الوفا جز ثانی ص ۴۲۰ میں ہے کہ ایک آدمی کسی کام کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا مگر آپ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اور نہ ہی انکی حاجت کے بارے میں غور فرماتے تھے۔ وہ شخص ایک روز حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور شکایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انکی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ حضرت عثمان بن حنیف نے اسے فرمایا کہ وضو کر کے مسجد میں جاؤ اور دو رکعت پڑھ کر یوں دعا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّىْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ اَنْ تُقْضٰى حَاجَتِىْ (ترجمہ) اے اللہ بیشک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد جو کہ نبی رحمت ہیں کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد بیشک میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے، اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا تو دربان آیا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی نے اسے اپنے برابر مسند پر بٹھایا اور حال دریافت کر کے فوراً انکی حاجت پوری کردی۔ وہ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت ابن حنیف ﷜ سے ملا انکا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے امیر المومنین سے میری سفارش کردی۔ حضرت ابن

حنیف ﷜ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم۔ میں نے تمہارے معاملہ میں حضرت امیر المومنین سے کچھ بھی نہیں کہا۔ البتہ میں نے تمہیں وہ دعا سکھا دی جو حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک نابینا کو بتائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر یہ دعا کرے۔ ابن حنیف کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ شخص آیا گویا اسکو کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

(۴) سنن دارمی باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ میں حدیث ہے کہ مدینہ والے سخت قحط میں مبتلا ہوئے۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فریاد کی تو آپ نے فرمایا کہ تم نبی ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر اس (قبر کے حجرہ) میں ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ راوی ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ گھاس اُگی اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے تو اس سال کو عام الفتق کہا جانے لگا۔

(۵) کتاب الشفاء ج ۲ ص ۳۲ میں قاضی القضاۃ الحافظ عیاض مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی مدینہ طیبہ آیا اور مسجد نبوی میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے کسی مسئلہ میں مناظرانہ انداز میں گفتگو کرنے لگا۔ دوران گفتگو اسکی آواز بلند ہونے لگی تو امام مالک رحمہ اللہ نے اسکو تنبیہ فرمائی اور کہا اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز کو بلند نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یوں ادب سکھایا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ الآیۃ اور ایک قوم جو آداب بجالائی انکی تعریف کی اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ الآیۃ

اور جو بارگاہ نبوی کے آداب کا لحاظ نہیں رکھتے تھے انکی یوں مذمت کی اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ الآیۃ حضور ﷺ کا احترام آج بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں تھا۔ یہ سن کر ابو جعفر منصور دھیما پڑ گیا۔ بعد میں منصور نے امام مالک سے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ میں دعا کرتے وقت کیا خانہ کعبہ کی طرف منہ کروں یا مواجہہ شریف کی جانب؟ تو آپ نے فرمایا اے امیر! تم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ہی کی طرف منہ کرو اور آپکی شفاعت کے طالب ہو اور آپ ﷺ ہی کے واسطہ اور وسیلہ سے دعا کرو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الآیۃ۔

توسل بعد وفات کی عقلی دلیلیں: (۱) حضرات انبیاء و اولیاء سے توسل انکی عنداللہ وجاہت و محبوبیت کی وجہ سے ہے اور مستعان حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے جو کہ مرنے سے پاک ہے۔ لہٰذا ان مقربین کے وصال فرما جانے سے توسل ناجائز نہیں ہو جائے گا کیونکہ انکے انتقال فرما جانے سے انکی وجاہت اور محبوبیت ختم نہیں ہو جاتی وہ جس طرح وفات سے پہلے اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اسکی بارگاہ میں وجاہت و عزت والے ہوتے ہیں اسی طرح وفات کے بعد بھی۔ لہٰذا ان سے توسل جس طرح انکی وفات سے پہلے جائز ہے اسی طرح وفات کے بعد بھی جائز ہے۔ صحابہ وغیرہم ہمارے اسلاف حضرت سید المرسلین ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ ﷺ سے توسل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی آپ ﷺ سے توسل کی تعلیم دیتے تھے۔

(۲) انسان کی قدر و قیمت اسکے سانس لینے پر نہیں بلکہ شعور و ادراک پر ہے اور شعور و ادراک روح کے سبب ہوتا ہے اور روح ہر انسان کی اسکے مرنے کے بعد باقی رہتی ہے اسی وجہ سے میت عذاب قبر کا درد پاتا ہے یا نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ جب عام انسان کی روح باقی ہے تو بلاشبہ روح دو عالم حضرت رسول اکرم ﷺ کی روح پاک بھی آپ کے وصال کے بعد باقی ہے اور آپ ﷺ کے شعور و علم میں قطعاً کوئی کمی نہیں ہوئی اور امت کے حالات سے بھی آپکو آگہی رہتی ہے جب بات واقع میں ایسے ہی ہے تو پھر توسل کے مسئلہ میں یہ فرق کرنا کہ وصال سے پہلے آپ سے توسل جائز تھا اور بعد میں جائز نہیں ہے صحیح نہیں ہے۔

(۳) صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت نبی کریم ﷺ کے آثار شریفہ سے برکت حاصل کیا کرتے تھے اور برکت حاصل کرنے کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و فیض حاصل کرنے کیلئے آپ ﷺ کے آثار شریفہ کا وسیلہ پکڑا جائے اور آثار کو وسیلہ بنانا در حقیقت آپ ﷺ سے ہی توسل ہوگا کیونکہ آپ ﷺ اصل ہیں اور آثار شریفہ (مثلاً بال مبارک، لباس، پیالہ) آپکی فرع ہیں۔ فرع کی قدر اصل سے ہی ہوتی ہے بلاشبہ آثار رسول ﷺ کی عظمت و شرافت بھی اس نسبت کی وجہ سے ہے جو انہیں حضرت رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہے۔ تو یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ فرع سے توسل کو جائز کہا جائے اور اصل سے ناجائز اور شرک قرار دیا جائے۔

سوال: کیا حضرت رسول اللہ ﷺ کے سوا سے بھی توسل جائز ہے؟

جواب: جائز ہے بشرطیکہ اس شخص کا صالحین سے ہونا معلوم ہو چنانچہ مفسر علامہ آلوسی

بغدادی تفسیر روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۹ میں لکھتے ہیں اِنْ تَوَسَّلَ بِجَاهِ غَيْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَام لَابَأْسَ بِهِ اَيْضًا اِنْ كَانَ الْمُتَوَسَّلُ بِجَاهِهِ مِمَّا عُلِمَ اَنَّ لَهٗ جَاهاً عِنْدَاللّٰهِ كَالْمَقْطُوْعِ بِصَلَاحِهِ وَوَلَايَتِهٖ الخ۔ اگر نبی ﷺ کے سوا کسی شخص کی وجاہت و عظمت کے ساتھ توسل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ چیز یا شخص جس کے رتبہ کے ساتھ توسل کیا جا رہا ہے ان سے ہو جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وجاہت و رتبہ کا ہونا اس شخص کی طرح معلوم ہو جس کی صلاحیت و ولایت یقینی ہے اور جس کے صالح اور نیک ہونے کا یقین نہ ہو تو اسکی وجاہت کے ساتھ توسل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ پر ضمناً ایسی بات کا حکم لگانا جس کا ثبوت اللہ عزوشانہ کی طرف سے معلوم نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بڑی جرأت کرنا ہے۔

توسل کے فوائد: مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اگرچہ توسل کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے مگر توسل والی دعاؤں میں قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے اس لیے کہ هُمُ الْقَوْمُ لَايَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ (محبوبین ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہمنشین ان کے طفیل بدنصیب نہیں ہوتا)

(۲) توسل والی دعا سے متوسل بہ بندے کی وجاہت اور اسکے فضل و شرف کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور یہ شرعاً اچھی بات ہے جیسا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فقراء مہاجرین کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے ان کے وسیلہ سے دعا فرمائی حالانکہ آپ ﷺ اشرف المخلوقات اور مستجاب الدعوات تھے۔

○ اہلسنت حضرت رسول کریم ﷺ کی زیارت کی نیت سے سفر مدینہ کو جائز بلکہ ایک بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔ ؎

○ بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کو مستحب جانتے ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے

---

(۳) اس سے متوسل بہ کے ساتھ اپنے تعلق اور محبت کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۴۴۴ میں ہے کہ حضور ﷺ نے وضو فرمایا تو آپ کے اصحاب نے آپ ﷺ کے اعضاء سے لگ کر نیچے گرنے والے پانی کو اپنے جسم پر ملنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا کونسی چیز تمہیں ایسا کرنے پر ابھارتی ہے۔ تو انہوں نے عرض کیا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ''اللہ اور اسکے رسول کی محبت۔

؎ مشکوٰۃ، باب حرم المدینۃ حرسھا اللہ تعالی ص ۲۴۰ میں آل خطاب کے ایک آدمی سے روایت ہے وہ حضرت نبی کریم ﷺ سے بیان کرتا تھا کہ قَالَ مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّداً کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری زیارت کے ارادہ سے میری زیارت کی تو وہ قیامت کے دن میری حفاظت و ذمہ داری میں ہوگا۔ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ص ۲۴۱ پر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے (یعنی وہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا) مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی میرے وصال کے بعد تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے میری (ظاہری) زندگی میں میری زیارت کی۔

دعائیں کرتے ہیں اور بعض لوگ صاحب مزار کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں۔ ؎

؎ صالحین کے وسیلہ سے دعا کرنے کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں۔
پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ہی اپنی حاجت طلب کرے اور صاحب مزار کی روحانیت کا وسیلہ پکڑے مثلاً اس طرح عرض کرے کہ یا اللہ اپنے اس بندہ جس پر تو نے اپنا فضل و کرم فرمایا ہے اس کی برکت سے میری حاجت پوری فرما دے دوسری صورت یہ ہے کہ اس مقرب و کرم بندے کو ندا کرے کہ اے اللہ کے بندے، اے اللہ کے ولی آپ میری شفاعت کیجئے اور میری حاجت اور ضرورت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میری حاجت پوری فرمائے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور ان میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بندہ مقرب سے ہی اپنی ایسی حاجات طلب کرے جو اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہیں مثلاً یہ کہے کہ اے اللہ کے ولی مجھے شفا دیجئے، میری مرض دور کیجئے۔ اعتقاد کے اعتبار سے اس کی دو صورتیں بنتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ولی کو ہی مستقل بالذات مانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ بھی چاہے تو بھی یہ میری مرض دور کر سکتا ہے، مجھے شفا دے سکتا ہے یہ عقیدہ بلاشبہ کفر و شرک ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مستقل بالذات اور خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے بغیر کوئی شے نفع و نقصان نہیں دے سکتی اور ولی کو ایک ذریعہ اور سبب سمجھ کر اسناد مجازی کے طور پر شفا دینے کی نسبت اس کی طرف کرے یہ صورت کفر و شرک نہیں ہے لیکن دعا کے مسنون و معہود طریقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مستحسن بھی نہیں ہے خصوصاً عوام کیلئے خطرہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ جو لوگ کلمہ شریف صحیح نہیں پڑھ سکتے ان کی نسبت یہ گمان

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۲ میں لکھتے ہیں۔

کرتا کہ وہ اسناد حقیقی و اسناد مجازی کا فرق ملحوظ رکھیں گے بہت مشکل ہے الشیخ حسن العدوی الحمزاوی رحمہ اللہ مشارق الانوار ص ۶۷ میں لکھتے ہیں۔ وَمَا یَقَعُ مِنْ بَعْضِ الْعَوَامِ مِنْ قَوْلِهِمْ یَاسَیِّدِیْ فُلَانٌ مَثَلاً اِنْ قَضَیْتَ لِیْ کَذَا وَشَفَیْتَ لِیْ مَرِیْضِیْ فَلَکَ عَلَیَّ کَذَا فَهُوَ مِنَ الْجَهْلِ بِالسُّنَّةِ بِکَیْفِیَّةِ الطَّلَبِ وَلٰکِنْ لَا یُعَدُّ ذَالِکَ کُفْراً لِاَنَّهُمْ لَا یَقْصِدُوْنَ بِذَالِکَ الْاِیْجَادَ مِنَ الْوَلِیِّ وَاِنَّمَا یَجْعَلُوْنَهٗ فِیْ نِیَّاتِهِمْ وَسِیْلَةً اِلٰی مَوْلَاهُمْ ۔ اور بعض عوام کا یہ کہنا ہے کہ اے میرے سردار فلاں (بزرگ کا نام) اگر تو نے میری اس طرح کی حاجت پوری کردی یا میرے مریض کو شفا دے دی تو تیرے لیے مجھ پر اتنا (نذرانہ) لازم ہوگا تو یہ کیفیت طلب کے طریقہ سے جہالت کی وجہ سے ہے لیکن اس کو کفر شمار نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ ولی سے ایجاد و خلق کا قصد نہیں کرتے۔ وہ تو صرف اپنی نیتوں میں اس ولی کو اپنے مولیٰ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بناتے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کی کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء، فصل اول ج ۳ ص ۴۰۲ میں فرماتے ہیں نعم اگر زائران اعتقاد کنند که اهل قبور متصرف ومستبد وقادرند بے توجه حضرت حق والتجابجناب تعالیٰ چنانکه عوام وجاهلان وغافلان اعتقاد دارند وچنانکه می کنند آنچه حرام ومنهی عنه است در دین از تقبیل قبر وسجده آنرا ونماز بسوئے وے وجزآن ازان چه نهی تحذیر واقع شده است این اعتقاد واین افعال ممنوع وحرام خواهد بود و فعل عوام اعتبارے ندارد و خارج مبحث

مروی ومسنون در زیارت سلام برموتی واستغفار مر ایشانرا وقراءة قران ولیکن دریں جانهی از استمداد نیست پس زیارت برائے امداد مر موتی راو استمداد از ایشاں هر دو باشد برتفاوت حال زائر ومزور ۔ یعنی زیارت قبور میں جو کام مسنون ومنقول ہیں وہ مُردوں کو سلام کہنا، ان کے لیے استغفار کرنا اور قرآن پڑھنا ہے اور اس جگہ مدد حاصل کرنے سے کوئی ممانعت نہیں ہے۔ تو قبروں کی زیارت زائر اور مزور (اہل قبر) کے حال کے اختلاف کی بناء پر یا تو مردوں کی مدد کرنے کیلئے اور یا ان سے مدد حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے۔

○ اہلسنت کے نزدیک عبادت بدنیہ اور مالیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے [1] اور وہ اس

است وحاشا از عالم بشریعت وعارف باحکام دین که اعتقاد بکند این اعتقاد واین فعل را بکند۔ (ترجمہ) ہاں اگر زائرین یہ اعتقاد کریں کہ اہل قبور حضرت حق تعالیٰ کی طرف توجہ اور اسکی بارگاہ میں التجاء کے بغیر تصرف کرتے ہیں، مستقل ہیں اور قدرت رکھتے ہیں جس طرح عوام، جاہل اور غافل لوگ اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جو دین میں حرام ہیں اور منع ہیں مثلاً قبر کو چومنا، اسے سجدہ کرنا، اسکی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور ان کے سوا ایسے کام جن سے ممانعت اور رکاوٹ واقع ہوئی یہ اعتقاد اور یہ کام ممنوع اور حرام جاننے چاہیں اور عوام کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور وہ بحث سے خارج ہے مگر شریعت کے کسی عالم اور احکام دین کو پہنچاننے والے کسی شخص سے یہ نہیں ہوگا کہ وہ یہ اعتقاد رکھے اور یہ کام کرے۔

[1] فتاوی شامی ج ۱، باب صلوٰۃ الجنائز ص ۲۲۶ میں ہے کہ صَرَّحَ عُلَمَاؤُنَا فِیْ بَابِ

سے نفع پاتا ہے اسی لیے کسی مسلمان کے مرنے پر قل خوانی، ساتواں اور چہلم کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ ۱ جن میں قرآن پاک، کلمہ شریف اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر میت کو ثواب پہنچاتے ہیں اور صدقہ وخیرات کی نیت سے کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا ہے ۲ اور کچھ کھانا سامنے

الْحَجَّ عَنِ الْغَيْرِ بِاَنَّ لِلْاِنْسَانِ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلَاةً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ غَيْرَهَا (ترجمہ) ہمارے علماء نے دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے مسائل میں وضاحت فرمائی ہے کہ آدمی کے لیے جائز ہے کہ نماز، روزہ، صدقہ یا اس کے سوا اپنے کسی عمل کا ثواب اپنے غیر کیلئے کر دے۔ مشکوٰۃ المصابیح کے باب فضل الصدقہ ص ۱۶۹ میں صحابی رسول حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ام سعد (یعنی میری ماں) فوت ہوگئی ہے تو کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، پانی، حضرت سعد نے (اپنی ماں کے ایصال ثواب کیلئے) کنواں کھدوایا اور کہا هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ ام سعد کیلئے ہے یعنی اس کا ثواب ام سعد کیلئے ہے۔

۱ میت کے ایصال ثواب کیلئے دنوں کا تعین شرعاً فرض وواجب نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ رسم ورواج کی بنا پر ہے اور اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ یہ کہ احباء واقرباء کیلئے وقت پر آنا آسان ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ افراد میت کے لیے ایصال ثواب کر سکیں پھر یہ بات بھی ہے کہ جس کام کیلئے کوئی خاص وقت مقرر کیا جائے اس وقت کے آنے پر وہ کام یاد بھی آجاتا ہے اور ضرور انجام پاتا ہے۔ ورنہ ماہ وسال گزر جاتے ہیں لیکن آدمی کو اس کام کے کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔

۲ بہتر یہ ہے کہ صدقہ وخیرات کیلئے کھانا فقراء میں تقسیم کیا جائے لیکن آج کل یہ رواج جو

رکھ کر اس پر قرآن کی منتخب آیتیں پڑھی جاتی ہیں اس عمل کو ختم شریف کہا جاتا ہے ○ اہلسنت اذان میں جب حضور ﷺ کا نام سنتے ہیں تو انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں۔ ۱

جو پڑ گیا ہے کہ مقامی رشتہ دار اور احباب سوگ کے تین دنوں میں میت کے گھر تعزیت کیلئے آتے ہیں اور پھر دھرنا دے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کھانا کھائے بغیر جانے کا نام نہیں لیتے اور اہل میت بھی شہرت اور دکھاوے کیلئے کئی قسم کے کھانے پکاتے ہیں سب کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اہتمام کو دیکھ کر ایسے لگتا ہے کہ یہ تعزیت کا اجتماع نہیں بلکہ شادی کے سلسلہ میں ضیافت ہے یہ مکروہ وبدعت سیئہ ہے اس سے بچا جائے۔ ثواب اس وقت ملے گا جب اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے عمل خیر کیا جائے۔ فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۶۶۴ میں ہے وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لِاَنَّهٗ شُرِعَ فِي السُّرُوْرِ لَا فِي الشُّرُوْرِ وَهِيَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ" اور اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت کا اہتمام مکروہ ہے کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر دی جاتی ہے نہ کہ مصیبت میں۔ اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے کہ قرآن خوانی کے وقت کھانے کا انتظام اگر کھانے کیلئے ہے تو یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اور اگر فقراء کیلئے کھانا تیار کیا گیا ہے تو اچھا ہے اس کے بعد امام شامی کتاب المعراج کے حوالہ سے لکھتے ہیں وَهٰذِهِ الْاَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ فَيُحْتَرَزُ عَنْهَا لِاَنَّهٗ لَا يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ اور یہ سب کام شہرت اور دکھاوے کیلئے کیے جاتے ہیں تو ان سے بچا جائے اس لیے کہ لوگ ان سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ارادہ نہیں کرتے۔

۱ ردالمحتار شرح درمختار المعروف بفتاویٰ شامی ج ۱ باب الاذان ص ۲۹۳ میں ہے کہ يُسْتَحَبُّ اَنْ يُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰى مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ

○ اہلسنت کی مساجد میں موذنین اذان سے پہلے یا بعد حضور سید المرسلین ﷺ پر بلند آواز

الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَيِ الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ قَائِدًا لَهٗ اِلَى الْجَنَّةِ كَذَا فِيْ كَنْزِ الْعِبَادِ یعنی اذان میں پہلی دفعہ کہے گئے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے الفاظ جب سنے تو مستحب یہ ہے کہ کہا جائے صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ آپ پر ہو اے اللہ کے رسول) اور دوسری دفعہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے الفاظ سننے کے وقت کہا جائے قُرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (آپ کے سبب خوشی کی وجہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اے اللہ کے رسول) پھر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ (اے اللہ کانوں اور آنکھوں کے ساتھ مجھے نفع دے) تو حضور ﷺ جنت کی طرف اس کے قائد ہوں گے اسی طرح کتاب کنز العباد میں ہے۔ یہ فتویٰ دینے کے بعد امام شامی فتاویٰ صوفیہ اور کتاب الفردوس کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ مَنْ قَبَّلَ ظُفْرَيْ اِبْهَامَيْهِ عِنْدَ سَمَاعِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فِي الْاَذَانِ اَنَا قَائِدُهٗ وَمُدْخِلُهٗ فِيْ صُفُوْفِ الْجَنَّةِ جس شخص نے اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سن کر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما تو میں اس کا قائد ہوں گا اور اسے جنت کی صفوں میں شامل کرنے والا ہوں گا۔ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ عمل اذان سے خاص ہے۔ تکبیر میں انگوٹھے چومے جائیں یا نہیں؟ پوری جستجو کے باوجود اس بارے میں کوئی روایت نہیں ملی۔

سے صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ ۱؎ ○ اہلسنت غیر اللہ کو پکارنا جائز سمجھتے ہیں بشرطیکہ غیر اللہ

۱؎ فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۲۸۷ باب الاذان میں ہے وَاِنَّ ابْتِدَاءَهٗ كَانَ فِيْ اَيَّامِ السُّلْطَانِ النَّاصِرِ صَلَاحِ الدِّيْنِ بِاَمْرِهٖ کہ اس کی ابتدا سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور خلافت میں ان کے حکم سے ہوئی امام ابن حجر ہیتمی اپنی کتاب فتاویٰ کبریٰ فقہیہ ج ۱ ص ۱۳۱ میں فرماتے ہیں کہ وَسَبَبُ ذٰلِكَ اَنَّ الْحَاكِمَ الْمَخْذُوْلَ لَمَّا قُتِلَ اَمَرَتْ اُخْتُهُ الْمُؤَذِّنِيْنَ اَنْ يَّقُوْلُوْا فِيْ حَقِّ وَلَدِهِ السَّلَامُ عَلَى الظَّاهِرِ ثُمَّ اسْتَمَرَّ السَّلَامُ عَلَى الْخُلَفَاءِ بَعْدَهٗ اِلٰى اَنْ اَبْطَلَهٗ صَلَاحُ الدِّيْنِ الْمَذْكُوْرُ وَجَعَلَ بَدَلَهٗ الصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَنِعْمَ مَا فَعَلَ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا وَلَقَدِ اسْتُفْتِيَ مَشَائِخُنَا وَغَيْرُهُمْ فِي الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْهِ ﷺ بَعْدَ الْاَذَانِ عَلَى الْكَيْفِيَّةِ الَّتِيْ يَفْعَلُهَا الْمُؤَذِّنُوْنَ فَاَفْتَوْا بِاَنَّ الْاَصْلَ سُنَّةٌ" وَالْكَيْفِيَّةَ بِدْعَةٌ" یعنی اذان سے پہلے یا بعد حضرت نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام با آواز بلند پڑھنے کا سبب یہ بنا کہ حاکم مخذول جب قتل ہو گیا تو اس کی بہن نے موذنوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے بیٹے (ظاہر جو کہ نیا حاکم مقرر ہوا تھا) کے حق میں پڑھا کریں اَلسَّلَامُ عَلَى الظَّاهِرِ، پھر خلفاء پر سلام کہنے کی یہ رسم چل نکلی یہاں تک کہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ جب مسند خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے خلفاء پر سلام کہنے کی رسم کو ختم کیا اور اس کی جگہ حضرت نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا جاری کیا۔ امام ابن حجرؒ نے سلطان ایوبی کے اس فعل کی تحسین کی اور دعا دی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ کتنا ہی اچھا کام ہے (یعنی خلفاء کے بجائے حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا) جو انہوں نے کیا اللہ انہیں جزائے خیر دے اور ہمارے مشائخ وغیرہم سے اذان کے بعد آپ ﷺ

کوخدا سمجھ کرنہ پکارا جائے۔ لے اظہار محبت و عقیدت کیلئے وبمعنی معنی کے ارادہ

پراس طرح درود وسلام پڑھنے کے بارے میں فتوٰی طلب کیا گیا جس طرح موذنین پڑھتے ہیں تو انہوں نے فتوی یہ دیا کہ اصل (یعنی درود پڑھنا) سنت ہے اور کیفیت مروجہ بدعت (حسنہ) ہے۔

لے وہابیہ کے نزدیک غیر اللہ کو ندا کرنا مثلاً یارسول اللہ کہنا، یاغوث اعظم کہنا نہ صرف ناجائز بلکہ شرک ہے اور وہ اپنے اس موقف پر وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ اور اس کی مثل آیات بطور دلیل لاتے ہیں۔ اہل سنت کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں غیر اللہ کو پکارنے سے مطلقاً منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ غیر اللہ کو پکارنا اس وقت منع اور شرک ہے جب اسے خدا سمجھ کر پکارا جائے کیونکہ جب خدا سمجھ کر کسی کو پکارا جائے تو وہ پکارنا عبادت ہوتا ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی جائز نہیں ہے۔ اس لیے بعض آیات میں الٰھا آخر ذکر کرکے اس بات کی صراحت کی گئی ہے مثلاً سورۃ شعراء میں فرمایا فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ۔ اسی لیے تفسیر جلالین وغیرہ کتب تفسیر میں لَا تَدْعُ اور تَدْعُوْنَ کا معنی لَا تَعْبُدْ اور تَعْبُدُوْنَ کیا گیا ہے۔ مطلقاً پکارنے کو شرک کہنا عقلاً اور سمعاً دونوں طرح باطل ہے۔ عقلاً تو اس لیے کہ معاشرتی زندگی میں ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ نزدیک سے پکارتے ہیں، دور سے پکارتے ہیں اور بہت دفعہ مدد کیلئے پکارتے ہیں۔ اگر قریب یا دور سے پکارنا شرک ہے تو پھر بلا امتیاز مذہب سب لوگ مشرک ہیں کیوں کہ یہ شرک ہر گھر میں اور ہر معاشرہ میں بکثرت ہوتا ہے اور سمعاً اس لیے کہ (۱) قرآن کریم میں خود اللہ جل شانہ نے اپنے غیر کو ندا فرمائی ہے۔ مثلاً

ہے یا محمد، لے یارسول اللہ، یا حبیب اللہ کہنا، جلسوں وغیرہ میں نعرہ تکبیر اللہ

یَاآدَمُ، یَامُوْسٰی، یَاعِیْسٰی، یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ، یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ اور یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا (۲) انبیاء علیہم السلام نے بھی غیر اللہ کو پکارا اور ان کا پکارنا بعض دفعہ مدد کیلئے ہوتا تھا مثلاً سورۃ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمان نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ سورۃ الصف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ نے حواریوں کو مدد کیلئے ان الفاظ میں پکارا مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ۔

لے وصال شریف کے بعد آپ ﷺ کو یا محمد، یارسول اللہ کے ساتھ ندا کرنا شرعاً ثابت ہے مثلاً
○ سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ ص ۱۰۰ میں حضرت عثمان بن حنیف ؓ سے حدیث مروی ہے کہ ایک نابینا آدمی حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمائے آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں اس کو تیرے لیے موخر کر دیتا ہوں اور یہ تیرے لیے بہتر ہوگا اور اگر تو چاہے تو میں دعا کر دیتا ہوں تو اس نے عرض کیا کہ آپ دعا فرما دیجئے آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے ساتھ دعا کرے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد محدث کبیر ابواسحاق کے حوالہ سے امام ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ هٰذا حدیث صحیح یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث سے یا محمد کہنے اور پڑھنے کا واضح ثبوت ملتا ہے اور وہ بھی غائبانہ کیونکہ اس نابینا نے حضور ﷺ کی جناب سے رخصت ہو کر اپنی

اکبر کے ساتھ نعرہ رسالت یارسول اللہ لگانا، ا مسجدوں کی دیواروں پر یا اللہ کے ساتھ

جگہ جا کر نماز پڑھی اور دعا کی تھی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس دعا کا پڑھنا اس صحابی سے خاص نہ تھا بلکہ صحابہ نے اس کی عام اجازت سمجھی ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے راوی صحابی نے حضور ﷺ کے وصال شریف کے بعد ایک اور حاجت مند کو اس کے پڑھنے کی تعلیم دی۔ (کمافی الطبرانی ج ا ص ۱۸۳)

o الشفاء جلد نمبر ۲ ص ۱۸ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا پاؤں سن ہوگیا تو ان سے کہا گیا کہ اسے یاد کرو جو تمہیں سارے لوگوں سے زیادہ پیارا ہو تو یہ تکلیف ختم ہو جائے گی۔ فَصَاحَ یَامُحَمَّدَاہ فَانْتَشَرَتْ تو آپ نے اونچی آواز سے پکارا یَامُحَمَّدَاہ تو آپکا پاؤں کھل گیا۔ o تاریخ فتوح الشام ص ۲۹۸ میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے حضرت کعب بن حمزہؓ کو ایک ہزار سوار دے کر قنسرین سے جنگ کے ارادہ سے بھیجا کعبؓ کی جنگ یوقنا سے ہوئی یوقنا کے پاس پانچ ہزار سپاہی تھے جب جنگ ہو رہی تھی تو مزید پانچ ہزار کافر مسلمانوں پر دوسری طرف سے حملہ آور ہو گئے مسلمانوں کا ایک ہزار کا لشکر کافر عیسائیوں کے دس ہزار کے لشکر سے نہایت بے جگری سے لڑ رہا تھا اس دوران سپہ سالار لشکر حضرت کعب بن حمزہ بے چین ہو کر پکارتے تھے یَامُحَمَّدُ، یَامُحَمَّدُ یَانَصْرَ اللّٰہِ اِنْزِلْ۔ اے محمد، اے اللہ کی مدد اتر آ اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے اے مسلمانو! کفار کے مقابلے میں ڈٹے رہو بس یہ تھوڑا سا سختی کا وقت ہے آخر تم ہی غالب ہو گے۔

ا صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۴۱۹ باب الہجرۃ میں حضرت براءؓ سے حدیث منقول ہے کہ

....

یارسول اللہ لکھنا اور صیغہ خطاب ا کے ساتھ آپ ﷺ پر درود وسلام اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ پڑھنا اہلسنت کے شعار (خاص نشان) سے ہے۔

جب حضرت رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں پھیل گئے اور نعرہ لگاتے تھے یَامُحَمَّدُ یَارَسُوْلَ اللّٰہ، یَامُحَمَّدُ یَارَسُوْلَ اللّٰہ۔

ا صیغہ خطاب سے درود پڑھنے سے وہابی عقیدہ پر ضرب لگتی ہے وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے ہیں جیسا کہ امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھا ہے اس لیے وہابی لوگ آپ ﷺ کو ندا یا صیغہ خطاب کے ساتھ آپ پر درود پڑھنے کو ناجائز بلکہ شرک کہتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک حضرات انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں اور ان کے جسم بھی انکی قبروں میں صحیح سالم ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے تو اذان سے پہلے یا بعد یا نماز پڑھنے کے بعد صیغہ خطاب کے ساتھ درود وسلام پڑھ کر اہل سنت اپنے اس عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں۔

....

اہلسنت کے بارے میں گمراہ فرقوں کے مکائد

اہلسنت کے بارے میں وہابیہ وغیرہ کے مکائد جزئیہ تین قسم کے ہیں۔

(۱) ایک قسم محض افتراء و بہتان ہے جو وہ اہل سنت پر کرتے ہیں مثلاً یہ کہ بریلوی حضور ﷺ کی بشریت کو نہیں مانتے۔ آپ کے علم غیب کو ذاتی اور اللہ کے علم کے برابر مانتے ہیں۔ ہر جگہ اور ہر وقت آپکی بشریت (جسم عنصری) کو حاضر مانتے ہیں۔ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں یہ سب جھوٹ ہے اگر جاہل عوام میں سے کوئی کرتا ہے تو اس کا الزام علماء کو نہیں دیا جا سکتا۔

(۲) مسخ و تبدیلی یعنی کتب حدیث وغیرہ میں جو عبارتیں اہل سنت کے عقائد و معمولات کی مؤید اور دلیل ہیں ان کو بالکلیہ یا ان کے خاص حصہ کو کتابوں سے نکال دینا علماء اہل سنت کی طرف من گھڑت کتابوں کو منسوب کرنا اور پھر ان سے ایسی باتوں کے حوالے دینا کہ جن کو سن کر عوام میں اہلسنت کے خلاف نفرت پیدا ہو حالانکہ حقیقت میں ایسی کتابوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا یا عوام میں سے سطحی علم رکھنے والے کسی شخص کی کتاب کو اپنے موقف کی تائید میں پیش کرنا حالانکہ اہل سنت کے نزدیک وہ علماء کے زمرہ سے خارج اور غیر معتمد ہوتا ہے یا علماء اہلسنت کی کتابوں میں موجود عبارتوں کی صورتیں بدل دینا مثلاً جو باتیں انہوں نے اپنے مخالف کو الزام دیتے ہوئے فرمائیں اسے خود لکھنے والے کے مذہب کے طور پر پیش کرنا۔

(۳) تیسری قسم میں سے ایسی باتیں ہیں جو واقعی اہلسنت کے عقائد و معمولات سے ہیں اور عند التحقیق ان میں کوئی طعن والی بات نہیں ہے لیکن مخالفین ان کو صحیح نہ سمجھنے یا عصبیت

کی وجہ سے موجب طعن قرار دیتے ہیں مثلاً توسل بالذوات بعد الوفات کا مسئلہ، میت کے ایصال ثواب کیلئے ختم دلانا۔

سوال: کیا اہلسنت والجماعت کے سوا تمام فرقے کافر ہیں؟

جواب: سب کافر نہیں ہیں اس لیے کہ اکثر اسلامی فرقوں کا آپس میں نزاع عموماً ظنی مسائل میں ہے مثلاً حضرت صدیق اکبر صحابہ میں افضل تھے یا حضرت علی؟ آپ ﷺ نور تھے یا نہیں تھے؟ صالحین کا وسیلہ پکڑنا انکے وصال کے بعد جائز ہے یا نہیں ہے؟ رکوع و سجدہ کرتے وقت رفع یدین کرنا مسنون ہے یا نہیں؟ اس طرح کے مسائل میں کوئی شخص یا کوئی فریق جواز یا نفی کا قول کرنے سے کافر یا مشرک نہیں ہو جاتا۔ زیادہ سے زیادہ اپنے مخالف کو گمراہ یا بدعتی کہا جا سکتا ہے۔ آدمی صرف ان باتوں کا انکار یا خلاف کرنے سے کافر ہوتا ہے جو قرآن سے قطعی طور پر ثابت ہیں مثلاً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاکدامنی، عند اللہ انبیاء علیہم السلام کی عزت و وجاہت، آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی امانت یہ سب باتیں قرآن سے قطعاً ثابت ہیں تو جو ان کو نہ مانے وہ بلاشبہ کافر ہے اس لیے کہ ان باتوں کے انکار سے قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے اور قرآن کی تکذیب کفر ہے۔

فتاویٰ شامی ج ۳ باب المرتد ص ۳۲۱ میں ہے وَذُكِرَ فِی الْمُحِیْطِ اَنَّ بَعْضَ الْفُقَهَاءِ لَايُكَفِّرُ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْبِدَعِ وَبَعْضُهُمْ يُكَفِّرُوْنَ الْبَعْضَ وَهُوَ مَنْ خَالَفَ بِبِدْعَتِهٖ دَلِيْلًا قَطْعِيًّا وَنَسَبَهٗ اِلَى اَكْثَرِ اَهْلِ السُّنَّةِ یعنی محیط میں ہے کہ بعض فقہاء اہل بدعت میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے اور اہلسنت کے اکثر فقہاء ایسے اہل بدعت

کی تکفیر کرتے ہیں جو اپنی بدعت کی وجہ سے دلیل قطعی کی مخالفت کرتے ہیں اسی کتاب کے صفحہ مذکور پر ہے نَعَمْ لَاشَکَّ فِی تَکْفِیْرِ مَنْ قَذَفَ السَّیِّدَۃَ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اَوْ اَنْکَرَ صُحْبَۃَ الصِّدِّیْقِ اَوِ اعْتَقَدَ الْاُلُوْہِیَّۃَ فِیْ عَلِیٍّ اَوْ اَنَّ جِبْرِیْلَ غَلَطَ فِی الْوَحْیِ اَوْ نَحْوَ ذٰلِکَ مِنَ الْکُفْرِ الصَّرِیْحِ الْمُخَالِفِ لِلْقُرْاٰنِ وَلٰکِنْ لَوْ تَابَ تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ۔ ہاں اس شخص کو کافر قرار دینے میں کوئی شک نہیں ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہے یا صدیق اکبر ؓ کے صحابی ہونے کا یا حضرت علی ؓ کے خدا ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے یا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وحی میں غلطی کی یا اس کی مثل ایسے کفر صریح کا اعتقاد رکھتا ہے جو قرآن کے خلاف ہے لیکن ایسا شخص اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

سوال: تہتر فرقوں والی حدیث جسے امام احمد، ابوداؤد وغیرہ محدثین رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً ایک جماعت کے سوا تمام فرقے آگ میں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان کے آگ میں ہونے سے مراد کیا ہمیشہ کیلئے دوزخ کی آگ میں رہنا ہے یا کچھ مدت کیلئے۔ اگر ہمیشہ کیلئے آگ میں رہنا مراد ہو تو یہ بات قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ جہنم میں ہمیشہ کافر رہیں گے اور اسلامی فرقے جو دین کی کسی اصولی اور ضروری [1] بات کا انکار و خلاف نہیں کرتے ان میں سے کوئی فرقہ ہمیشہ آگ میں نہیں رہے گا اور اگر مراد یہ ہو کہ باطل

---

[1] ضروری کا مطلب یہ ہے کہ عوام و خواص سب مسلمان اسکے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ بات ﷺ کے دین سے ہے۔

فرقے کچھ مدت کیلئے آگ میں رہیں گے پھر نجات پا جائیں گے تو یہ بات مسلم ہے لیکن اس تقدیر پر یہ بات لازم آتی ہے کہ فرقہ ناجیہ میں سے کوئی شخص آگ میں نہ جائے حالانکہ احادیث صحیحہ دلیل ہیں اس بات پر کہ بعض فساق مومنین آگ میں جائیں گے۔

جواب: علماء کرام نے اس کے چار پانچ جواب دیے ہیں جو عقائد ملا جلال کے حواشی میں مذکور ہیں ان میں سے دو جواب مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ باطل فرقوں کا آگ میں جانا مِنْ خُبْثِ الْاِعْتِقَادِ (یعنی عقیدہ میں خرابی کیوجہ سے) ہوگا اور فرقہ ناجیہ کے کسی فرد کا آگ میں دخول مِنْ خُبْثِ الْاِعْتِقَادِ نہ ہوگا بلکہ عملی کوتاہیوں کی وجہ سے ہوگا۔ [1]

دوسرا جواب: امام غزالی رحمہ اللہ نے دیا ہے جس میں علماء متاخرین نے قدرے اصلاح فرمائی ہے اور وہ یہ کہ فرقہ ناجیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو بالکل آگ میں نہ جائیں گے نہ مِنْ خُبْثِ الْاِعْتِقَادِ اور نہ مِنْ خُبْثِ الْعَمَلِ بلکہ بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہونگے اس لیے کہ انکا عقیدہ صحیح ہوگا اور عملی طور پر اںکے بعض نے اگر کچھ کوتاہیاں یا گناہ کیے ہوں گے تو ان سے عفو و درگزر کیا جائے گا یا دنیا کے مصائب و آلام یا موت اور قبر کی سختیاں یا قیامت کا خوف اور گھبراہٹیں انکے گناہوں کا بدل ہو جائیں گی یا حضرت رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے انکے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے اور باطل فرقے اپنی بدعقیدگی کیوجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔

---

[1] فرقہ ناجیہ کا امتیاز اور فرقوں سے اعمال کیساتھ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اعمال سب میں مشترک ہیں۔ یہ امتیاز صرف عقائد کی بنا پر ہوگا۔

ادیانِ باطلہ کا تعارف

اور

دین اسلام کیساتھ انکا تقابلی جائزہ

اسلام دین حق ہے۔ اسکے سوا تمام مذاہب باطل ہیں مذاہب باطلہ میں سے بت پرستی (ہندومت)، یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت یہ ایسے مذاہب ہیں جو اپنے پیروکاروں کی کثیر تعداد کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں۔ اس باب میں ان ادیان کا تعارف اور مختصراً اسلام کیساتھ ان کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائیگا۔ ادیان کا تعارف اور ان میں تقابلی جائزہ کئی اعتبار سے فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس سے دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم واستدلال کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ قوت استدلال میں اضافہ ہوتا ہے اور تنقیدی نظر کو جلا ملتی ہے اور تقابل ادیان سے عقائد کو پختہ بنانے میں مدد ملتی ہے۔ مذاہب وادیان پر کئی مستقل اور مفصل کتابیں لکھی گئیں جن میں مذاہب کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور اسکے باطل نظریات وعقائد کی عقلی دلیلوں اور سمعی شواہد سے تردید کی گئی ہے۔ اس موضوع پر ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی کی کتاب ''الملل والنحل'' اور بیرونی کی کتاب ''الھند'' بہت مشہور ہیں۔ اردو میں ''ادیان ومذاہب کا تقابلی مطالعہ'' اور ''مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ'' مفید کتابیں ہیں۔

بُت پرستی

بت پرست حد درجہ گمراہ اور عقل وفہم سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ کسی عقل مند کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ ان بے حس وحرکت مورتیوں کو خدا اور اپنا حاجت روا سمجھ بیٹھے جن کو خود انسانوں نے تراشا اور اپنی مرضی کی شکل میں ڈھالا ہو۔ اس شخص کی ذہنی پستی اور گمراہی میں کیا شک ہوسکتا ہے جو اپنی مشکلات میں ایسی بے جان مورتیوں پر آس وامید لگا بیٹھے جو اپنے سے مکھی جیسی حقیر چیز کو دفع کرنے سے عاجز ہوں۔ انسان بت پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں کیسے داخل ہوا؟؟ اس نے بت پرستی کیوں اختیار کی حضرت علامہ تفتازانی'' نے اسکی کئی تاویلیں ذکر فرمائی ہیں جن میں سے دو تاویلیں ذکر کیے دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور فرشتوں کے بھی جسم ہیں تو انہوں نے خیالی صورتوں پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے مجسمے بنادیے اور انکی خوب تزئین وآرائش کی اور انکو اپنی توجہات کا مرکز (قبلہ) قرار دے کر سجدے کرنے شروع کردیے بعد میں آنے والے لوگوں نے ان بتوں کو ہی خدا اور مستقل بالذات سمجھ کر انکی پوجاپاٹ شروع کردی۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ پہلی امتوں میں جب کوئی ایسا شخص فوت ہوجاتا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامل مرتبہ والا ہوتا تو لوگ اسکی صورت کا مجسمہ بناتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اسکا وسیلہ وسفارش پکڑنے کیلئے اس مجسمہ کی تعظیم کرتے اور پھر تعظیم میں اسقدر بڑھ گئے کہ ان مجسموں، مورتیوں کو خدا سمجھنے لگے اور ان کی پوجاپاٹ میں مشغول ہوگئے۔ [1]

---

[1] شرح مقاصد ج ٢، ص ٦٤، ٦٥

عرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن لحی ہے۔ اس نے اپنے ایک سفر میں بلقاء (شام) میں لوگوں کو بت پوجتے دیکھا۔ پوچھا یہ کیا ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ان کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے ہیں اور ان ہی کے وسیلے سے دشمن پر فتح پاتے ہیں تو عمرو نے وہاں سے کچھ بت لا کر کعبہ شریف میں نصب کر دیئے اور عرب کو انکی پوجا کی دعوت دی اس طرح عرب میں بت پرستی شروع ہوگئی۔ ۱؎ مشرکین عرب ملت ابراہیمیہ کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور اس ملت کے شعار یعنی حج، استقبال قبلہ، غسل جنابت، ختنہ کرانا اور محرمات نسبیہ ورضائیہ کی تحریم کا التزام کرتے تھے۔ یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ وخیرات، اچھے کاموں پر اعانت اور صلہ رحمی وغیرہ نیک کام کرنے والے کی تعریف کرتے تھے۔ اگرچہ انکی اکثریت نے ان کاموں کو چھوڑ رکھا تھا قتل، چوری، زنا، سود اور غصب کو برا جانتے تھے مگر جمہور مشرکین ان افعال قبیحہ کا ارتکاب کرتے تھے۔ عرب کی اکثریت شرک، تشبیہ، انکار معاد، آنحضرت ﷺ کی رسالت کے انکار واستبعاد اور رسوم فاسدہ کی گمراہیوں میں مبتلا تھی۔ جمہور عرب اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کو زمین وآسمان کا خالق مانتے تھے۔ کائنات میں ہونے والے بڑے بڑے حادثات کا مدبر بھی اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے۔ خلق جواہر اور بڑے بڑے امور کی تدبیر میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے تھے مگر انکا گمان تھا کہ جس طرح کوئی جلیل القدر بادشاہ نظام حکومت چلانے کیلئے رعایا میں سے اپنے خاص افراد کو اپنی مملکت کے اطراف میں بھیجتا ہے اور امور جزئیہ میں انکو تصرف کا حق دیتا ہے اور خود ان امور جزئیہ میں کوئی توجہ نہیں دیتا اور وہاں کے باشندوں کے

۱؎ سیرت رسول عربی

امور کی انجام دہی بھی انہی کے سپرد کر دیتا ہے اور پھر یہ نائبین اپنے خادموں اور قریبی لوگوں میں سے جنکی سفارش کریں بادشاہ کو لازماً انکی شفاعت ماننا پڑتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بعض بندوں کو خلعت الوہیت سے نوازا ہے اور بندوں کے دنیوی امور میں انکو تمام اختیارات کا مالک بنایا ہے اور وہ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ یہ معبودان باطلہ اپنے گنہگار پجاریوں کی سفارش کرتے ہیں اور خدا کو نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی سفارش ماننا پڑتی ہے اسی لئے مشرکین عرب اپنی مشکلات میں انہیں (بتوں) کی طرف رجوع کرتے تھے ان کو سجدے کرتے، انکے نام پر جانور ذبح کرتے، انکی قسمیں اٹھاتے اور انکو مستعان حقیقی سمجھ کر ان سے مدد طلب کرتے تھے۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور اپنے آباء واجداد کے آثار کو دلائل قطعیہ سے شمار کرتے تھے حضرت رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور آپ کی تعلیمات کی برکت سے عرب میں بت پرستی کا خاتمہ ہوگیا اور بحمداللہ آج بھی یہ خطہ زمین اس گمراہی سے پاک ہے البتہ عجم اس ضلالت سے خالی نہیں ہے اور ہندوستان میں "ہندو" ایک بت پرست قوم کے طور پر جانے جاتے ہیں۔



ہندو

اس دور میں جن لوگوں کو ہندو کہا جاتا ہے پیدائشی طور پر ان کی الگ الگ چار ذاتیں ہیں۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر شاستروں کے مطابق ان کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں۔ برہمن کا کام مذہبی عبادت و رسومات میں رہبری کرنا اور وید کی تلاوت کرنا۔ کھشتری کا کام ہندو معاشرہ کی حفاظت کرنا اور بوقت ضرورت جنگ کرنا ہے اسی لئے ہندوؤں میں دنیاوی برتری اسے حاصل ہوگی اور حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہوگی ویش ہندوؤں کے پیٹ کیلئے سامان فراہم کرے گا اور کھیتی باڑی یا تجارت کے ذریعے روزی فراہم کرنا اسکی ذمہ داری ہے۔ شودر کا کام یہ ہے کہ وہ ان تینوں ذاتوں کی خدمت بجالاتا ہے اور شودر سب کچھ کرنے کی صلاحیت کے باوجود معاشرے میں اہم مقام حاصل نہیں کرسکتا یہاں تک کہ وہ انکے مندروں میں عبادت کیلئے بھی داخل نہیں ہوسکتا۔ [1]

ہندوؤں کے بہت سے فرقے ہیں اور انکے لاتعداد خدا ہیں جن میں سے بعض بڑے اور بعض چھوٹے، بعض مطلق اختیار والے اور بعض محدود اختیار والے۔ ہندو قوم نہایت ضعیف الاعتقاد اور پست ذہن والی ہوتی ہے کہ جمادات و حیوانات یہاں تک کہ اعضاء تناسل کی پوجا کرلیتی ہے۔ تری مورتی (تین شکلیں) ہندومت کا بنیادی عقیدہ ہے۔ ہندو مذہب کے تین بڑے خدا ہیں برہما، وشنو اور شیو۔ ایک کائنات کا خالق دوسرا کائنات کی بقا کا ذمہ دار، تیسرا کائنات کی تباہی و بربادی کا سبب ہے۔ ہندو قوم میں اتحاد کیلئے ان

[1] ادیان و مذاہب کا تقابلی جائزہ

تینوں دیوتاؤں کو متحد کرکے اسے تری مورتی کی شکل دے دی گئی۔ ان سب کا ایک ہی جسم ظاہر کرکے اس پر تین الگ الگ سر لگادیے گئے۔ [1]

ہندو تثلیث میں اگرچہ برہما کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس دیوتا کو جہان کا خالق اور کائنات کا نقطۂ آغاز تصور کیا جاتا ہے مگر ہندوؤں میں اسے معطل دیوتا سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نام سے منسوب مندر بہت کم تعداد میں پائے جاتے ہیں اور وشنو کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ ہندو عقیدہ کے مطابق تمام بڑے بڑے مصلحین وشنو کے اوتار تھے (یعنی وشنو اکی صورت میں بار بار دنیا میں آتا رہا جیسے عیسائیوں کے نزدیک خدا عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں مجسم ہوکر آیا)۔ ویدیں ہندو دھرم کی مقدس کتابیں ہیں ویدوں کے علاوہ اپنشد، پران، گیتا اور سماجی قوانین کے مجموعے شاستر بھی ہندوؤں میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں دیوالی، ہولی اور دسہرا ہندوؤں کے اہم تہوار اور میلوں میں سے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک عقیدہ تناسخ (آواگون) بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

عقیدہ تناسخ: ہندومت میں تناسخ کا معنی ہے گناہوں اور نیکیوں کی وجہ سے بار بار جنم لینا۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ انسانی روح اپنے کمالات میں ناقص ہونے کی صورت میں ایک بدن سے دوسرے بدن کیطرف منتقل ہوتی رہتی ہے اور انسانی درجہ سے اتر کر کسی ایسے حیوان کے بدن سے تعلق حاصل کرلیتی ہے جسکو ان کے اخلاق ذمیمہ سے مناسبت ہوتی ہے۔ مثلاً بزدل کی روح خرگوش کے جسم میں، مکار کی روح لومڑی کے جسم میں اور متکبر کی روح شیر کے جسم میں منتقل ہوتی ہے۔ [2] عقیدہ تناسخ فی نفسہا کسی صحیح

[1] ادیان و مذاہب کا تقابلی جائزہ [2] مافی الاسلام

استدلال پر مبنی نہیں ہے۔ اسکی بنیاد و ہمیات وظنیات پر ہے اور یہ اسلامی تعلیمات کے صریح خلاف ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر ہے "وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ" [1] یعنی جس بستی کے باشندوں کو ہم نے ہلاک کیا ان پر حرام ہے کہ وہ دنیا میں واپس لوٹیں۔ ہندو پنڈت مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے اس مسئلہ پر قرآن کی بعض آیتوں سے استدلال کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ امروہہ میں ہندوؤں کے ایک مناظر پنڈت نے حضرت غزالی زماں سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمیؒ سے مناظرہ کرتے ہوئے تناسخ اور قدم عالم پر قرآن پاک کی دو آیتوں سے استدلال کیا اور کہا اللہ فرماتا ہے "كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕیْنَ" [2] اور ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔ نیز فرماتا ہے "مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ" [3] جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور انمیں سے کچھ بندر اور سور بنا دیے۔ ان آیتوں سے ظاہر ہوا کہ بعض یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے بندر کی جون میں اور بعض عیسائیوں کو خنزیر کی جون میں تبدیل کر دیا اور یہ بعینہ تناسخ ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ مرنے کے بعد شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں اڑتی پھرتی ہیں اور یہ تناسخ ہے اور قدم عالم کو مستلزم ہے۔ السید کاظمیؒ نے جواباً فرمایا کہ تناسخ اسے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ایک جاندار کی روح دوسرے جسم میں منتقل ہو جائے اور یہاں یہودی اور عیسائی مرے تو نہ تھے بلکہ زندگی میں ہی ان کی شکل کو مسخ کر کے انہیں بندروں اور سوروں کی شکل میں متشکل کر دیا تھا لہٰذا یہ تناسخ نہیں، تناسخ ہے اور ارواح شہداء کی جو آپ نے حدیث پیش کی ہے اس میں حضور ﷺ نے برزخ اور

[1] الانبیاء آیت ۹۵ [2] البقرۃ آیت ۶۵ [3] المائدہ آیت ۶۰

معاد کا حال بیان کیا ہے اور آپ معاد کے قائل نہیں ہیں۔ مناظر پنڈت نے کہا اب تو میں جا رہا ہوں آئندہ سال آ کر پھر اس جگہ بحث کروں گا۔ حضرت کاظمیؒ نے فرمایا دیکھو موت کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ کیا پتہ سال سے پہلے تمہیں موت آ جائے لہٰذا مجھے بتا کر جاؤ کہ اگر مر گئے تو آئندہ سال کس جانور کی جون میں آ کر مجھ سے ملاقات کرو گے۔ اس جواب پر وہ بہت خوش ہوا جاتے وقت آپ کو اپنی گھڑی انعام میں دے گیا۔ [1]



سکھ

سکھ مذہب اور بدھ مذہب دونوں ہندو دھرم ہی کی شاخیں ہیں سکھ مذہب کا بانی گرونانک ہے جس کی تعلیمات کا مقصد ہندو مسلم اتحاد تھا۔ نانک کے پیروکار سکھ کہلاتے ہیں۔ گرنتھ صاحب انکی مذہبی کتاب ہے۔ عام سکھوں میں پانچ کاف کی پابندی ضروری ہے یعنی کیس، کنگھا، کرپان، کچھا اور کڑا۔ سکھوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو جسم کے کسی حصے کے بال تراشنا حرام سمجھتے ہیں اور دوسرے وہ جو بال منڈواتے ہیں۔ انکی عبادت گاہوں میں بت نہیں ہوتے بلکہ گرنتھ صاحب کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ [1] سکھ تناسخ کے قائل ہیں۔ خوب شراب پیتے ہیں اور ہندوؤں کے تہوار بھی مناتے ہیں۔ بیساکھی انکے مخصوص تہواروں سے ہے۔

[1] مقالات کاظمی، ص ۱۷

بدھ مت

تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل اس مذہب کی بنیاد مشرقی ایشیا کی ایک ریاست کے شہزادے مہاتما بدھ نے رکھی جس کا اصلی نام سدھارتا تھا۔ بدھ اور گوتم اسکے لقب تھے اور اسے مہاتما تعظیماً کہا جاتا ہے۔ بدھوں کے بقول پیپل کے درخت کے نیچے بدھا کو نروان (کشف حقیقت) ہوا۔ بدھا کی وفات کے بعد خود اسکے پیروکاروں نے اسے الوہیت کا درجہ دے دیا اور پھر برہمنی نظام میں بدھا کو خدائی اوتار کے طور پر تسلیم کر کے ہندوؤں کے اوتاروں میں ایک اور اوتار کا اضافہ کر دیا گیا۔ بدھ مت کی مذہبی کتب "تری پٹیکا" کہلاتی ہیں۔



ہندومت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

ہندومت اور اسلام ہر لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں ان میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے جیسا کہ ذیل میں بعض امور کے درمیان تقابلی جائزہ سے ظاہر ہے۔

ہندو	اسلام
ا۔ ہندومت کا کوئی مرکزی عقیدہ نہیں ہے جس پر اس مذہب کی بنیاد ہو۔ عقیدہ کے لحاظ سے ہندو مذہب غیر معین، مبہم اور مختلف پہلو رکھتا ہے۔	اسلام کے عقائد بہت واضح ہیں کہ اللہ ایک ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور روزے رکھنا اسلام کے بنیادی احکام ہیں۔
۲۔ ہندومت میں شرک کی ہر قسم پائی جاتی ہے۔ الوہیت تجسیم اور حلول و اوتار کا عقیدہ عام ہے۔ شجر پرستی، مظاہر پرستی عام ہے۔ ہندو روح اور مادہ کو خدا کی طرح ازلی اور ابدی قرار دیتے ہیں جو شرک فی الصفات ہے۔	اسلام دین توحید ہے جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔

۳۔ ہندومت کسی ایک مرکزی شخصیت اور راہنما سے وابستہ نہیں ہے۔ اسکے بانیوں میں جن بہت سارے لوگوں کا ذکر ملتا ہے اکی ذات ایک افسانہ ہے۔	دین اسلام کے ہادی اور مرکزی راہنما نبی اکرم حضرت محمد ﷺ ہیں جنکی زندگی اور سیرت محفوظ ہے۔
۴۔ ہندومت کی کوئی متعین اور مستند کتاب نہیں جو اسکی تعلیمات کی ترجمان اور نمائندہ ہو جو کتب اسکے ہاں پائی جاتی ہیں وہ سب جھوٹی کہانیوں، خرافات اور من گھڑت باتوں کا مجموعہ ہیں۔	اسلامی تعلیمات کی ترجمان کتاب قرآن مجید ہے جو الہامی ہے اور محفوظ ہے۔ اسی طرح احادیث نبویہ اور سیرت طیبہ جو قرآن کی تشریح اور تفسیر ہیں ہر لحاظ سے مستند اور محفوظ ہیں۔
۵۔ ہندومت خلاف عقل اور غیر فطری دین ہے اسکی تعلیمات پیچیدہ اور فلسفیانہ ہیں جو عام آدمی کی سمجھ سے بلند ہیں۔	اسلام عقلی اور فطری دین ہے اسکی تعلیمات سادہ اور عام فہم ہیں۔
۶۔ ہندومت میں مذہبی علم حاصل کرنے پر صرف برہمن کی اجارہ داری ہے اگر شودر بلا ارادہ بھی وید کا کلام سن لے تو وہ اس لائق ہے کہ اسکے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جائے اور شودروں کو مندروں میں بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے کوئی عبادت قربانی اور مذہبی فریضہ برہمن کے بغیر ممکن نہیں۔	اسلام میں ہر شخص علم دین حاصل کرسکتا ہے دینی علوم پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ ہر شخص بلا لحاظ ذات اور علاقہ اپنی ذاتی کاوش سے مسلمانوں کا راہنما بن سکتا ہے۔ عبادت اور مذہبی شعائر کی ادائیگی کیلئے کسی مخصوص خاندان کی ضرورت نہیں

۷۔ ہندومت ذات پات کا قائل ہے انسانوں کو مختلف ذاتوں اور طبقوں میں تقسیم کردیتا ہے۔ اس مذہب میں عزت واحترام کی بنیاد بھی ذاتیں ہیں۔ برہمن سب سے فائق اور پیدائشی افضل ہے۔ اسکا ہر جرم اور گناہ قابل معافی ہے جبکہ شودر پیدائشی طور پر گھٹیا ہے اسکے کوئی حقوق نہیں بلکہ اس پر ہر قسم کا ظلم جائز ہے۔	اسلام کی نگاہ میں تمام انسان اور اقوام اپنی پیدائش اور اصل کے لحاظ سے مساوی ہیں کہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں فضیلت وبرتری کا مدار تقوی اور پرہیزگاری ہے۔
۸۔ ہندومت مذہب کے نام پر بے حیائی اور بدکاری کی تعلیم دیتا ہے۔ انسانی شرمگاہوں کی پوجا، دیوتاؤں کے سامنے عورتوں کا ننگا ڈانس اور مذہبی کتابوں میں ایسے اشلوک جنہیں ایک باحیا اور شریف آدمی اپنی زبان پر نہیں لا سکتا۔	اسلام عفت اور پاکدامنی کا دین ہے۔ بدکاری کے تمام راستے بند ہیں۔ مرد وعورت کا اختلاط ممنوع ہے۔
۹۔ ویدوں میں عورت کو بے وفا، احمق اور منافق کہا گیا ہے۔ اسے نکاح ثانی کی اجازت نہیں بلکہ پتی (شوہر) کیساتھ چتا میں جل مرنا ہی اسکا مقدر ہے۔ وراثت میں	اسلام نے عورت کو عزت دی ہے۔ ماں کی حیثیت میں بلند مقام اور بیٹی کی حیثیت میں شفقت دی ہے، بیوی کی حیثیت میں اسکے حقوق شوہر پر متعین کیے ہیں شادی میں اسکی

اسکا کوئی حصہ نہیں، مذہبی تعلیم اس کیلئے ممنوع ہے۔	رضامندی کو ضروری قرار دیا ہے۔ وراثت میں اسکا حصہ رکھا اور تعلیم کے دروازے اس پر کھلے ہیں۔
۱۰۔ ہندو کلچر کی بنیاد گائے کی عظمت اور پرستش پر ہے گائے کو انسان سے افضل یا برابر قرار دینا نہ صرف عقل کے خلاف ہے بلکہ اس میں انسانیت کی توہین ہے۔ مگر ہندو راہنما مہاتما گاندھی کے نزدیک گائے اور آدمی کے ذبح کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ ہندوؤں کے تمام دھرم شاستروں میں گائے کا گوبر اور پیشاب پینا گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے (منوسمرتی) برہما جی (ہندوؤں کا خدا) کی تعریف میں لکھا ہے کہ وہ منوں گوبر میں غسل کرتا۔	اسلام عزت وتکریم کا تاج بنی نوع انسان کے سر پر رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ" (اور ہم نے اولاد آدم کو تکریم دی) گائے کی پرستش بالکل جائز نہیں اور اسکا گوبر و پیشاب پلید اور اسکا پینا حرام وگناہ ہے۔



یہودیت

یہودیوں کا پرانا نام بنی اسرائیل ہے۔ اسرائیل (اللہ کا بندہ) حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے اس لقب کی نسبت سے آپ کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ [1] اسرائیل کے بارہ بیٹے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا اسی لئے انکی اولاد یہودی کہلائی تمام یہود نسلی لحاظ سے بنی اسرائیل ہیں لیکن تمام بنی اسرائیل یہودی نہیں ہیں اگرچہ اب بنی اسرائیل اور یہودی دونوں سے مراد ایک ہے ہر یہودی کیلئے یہودی ماں سے ہونا ضروری ہے۔ نسلی طور پر کوئی غیر یہودی شخص یہودی نہیں ہو سکتا ایک وقت تھا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ امت تھی اکثر انبیاء علیہم السلام انھیں میں مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس زمانے کے تمام لوگوں پر فضیلت بخشی چنانچہ ارشاد باری ہے "یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ" [2] (اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی اور بیشک میں نے تم کو اس وقت کے تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی) لیکن جب انہوں نے پے در پے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں اور بار بار تنبیہ وسرزنش کے باوجود اپنی اصلاح نہ کی تو ان پر ذلت ورسوائی ڈال دی گئی جسکا ذکر قرآن مقدس نے ان الفاظ میں کیا "ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ" [3] (ان پر ذلت ومسکنت مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آگئے) جب حضور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہوئی اسوقت یہودی

[1] تفسیر بیضاوی، سورۃ البقرۃ، آیت ۴۰ [2] البقرۃ آیت ۴۷ [3] البقرۃ آیت ۶۱

اعتقادی وعملی حالت خاصی بدل چکی تھی ان کے علماء نے اپنی خواہشات کے مطابق تورات میں تحریف کردی تھی اور حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مان کر شرک کے مرتکب ہو چکے تھے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے "وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ" ۱ آج کے یہودیوں کا بھی یہی حال ہے یہودی، حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں بے ادبی کرنے اور ان پر الزام لگانے سے قطعاً حیا نہیں کرتے زمین میں فتنہ وفساد پھیلانا یہودیوں کا شیوہ ہے یہودیوں کا مذہبی ادب "عہد نامہ قدیم" کہلاتا ہے اور اس میں بنیادی حیثیت تورات کو حاصل ہے احکام عشرہ ۲ یہودی مذہب کی بنیاد ہے اور ہفتے کا دن انکے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ۳

---

۱ توبہ آیت ۳۰

۲ یہ وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دیے تھے مگر یہ عموماً ان احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں اور وہ احکام یہ ہیں ۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے ۲۔ ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کیساتھ حسن سلوک کرو گے ۳۔ لوگوں سے اچھی بات کہو گے ۴۔ نماز قائم رکھو گے ۵۔ زکوٰۃ دو گے ۶۔ خون نہ بہاؤ گے ۷۔ اپنوں کو جلاوطن نہ کرو گے ۸۔ عہد نہ توڑو گے ۹۔ چوری نہ کرو گے ۱۰۔ اپنے پڑوسی کی بیوی، اسکے غلام، اسکی لونڈی اور اسکے مال واسباب وغیرہ کسی چیز میں لالچ نہ کرو گے۔

۳ (البقرۃ آیت ۸۴،۸۳ ، مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ ص ۳۹۰)

یہود کی صفات ذمیمہ :

یہودیوں کی بری صفات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ دنیا میں نسلی امتیاز اور نسلی تفریق کی بنیاد یہودی فلسفہ ہے۔ چنانچہ آج بھی یہودی اسے سمجھا جاتا ہے جو یہودی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو باپ خواہ کوئی ہو۔

2۔ یہودیوں کا وطیرہ ہے کہ وہ ہوس زر میں اعلیٰ اقدار کو قربان کر دیتے ہیں۔

3۔ عوام الناس سے ان کا پیسہ سودی کاروبار کے ذریعہ نکالنا اور اسے خرچ کرنے کی بجائے ذخیرہ کرنا قوم یہود کی فطرت ہے۔

4۔ یہود سازشی ذہن رکھتے ہیں یہ جہاں بھی رہے ہیں ہمیشہ سیاسی سازشوں میں ملوث رہے ہیں کسی بھی حکومت کے وفادار ثابت نہیں ہوئے۔

5۔ یہ ہمیشہ باغیوں کی حیثیت سے پہچانے جاتے رہے ان کی باغیانہ روش کی وجہ سے اکثر حکومتوں نے انسے متشددانہ سلوک روا رکھا۔

☆☆☆☆☆

یہودیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

یہودیت	اسلام
1۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور یہ شرک فی الالوہیت ہے کیونکہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے۔	قرآن مجید اس بات کی نفی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا، بیٹی یا باپ ہے جیسا کہ سورۃ اخلاص سے واضح ہے۔
2۔ یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے۔ انکے خیال میں سلیمان علیہ السلام ایک جادوگر تھے۔	مسلمان حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا نبی مانتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ایک جادوگر تھے۔
3۔ اپنی سیاہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کیلئے یہود اپنے انبیاء کی سیرت و کردار پر زنا وغیرہ کے ایسے گھٹیا اور فحش الزام لگاتے ہیں کہ ان پاک شخصیتوں میں انکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔	مسلمان تمام انبیاء کو معصوم مانتے ہیں سب کا احترام کرتے ہیں اور کسی نبی کی شان میں ادنیٰ گستاخی کو بھی کفر جانتے ہیں۔
4۔ یہودیوں کا موجودہ مذہبی ادب وہ نہیں ہے جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا تھا بلکہ خود انہوں نے ترمیم و تنسیخ کر کے اپنی مرضی کی بہت سی باتیں شامل کر لی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔	مسلمانوں کے مذہبی ادب کی بنیادی کتاب قرآن مجید اپنی اصلی صورت میں آج بھی موجود ہے اور اسمیں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

5۔ یہودیوں کے عقیدہ آخرت کی بنیاد عقیدہ و عمل کی بجائے نسل و ذات پر ہے۔ انکا عقیدہ ہے کہ صرف یہود جنت میں جائیں گے خواہ انکے اعمال کیسے ہی ہوں کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اور وہ جہنم میں نہ جائیں گے اور اگر بالفرض یہود جہنم میں گئے تو بھی تو انکی سزا صرف چالیس روزہ ہوگی کہ اتنے دن انکے آباء نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔	اسلام میں نجات کا دارو مدار نسلی تفوق کی بجائے عقیدہ صحیحہ اور اعمال صالحہ پر ہے اور اسلام اس بات کی نفی کرتا ہے کہ باپ دادا کے جرم کی سزا انکی اولاد کو دی جائے۔
6۔ یہودیت ایک نسلی مذہب ہے کہ ہر یہودی کیلئے یہودی ماں کے پیٹ سے ہونا ضروری ہے۔ کسی دوسری قوم یا نسل کا فرد انکے عقائد قبول کر کے یہودی نہیں بن سکتا۔	اسلام ایک بین الاقوامی عالمگیر دین ہے، ہر شخص کو اپنے دامن کرم میں آنے کی دعوت دیتا ہے۔
7۔ یہودیت میں عورت وراثت کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اسکی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اسکے والدین اور شادی کے بعد اسکے شوہر کی ہوتی ہے۔	اسلام نے عورت کو وراثت کا حق دیا ہے اور اسے معاشی آزادی بھی حاصل ہے۔ اسکا کمایا ہوا مال اسکا اپنا ہے اور وہ اپنی مرضی سے اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے۔

8۔ مذہب یہود اپنوں اور بیگانوں میں قدم قدم پر عدم مساوات کا مظاہرہ کرتا ہے۔	اسلام عدل وانصاف میں مذہب وملت ، رنگ ونسل کے اعتبار سے بالکل تفریق نہیں کرتا۔



مجوسیت

مذہب مجوس کی تاریخی حیثیت مورخین چند ہزار سال قبل مسیح متعین کرتے ہیں۔

زرتشت سے پہلے ایران میں بت پرستی اور سورج پرستی زوروں پر تھی۔ مورخین کے بقول زرتشت نے ان مجوسی پجاریوں کے خلاف بغاوت کی جو ان خود ساختہ خداؤں کی پوجا کرتے تھے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ زرتشت نے بڑی جرأت کے ساتھ توحید کی دعوت دی۔ زرتشت نے اپنی تعلیمات کو دلائل کے ساتھ بیان کیا اور اسوقت کے مروجہ عقائد کا بطلان پیش کیا۔ بلخ کے بادشاہ نے زرتشت کی وفات کے کچھ عرصہ بعد زرتشت کی تعلیمات اور اس مذہب کی کتب مدونہ میں تحریف کر کے مجوسیت کو پھر پہلی حالت پر زندہ کر دیا گیا۔ زرتشت کی نسبت سے آج کے مجوسی اپنے آپکو زرتشتی کہتے ہیں۔ اور جنوب مشرقی ایشیا میں اس مذہب کے پیروکار پارسی کہلاتے ہیں۔ یہ مذہب غیر تبلیغی ہے کہ جو پارسی ماں باپ سے پیدا نہ ہوا ہو اسے نہیں اپنا سکتا۔ مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ خالق دو ہیں ایک خیر کا خالق اور دوسرا شر کا خالق۔ یہ لوگ خیر کے خالق کو اہورامزدا یا یزدان کہتے ہیں اور شر کے خالق کو اہرمن (شیطان) کہتے ہیں۔ انکے مذہب میں عبادت صرف یزدان کی ہوتی ہے۔ انکی عبادتگاہ آتش کدہ کہلاتی ہے۔ اس مذہب کا ''طرۂ امتیاز'' آتش پرستی ہے۔ انکی عبادت گاہوں میں بت نہیں ہوتا بلکہ صندل کی لکڑی سے آگ جلا کر اسکی پرستش کرتے ہیں۔ مجوس کی سب سے اہم کتاب ''اوستا'' ہے۔ دیگر مذہبی کتابوں میں دساتیر اور زرتشت

نامہ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ لوگ حیات بعد الممات، حساب اعمال اور جنت ودوزخ کو مانتے ہیں۔ ''نوروز'' پارسیوں کا سب سے بڑا تہوار ہے۔

مجوسیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

مجوسیت	اسلام
1۔ مجوسیت میں توحید نہیں پائی جاتی اور اگر پائی بھی جاتی ہے تو وہ ناقص ہے کہ مجوسیت یعنی خیر اور شر کے دو خداؤں کا تصور پیش کرتی ہے۔	اسلام دین توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی الوہیت وخالقیت کا تصور نہیں ہے۔ وہی ہر خیر وشر کا خالق ہے۔ شر کے پیدا کرنے میں بھی کئی حکمتیں ہیں جنہیں وہ خوب جانتا ہے۔
2۔ مجوسیت غیر مستند قصے، کہانیوں کا مجموعہ ہے اور زرتشت کی زندگی اسقدر افسانوی ہے کہ قطعی طور پر کوئی بات کہنا نہایت مشکل ہے۔	اسلام ایک تاریخی دین ہے اسکی تعلیمات عقل ونقل کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں اور اسکے ہادی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور تعلیمات سب محفوظ ہیں۔
3۔ مجوسیت کے صحائف اور دیگر دینی ادب کا بہت کم حصہ زرتشت کی اپنی تعلیمات قرار دیا جا سکتا ہے اور اکثر حصہ ایسا ہے جو کئی	اسلامی تعلیمات کا بنیادی ماخذ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا ہر لحاظ سے محفوظ اور مستند ہے جسکا

مجوسیت	اسلام
صدیوں بعد پروہتوں نے اپنی یادداشت سے لکھا جس میں تحریف وترمیم مسلم ہے۔	اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔
4۔ مجوسیت کی تعلیمات عقل اور فطرت کے خلاف ہیں۔ اسمیں محرمات سے نکاح جائز ہے اور آگ کو پوجنا بنیادی عقیدہ ہے۔	اسلام دین فطرت ہے اور اسکی تعلیمات نہایت اعلیٰ ہیں۔ محرمات سے نکاح ناجائز ہے اور آتش پرستی کی اجازت نہیں۔
5۔ مجوسیت ایک وراثتی اور غیر تبلیغی دین ہے	اسلام عالمگیر، آفاقی اور تبلیغی دین ہے۔
6۔ مجوسیت میں مردے کا کوئی احترام نہیں ہے۔ مجوسی اپنے مردے کو ایک کنویں میں جسے ''ٹاور آف سائنس'' یعنی ''خاموشی کا کنواں'' کہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں تو اسکا گوشت چیلیں اور گدھیں کھا جاتی ہیں۔	اسلام میں مسلمان میت کا بھی بڑا احترام ہے کہ اسے غسل دے کر خوشبودار کفن پہنایا جاتا ہے اور پھر جنازہ پڑھ کر بڑے اعزاز سے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے۔

عیسائیت

عیسائیت سے ہماری مراد وہ مذہب نہیں ہے جس کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی بلکہ اس سے مراد وہ مذہب ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسلئے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے تو دین اسلام ہی کی تعلیم دی جیسا کہ ان سے پہلے کے تمام انبیاء اور انکے بعد حضور خاتم النبیین ﷺ نے اسلام کی تعلیم دی۔ لیکن یہودیوں نے آپ کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد آپکی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر اپنی خواہشات کے مطابق بنایا اور مسیحیت یا عیسائیت کے نام سے ایک مذہب بناڈالا۔ جس کے ماننے والے اپنے آپکو عیسائی یا نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل ہے۔ بائبل سے مراد مقدس کتب یا روحانی کتابیں لیا جاتا ہے۔ بائبل دو حصوں پر مشتمل ہے ایک عہد نامہ قدیم دوسرا عہد نامہ جدید۔ عہد نامہ قدیم دراصل یہود کی کتاب ہے۔ عیسائی حضرت مسیح سے متعلقہ بشارتوں کو پیش کرنے کیلئے عہد نامہ قدیم کو بائبل میں شامل کر لیتے ہیں لیکن عہد نامہ جدید انکے نزدیک زیادہ قابل احترام ہے۔ انجیل بھی اسی میں شامل ہے۔

انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی لیکن ان کے بعد یہ کتاب تغیر و تبدل سے محفوظ نہ رہ سکی۔ ایک کی بجائے کئی انجیلیں وجود میں آ گئیں آج کی عیسائی دنیا میں کم از کم چار انجیلیں پائی جاتی ہیں۔ متی، مرقس، لوقا اور یوحنا یہ چاروں انجیلیں عیسائیت کے مذہبی ادب جو "عہد نامہ جدید" کہلاتا ہے میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ اناجیل اربعہ کے علاوہ ایک انجیل "برناباس" بھی ہے جو بہت سی باتوں میں اناجیل اربعہ سے مختلف ہے۔

اسی انجیل میں ہے کہ وہ مسیح جس کی بشارت قدیم صحیفوں میں دی گئی ہے اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ۴۹۶ء میں پادریوں کی ایک کونسل نے انجیل برناباس پر پابندی لگادی تھی اور اسکے پڑھنے کو ناجائز قرار دے دیا تھا انجیل کے نسخے اور انکے علاوہ عیسائیت کا مذہبی ادب تعارض سے پر ہے۔ انکے تعارض اور غلطیوں کو درست کرنے کیلئے مختلف ادوار میں ترامیم کی گئیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

کلیسا کے حوالے سے آج عیسائیت کے تین بڑے فرقے ہیں۔ ۱۔ کیتھولک' ۲۔ پروٹسٹنٹ ۳۔ مشرقی تقلید پسند۔ انکا سب سے بڑا فرقہ رومن کیتھولک ہے جس کا راہنما "پاپائے روم ہے"۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ اگر چہ ہر دونوں فرقے تثلیث، الوہیت مسیح اور عقیدہ کفارہ پر متفق ہیں لیکن بعض امور میں انکے درمیان بنیادی اور اصولی اختلافات ہیں۔ مثلاً رومن کیتھولک حضرت مریم کو خدا کی ماں ٹھہرا کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور انکے مجسمے بنا کر ان سے دعائیں مانگتے ہیں نیز کیتھولکوں کا عقیدہ ہے کہ مخصوص پادری کو عفو گناہ کا اختیار ہے اور پوپ بحیثیت کلیسائی سردار کے خدا کا نائب اور گناہ سے معصوم ہوتا ہے اور اسکے اقوال وافعال پر رائے زنی کی مجال نہیں ہے۔ پروٹسٹنٹ پوپ اور پادریوں کے اس مرتبہ کے معتقد نہیں ہوتے۔ "صلیب" عیسائیوں کا شعار (خاص نشان) ہے۔ انکا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب (سولی) پر چڑھ کر تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ بن گئے۔ بپتسمہ (اصطباغ) انکی خاص رسم ہے جو کسی شخص کے عیسائی مذہب میں داخل ہوتے وقت ادا کی جاتی ہے۔ عیسائیوں کی گمراہیوں سے تثلیث اور الوہیت مسیح کا عقیدہ ہے۔ قرآن مقدس میں ہے "وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ

اللّٰہِ "[۱] اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں قرآن کی سورۃ النساء میں فرمایا "وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ ؕ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَہٗٓ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ" [۲] اور تین خدا نہ کہو اس سے باز آجاؤ۔ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ صرف ایک اللہ ہی خدا ہے۔ وہ اس بات سے پاک کہ اسکی کوئی اولاد ہو۔

عقیدہ تثلیث : عیسائیوں کے نزدیک خدا کے تین حصے ہیں۔ جو من وجہ متحد اور من وجہ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ایک باپ، دوسرا بیٹا اور تیسرا روح القدس انکو اقانیم ثلثہ (تین اصل) کہتے ہیں اور یہ تینوں ایک خدا ہے [۳] جس طرح کہ سورج ایک نام ہے جو قرص (ٹکیہ) شعاع اور حرارت ان تینوں کو شامل ہے۔ باپ سے انکی مراد ذات (وجود) ہے، بیٹے سے مراد خدا کی صفت "کلام" جو عیسیٰؑ کے جسم میں سرایت کر گئی جس طرح پانی دودھ میں سرایت کر جاتا ہے لہٰذا وہ خدا کا بیٹا کہلایا اور روح القدس سے مراد صفت "حیات" ہے یعنی وہ صفت جسکی وجہ سے خدا اپنے بیٹے سے اور بیٹا اپنے خدا سے محبت کرتا ہے۔ بعض عیسائیوں نے تصریح کی ہے کہ تیسرا اقنوم کنواری "مریمؑ" ہے۔ عیسائی

---

[۱] سورۃ التوبہ، آیت ۳۰ [۲] سورۃ النساء، آیت ۱۷۱

[۳] عیسائیوں کا مذہب بہت زیادہ مبہم ہے وہ اقانیم ثلثہ کو اگرچہ ایک ہی خدا کہتے ہیں لیکن انفرادی حیثیت میں ہر اقنوم کو خدا کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ از روئے عقل ایک علمی اور عقلی دھوکہ ہے کہ خدا باپ، خدا بیٹا اور خدا روح القدس ہے پھر تینوں ایک خدا ہے یعنی ایک میں تین خدا اور تینوں ایک خدا۔ یہ محض فلسفیانہ شعبدہ بازی ہے۔

انفرادی حیثیت میں ہر اقنوم کو بھی خدا مانتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خدا بھی کہتے ہیں اور خدا کا بیٹا بھی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ ایسے بشر ہیں جن پر بشریت اور الوہیت دونوں کے احکام جاری ہیں۔

عقیدہ الوہیت مسیح کا رد :

یہ عقیدہ عقلی اعتبار سے ایک دھوکہ ہے کہ خدا باپ، خدا بیٹا اور خدا روح القدس اور پھر تینوں ایک اور ایک میں تین۔ عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کے خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کی تین دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل تو انجیل کی وہ عبارتیں ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو باپ اور خود کو اسکا بیٹا کہا اور دوسری دلیل آپکا بغیر باپ کے پیدا ہونا ہے اور تیسری دلیل آپ کی طرف ایسے افعال کی نسبت کا ہونا ہے جو خدا کے کاموں سے شمار کیے جاتے ہیں۔ علماء اسلام کی طرف سے عیسائیوں کی پہلی دلیل کے دو جواب ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ انجیل کی وہ عبارات جن میں ابن یا اب کا لفظ وارد ہوا ہے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال سے نہیں ہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ عبارات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی کلام ہے اور اس میں تحریف واقع نہیں ہوئی تو جواب یہ ہوگا کہ ان عبارات میں ابن سے مراد عرفی معنی (جزء یا ولد) نہیں ہے بلکہ یہ لفظ مجازاً محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ امام جلیل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "الفوز الکبیر" میں لکھتے ہیں "وَالْجَوَابُ عَلَی الْاِشْکَالِ الْاَوَّلِ عَلٰی تَقْدِیْرِ تَسْلِیْمِ اَنَّہٗ کَلَامُ عِیْسٰی لَیْسَ فِیْہِ تَحْرِیْفٌ" : اَنَّ لَفْظَ الْاِبْنِ کَانَ فِی الزَّمَانِ الْقَدِیْمِ بِمَعْنَی الْمَحْبُوْبِ وَ الْمُقَرَّبِ وَالْمُخْتَارِ کَمَا یَدُلُّ عَلَیْہِ کَثِیْرٌ "مِّنَ الْقَرَائِنِ فِی الْاِنْجِیْلِ"

(ترجمہ) پہلے اشکال کا جواب اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے اور اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی یہ ہے کہ ابن کا لفظ زمانہ قدیم میں محبوب، مقرب اور مختار کے معنی میں استعمال ہوتا تھا جیسا کہ انجیل میں موجود کثیر قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں۔

عیسائیوں کی دوسری دلیل بھی غلط ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہ ہے کہ وہ ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے تو اگر بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدائے مجسم ٹھہرتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام بدرجہ اولیٰ خدائے مجسم ہوں گے حالانکہ عیسائی ان کو خدا نہیں مانتے چنانچہ قرآن مجید میں ہے" اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ " بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔ جنکو مٹی سے بنایا پھر ان کو کہا ہو جا تو وہ ہو گئے عیسائیوں کی تیسری دلیل بھی نہایت کمزور ہے۔ اسلئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء سے بھی معجزات کا صدور ہوا مگر ان کو خدا نہیں سمجھا جاتا۔ چونکہ ان امور خَارِقَةٌ لِّلْعَادَةِ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سبب کی حیثیت رکھتے تھے کہ آپ کے توسط سے ان معجزات کا ظہور ہوا اس لئے ان افعال کی نسبت مجازاً آپکی طرف کر دی گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے عیسائیوں کے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ ان افعال الٰہیہ کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف حکایت کے طور پر ہے جیسا کہ کسی بادشاہ کا ایلچی کسی شخص کو کہے کہ اے فلاں! ہم فلاں ملک پر غالب آگئے ہیں اور ہم نے فلاں قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان مثالوں میں غالب آنے اور قبضہ کرنے کی نسبت بظاہر ایلچی کی طرف ہے مگر در حقیقت یہ کلام بادشاہ کی طرف لوٹنے والا ہے اور ایلچی

کی حیثیت محض ترجمان کی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے دوسرا جواب یہ دیا کہ ممکن ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا طریقہ یہ ہو کہ معانی عالم اعلیٰ سے آپ کے دل کی تختی پر نقش ہوتے ہوں اور حضرت جبریل علیہ السلام صورت بشریہ میں متمثل ہو کر آپ پر کلام القاء نہ کرتے ہوں۔ وحی کے اس طریقہ کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ آپ سے کوئی ایسا کلام جاری ہو جاتا ہو جس میں افعال کی نسبت آپکی ذات کی طرف محسوس ہوتی ہو حالانکہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ [1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کی دلیل:

حکایت ہے کہ مباحثہ کے دوران حضرت امیر المومنین علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ نے بعض نصاریٰ کو فرمایا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت سے سرکشی اختیار نہ کرتے تو میں انکے دین پر ہو جاتا۔ نصرانی بولا سرکشی کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کرنا کیسے جائز ہوگا باوجود یہ کہ آپ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بڑی کوشش کرتے تھے تو حضرت علیؓ نے فرمایا تو اگر عیسیٰ اللہ ہوتے تو وہ اپنے غیر کی کیسے عبادت کرتے؟ غیر کی عبادت کرنا تو بندے ہی کے لائق ہے۔ یہ سن کر عیسائی لاجواب ہو گیا۔ [2]

عقیدہ کفارہ: عیسائیوں کی ایک اور بڑی گمراہی عقیدہ کفارہ ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک کفارہ سے مراد یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گناہگار

---

[1] الفوز الکبیر [2] تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۱۲۳

انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے عقیدہ کفارہ کی بنیاد مندرجہ ذیل دو مفروضوں پر ہے۔

1۔ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے۔ یہاں تک کہ نبیوں اور رسولوں کے بارے میں بھی انکا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی نبی و رسول گناہ سے پاک نہیں ہے۔

2۔ خدا کی صفت (بیٹا) اسلئے انسانی جسم میں آئی تھی تا کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت کے قریب کر دے۔ [1]

عیسائیوں کا خیال ہے کہ نیک اعمال نجات کا موجب نہیں بن سکتے اور انکا کہنا ہے کہ اللہ تعالی عادل بھی ہے اور رحیم بھی۔ اس کے عدل کا تقاضا تھا کہ گناہگاروں کو سزا دے اور اس کا رحم چاہتا تھا کہ انسان سزا سے بچ جائے۔ اب عدل اور رحم میں تضاد تھا یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے تھے لہذا اللہ تعالی نے انکی ایک راہ نکالی اور وہ یہ کہ اسکا بیٹا یسوع مسیح جو گناہوں سے پاک اور معصوم ہے لوگوں کے تمام گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دے اور سارے لوگوں کی نجات کا ذریعہ بنے۔ لہذا یسوع نے صلیب پر چڑھ کر اپنی جان کی قربانی دی اور تمام لوگوں کے گناہوں کا کفارہ اور انکی نجات کا ذریعہ بن گئے۔

عقیدہ کفارہ کا رد: کفارہ کا عقیدہ انتہائی خطرناک ہے جب کسی انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ وہ جو چاہے کرے اس پر عند اللہ اسکا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا تو اسکے دل میں گناہوں کے ارتکاب کی انگیخت اور جرأت پیدا ہو گی۔ عقیدہ کفارہ

---

[1] مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ص ۴۹۹ بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۶۵۱

انسانیت کی توہین کا مظہر ہے۔ اس سے بڑھ کر انسانیت کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو مجرم اور سزا کے لائق جانا جائے۔ اور یہ سزا بھی اسکے اپنے جرم کی نہیں بلکہ کسی اور کے جرم کی ہے اور مسیح کے سوا ہر انسان کو گناہگار سمجھنا بائبل کی رو سے بھی غلط ہے۔ بائبل میں حضرت یوحنا (یحیٰی)، ہابیل، دانیال صموئیل اور انکے علاوہ کئی حضرات کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نیک اور مقدس لوگ ہیں۔ یہ بات کہ ایک انسان دوسروں کا بوجھ اٹھائے بائبل کی تعلیمات کے منافی ہے۔ بائبل میں ہے کہ اولاد کے بدلے باپ دادے مارے نہ جائیں اور نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کی جائے [1] اور اسلام نے بھی اس نظریہ کو مردود قرار دیا ہے۔ قرآن پاک میں واضح طور پر ہے "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" [2] کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان (کے گناہوں) کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ قرآن مجید نے تمام انبیاء علیہم السلام کو صالحین قرار دیا ہے۔ عقیدہ کفارہ کئی اور وجوہ کی بنا پر بھی غلط ہے جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے بقول مسیح کو بغیر باپ کے اس لئے پیدا کیا گیا تا کہ آدم کے گناہ کے اثر سے محفوظ رہیں جو ہر شخص کی فطرت میں وراثتا چلا آرہا ہے۔ حالانکہ بائبل کی رو سے گناہ کے ارتکاب کا اصل منبع عورت کی ذات ہے کیونکہ جنت میں خدا کے حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب پہلے حواء نے کیا اور پھر اس نے آدم علیہ السلام کو اس درخت سے کھانے کی ترغیب دی جس سے اللہ تعالی نے منع کیا تھا اور مسیح علیہ السلام کی پیدائش عورت کے پیٹ سے ہوئی جسے بائبل نے گناہ کا اصل منبع قرار دیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عدل کے منافی ظلم ہے، رحم نہیں ہے۔ رحم سے عدل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور پھر یہ بات بڑی

---

[1] مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ [2] سورۃ النجم، آیت ۳۸

باعث تعجب ہے کہ گناہگار کو اس کے گناہ کی سزا دینا تو رحم کے خلاف ہو لیکن اسکے گناہ کی سزا کسی دوسرے کو دینا رحم کے خلاف نہ ہو امت تو گناہوں کا ارتکاب کرتی پھرے اور اسکے گناہوں کی پاداش میں معصوم پیغمبر کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔ یہ کیسا رحم؟ اور کہاں کا انصاف ہے؟۔

عیسائیت اور اسلام میں تقابلی جائزہ

عیسائیت	اسلام
1۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔	اسلامی تعلیمات کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اسکے رسول تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انکی روح کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور انہیں روح اللہ کا لقب عطا فرمایا جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت وشان مخلوق پر ظاہر کرنے کیلئے انکو "حبیب اللہ" کا لقب عطا فرمایا۔

2۔ عیسائیوں کے خیال میں حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی۔	قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی اور نہ انہیں قتل کیا گیا۔ ارشاد باری ہے "وَمَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ"
3۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے سوا کوئی انسان نیک نہیں ہے اور ہر انسان فطری طور پر گناہگار ہے۔	ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے ہر بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اسکو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (مشکوۃ باب الایمان بالقدر)
4۔ عیسائیت میں عقیدہ کفارہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے بلکہ یہ عقیدہ عیسائیت کی جان ہے۔	کفارہ کا نظریہ غیر فطری اور خلاف عقل ہے اور کسی بے گناہ کو دوسرے شخص یا اشخاص کے گناہوں کے بدلے میں سزا دینا خود صفت عدل کے خلاف ہے۔
5۔ عیسائیت میں رہبانیت ہے کہ انسان ہمیشہ کیلئے معاشرتی زندگی چھوڑ کر جنگلوں وغیرہ میں گوشہ نشینی اختیار کرلے۔	اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے البتہ کچھ عرصہ کیلئے ریاضت وگوشہ نشینی جائز ہے جیسا کہ بعثت سے پہلے حضور ﷺ غار حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور ماہ رمضان کے آخری عشرۃ کے اعتکاف وگوشہ

	نشینی کو آپ ﷺ نے مسنون قرار دیا ہے۔
6۔اناجیل کی رو سے یسوع مسیح کا پیغام صرف بنی اسرائیل کیلئے تھا۔	حضرت خاتم النبیین محمد ﷺ کی بعثت و رسالت تمام مخلوق کیلئے ہے اور آپکا پیغام عالمگیر ہے جیسا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ سے واضح ہے۔
7۔عیسائیت کی تعلیمات میں صرف چند بنیادی مشرکانہ عقائد اور بعض اخلاقی احکام ہیں۔معاشرتی ومعاشی مسائل کو نظرانداز کردیا گیا ہے حکومت وسیاست کے بارے میں کوئی ہدایات نہیں ہیں۔حقوق وفرائض کا بیان بھی نہیں ہے حتی کہ عبادت کا کوئی طریقہ بھی متعین نہیں ہے۔	اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔معاشرتی، معاشی، سیاسی او راخروی تمام امور میں اسلام راہنمائی کرتا ہے۔حقوق وفرائض کی وضاحت کرتا ہے اور عبادت کے طریقے بھی متعین ہیں۔
8۔عیسائیت میں سیاست مذہب سے جدا ہے حتی کہ عیسائی اداروں سے تعلیم پانے والے نام نہاد مسلمان بھی اس بات سے متاثر ہیں اور وہ سیاست میں علماء اسلام کی کاوشوں کو پسند نہیں کرتے۔	اسلام میں سیاست مذہب سے جدا نہیں ہے بلکہ مذہب کا ایک شعبہ ہے۔رسول اللہ ﷺ اور آپکے بعد خلفاء راشدین نے سیاست کی۔سیاست ذاتی طور پر کوئی بری چیز نہیں ہے۔سیاست نام ہے کسی شہر یا ملک میں رہنے والے لوگوں کی اجتماعی ضرورتوں اور

	مصلحتوں کو سمجھنے اور بہتر انداز میں انکو پورا کرنے کا۔
9۔عیسائیت کی کتب (اناجیل) تبدیل شدہ اور غیر محفوظ ہیں۔یہ کتابیں اپنی اصل زبان اور اصلی حالت پر نہیں ہیں۔	مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن محفوظ ہے اور آج بھی اسی زبان میں ہے جس میں نازل ہوئی تھی۔اسکی حفاظت کتابت اور حفظ ان دو طریقوں کے ذریعے سے کی گئی ہے۔
10۔عیسائیت میں بت پرستی رائج ہو چکی ہے۔عیسائی حضرت عیسٰی اور انکی ماں حضرت مریم کے مجسمے بنا کر انکو پوجتے ہیں اور ان مورتیوں سے دعائیں کرتے ہیں۔	اسلام میں بت پرستی ناجائز ہے بلکہ حضرت رسول خدا ﷺ نے بت پرستی کا سبب بننے والی مورتیوں کے بنانے سے سے بھی منع فرمایا تھا۔

المسائل

سوال : اگر اسلام دین حق ہے تو اسکے ماننے والے مسلمان پستی اور تنزل کا شکار کیوں ہیں۔

جواب : اسلام بلاشبہ دین حق ہے اور مسلمانوں کی پستی کیوجہ اسلام کو اختیار کرنا نہیں بلکہ اسلام کی تمام تعلیمات پر عمل نہ کرنا ہے۔ اسکے علاوہ پستی کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں مثلاً (۱) مسلمانوں بالخصوص اسکے حکمرانوں میں نظریاتی یکسوئی کا فقدان (۲) پورے شعور کیساتھ اسلام پر انکا ایمان نہ ہونا (۳) فکری امامت اور سیادت کے مقام سے محرومی۔

سوال : اگر مسلمانوں کی پستی کیوجہ اسلامی تعلیمات پر پوری طرح عمل نہ کرنا ہے تو پھر کفار خوشحال کیوں ہیں؟ کہ وہ تو اسلام کو مانتے ہی نہیں۔

جواب : اسلام کی تعلیمات دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جنکا فائدہ دنیا کی زندگی میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ آخرت میں ہوگا کہ انکی وجہ سے دوزخ سے نجات اور جنت میں رفعتیں حاصل ہونگی۔ مثلاً عقائد اور عبادات۔ اور دوسری قسم ان تعلیمات کی ہے جن پر عمل کرنے سے دنیا کی زندگی میں خوشحالی اور عزت و بلندی حاصل ہوتی ہے۔ کافر اگرچہ اسلام پر ایمان نہیں رکھتے مگر انہوں نے دوسری قسم کی کئی اسلامی باتوں کو اختیار کر رکھا ہے جسکی وجہ سے وہ خوشحال اور ترقی کر رہے ہیں یا کر چکے ہیں۔ مثلاً ملاوٹ نہ کرنا اور اپنے دشمنوں کے خلاف لڑنے کیلئے حسب استطاعت ہتھیار تیار رکھنا۔ جبکہ مسلمان ان باتوں کیطرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے ناقابل اعتبار اور رسوا ہو رہے ہیں اگرچہ آخرت میں ایمان کیوجہ سے مسلمان

نجات پائیں گے اور کافر اپنے کفر کیوجہ سے خائب وخاسر ہونگے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ابتلاء وآزمائش کیلئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی خوشحالی عموماً کافروں کیلئے کردی ہے اور انکے اچھے کاموں کا اجر انہیں دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ یعنی شہرت وخوشحالی وغیرہ کی صورت میں اور آخرت میں انکو کچھ نہ ملے گا اور مسلمانوں کیلئے آخرت کی بہترین زندگی ہے۔ قرآن پاک میں ہے "لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ" قَلِیْلٌ " ثُمَّ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِھَادُ " [1] (ترجمہ) اے سننے والے شہروں میں کافروں کے اکڑ کر چلنے پھرنے سے ہرگز دھوکا نہ کھانا یہ تو تھوڑا سا (دنیا کا) سامان ہے۔ پھر انکا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا بچھونا ہے۔

سورۃ الزخرف میں فرمایا۔ "وَلَوْلَا اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْھَا یَظْھَرُوْنَ ○ وَلِبُیُوْتِھِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْھَا یَتَّکِءُوْنَ ○ وَزُخْرُفًا ط وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ط وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ " [2] (ترجمہ) اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک دین پر ہو جائیں گے تو ہم ضرور رحمان کے منکروں کیلئے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں بناتے جن پر وہ چڑھتے اور انکے گھروں کیلئے چاندی کے دروازے اور چاندی کے تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے اور طرح طرح کی آرائش اور یہ جو کچھ ہے دنیا کی زندگی کا ہی سامان ہے اور آخرت تمہارے رب کے پاس پرہیزگاروں کیلئے ہے۔

سوال: عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب

---

[1] آل عمران' آیت نمبر ۱۹۶، ۱۹۷ [2] سورۃ الزخرف' آیت نمبر ۳۳ تا ۳۵

ہوتا۔ حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہوا کیونکہ چین اور یورپ کے بہت سے علاقوں میں اسلام کبھی غالب نہ ہوا۔

جواب: امام رازی رحمہ اللہ نے اسکے مندرجہ ذیل دو جواب دیئے۔ ایک یہ کہ یہ غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت امام مہدیؓ کے ظہور کے وقت ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ وہ اسلام کو تمام ادیان پر بلند کردے گا اور اس وعدہ کا تمام ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری کے وقت ہوگا۔ امام سدی نے کہا کہ یہ خروج مہدی کے وقت ہوگا کہ کوئی شخص باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ اسلام میں داخل ہوگا یا خراج ادا کرے گا۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ اس اظہار سے مراد جزیرہ عرب میں اسلام کا غلبہ ہے اور یہ بلاشبہ حاصل ہو چکا ہے۔ [1]

سوال: جہاد کی وجہ سے امریکہ اور مغربی ممالک کی طرف سے مسلمانوں پر دہشت گردی اور فساد پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے کیا یہ الزام صحیح ہے؟

جواب: یہ الزام بالکل غلط ہے۔ مسلمان جہاد ضرور کرتے ہیں کہ یہ ان پر فرض ہے مگر وہ فساد نہیں پھیلاتے۔ اسلام فساد سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ [2] (ترجمہ) زمین میں فساد نہ کرو۔ فساد اس چیز کا نام ہے جس کا مظاہرہ کافروں نے تقسیم ہند کے وقت مشرقی پنجاب اور جموں میں کیا تھا یا اب جو کافروں نے کشمیر، چیچنیا، فلسطین اور عراق میں ناجائز طور پر مداخلت کرکے برپا کر رکھا ہے۔ یہ فساد ہے اور

---

[1] تفسیر کبیر، ج ۱۶، ص ۳۰ [2] سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۵۶

مسلمانوں کی مزاحمت تو اس ناجائز مداخلت اور جارحانہ کاروائیوں کو روکنے کیلئے ہے۔ اس مزاحمت پر ان کو دہشت گرد یا بدمعاش کہنا ایسے ہے جیسے کوئی بدمعاش کسی شریف و معزز آدمی کے گھر گھس جائے اور صاحب خانہ اپنی عزت و مال کو بچانے کیلئے مزاحمت شروع کردے۔ بدمعاش گھر سے نکلنے کی بجائے یہ شور مچادے کہ اس گھر والا دہشت گرد ہے اور بدمعاش ہے کہ وہ مجھ سے مزاحمت کررہا ہے لہٰذا تمام افراد ملکر اس گھر والے کا بائیکاٹ کردیں اور اس پر فلاں فلاں پابندیاں لگادی جائیں۔ مسلمان اگرچہ صلح و آشتی اور سلامتی کا علمبردار ہے لیکن اسکے باوجود جب وہ تلوار لیکر میدان کارزار میں آجاتا ہے تو اسکا یہ اقدام سلامتی اور عافیت ہی کیلئے ہوتا ہے۔ گندہ مواد جب جمع ہوکر پھوڑے کی شکل اختیار کرلے تو وہاں سلامتی کا اقدام بھی ہے کہ نشتر پکڑ کر آپریشن کردیا جائے تاکہ گندہ مواد نکل جائے اور سلامتی و عافیت کی راہ نکل آئے۔ کافر محض دنیا کیلئے جنگ کرتا ہے شہرت کیلئے لڑتا ہے دوسروں پر دہشت پیدا کرنے کیلئے لڑتا ہے اور اپنے غلبہ کیلئے لڑتا ہے اسلئے اسکا یہ اقدام فساد ہے اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ [1] کی تعمیل میں ظلم و ستم کو ختم کرنے اور اللہ کے دین و فرمانبرداری کو غالب کرنے کیلئے ہتھیار اٹھاتا ہے اسلئے اسکی جنگ جہاد ہے اور اس مقصد کے ضمن میں دنیا کا مال و اسباب بھی مل جائے تو وہ مال غنیمت ہے جو خدا کی طرف سے مسلمانوں کو بالتبع عطا ہوتا ہے۔

سوال: اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت عورتوں پر زیادتی اور عیش پسندی ہے۔ خود پیغمبر اسلام ﷺ نے متعدد شادیاں کرکے اس عیش پسندی کو رواج دیا۔

---

۱ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۳

جواب: یہ دراصل مستشرقین کی طرف دو اعتراض ہیں ایک اسلامی تعلیمات پر اور دوسرا آنحضرت ﷺ کے بے عیب کردار پر گرد ڈالنے کی کوشش ہے۔ لہٰذا انکے جواب علیحدہ علیحدہ دیئے جاتے ہیں۔

تعدد ازواج: تعدد ازواج یعنی ایک مرد کا بیک وقت ایک سے زیادہ عورتوں کا شوہر ہونا نہ صرف عربوں بلکہ پرانے وقتوں کی تمام اقوام میں ایک مسلمہ بات تھی۔ ہندومت میں اونچی ذات کے برہمن کو آجکل کے زمانے میں بھی جتنی بیویاں وہ چاہے رکھنے کی اجازت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل میں تعدد ازدواج کا دستور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قائم رہنے دیا، حضرت داؤد علیہ السلام جنہیں انجیل قدیم محبوب خدا کہتی ہے نے ایک سو عورتوں سے شادی کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اسکی ممانعت نہیں کی۔ مغربی اقوام میں آج بھی عموماً لوگوں نے اپنی بیویوں کے علاوہ لاتعداد داشتہ عورتیں یا گرل فرینڈز (دوست لڑکیاں) رکھی ہوئی ہیں، بالکل کھلا آزادی کیوجہ سے بیویوں کے کثیر الوقوع تبادلے اور کلبوں میں عیاشی یہ سب چیزیں تعدد ازدواج پر دلالت کرتی ہیں۔ تو عیسائی مصنفین کا یہ کہنا کہ حضرت محمد ﷺ نے تعدد ازدواج کی داغ بیل ڈالی یا یہ خیال کہ آپ ﷺ اسکے موجد تھے محض عصبیت یا جہالت کا نتیجہ ہے۔ آپ ﷺ نے تو تعدد ازدواج اور عورتوں سے متعلقہ دیگر امور میں پائی جانے والی خرابیوں کو دور کرنے کیلئے اصلاحات فرمائیں اور آپکی یہ اصلاحات عورتوں کے حق میں نشان رحمت بن کر آئیں۔ آپ ﷺ نے مشروط نکاحوں اور عارضی نکاحوں (یعنی متعہ) کو ختم کردیا اور اپنے ماننے والوں کیلئے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی شرعی حد مقرر فرماکر زائد پر پابندی لگادی اور ایک

کی عمر اس وقت صرف سات برس تھی تو ابو بکر ؓ کے اصرار پر آنحضرت ﷺ نے اس کمسن لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول فرمایا۔

حضرت عمر بن خطاب جو بعد میں خلیفہ ثانی ہوئے کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا خاوند غزوہ بدر میں شہید ہو گیا۔ چونکہ وہ اپنے باپ کی طرح شعلہ مزاج تھیں اس لیے کوئی ان سے شادی کیلئے مائل نہ ہوا۔ حضرت عمر ؓ نے حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عثمان ؓ کو پیغام نکاح دیا دونوں میں سے کسی نے بھی رضامندی ظاہر نہ کی۔ اس سے حضرت عمر کو بہت رنج ہوا چنانچہ وہ غم وغصہ کے عالم میں آستانہ نبوی پر نالش لے کر پہنچے کیونکہ اس میں ان کی عزت کا سوال تھا۔ اس حال میں سید دو عالم ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں لے کر حضرت عمر کا غصہ فرو کیا اور رائے عامہ نے نہ صرف اسکو سراہا بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کیا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید کی شادی اپنی پھوپھی امیمہ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دی۔ فخر نسب اور غالباً غرور حسن کی وجہ سے حضرت زینب ایک آزاد کردہ غلام کی زوجیت میں خوش نہ تھیں۔ میاں بیوی کے تعلقات بگڑتے بگڑتے باہمی نفرت کی حد کو پہنچ گئے۔ بالآخر حضرت زید ؓ نے زینب کو طلاق دے دی۔ آنحضرت ﷺ کو اسکا بہت ملال ہوا خصوصاً اس لیے کہ زینب آپ ﷺ کے حکم پر ہی حضرت زید سے نکاح کیلئے آمادہ ہوئی ہیں۔ تو حضرت زینب ؓ کی دلجوئی اور متبنٰی بیٹے کی مطلقہ سے حرمتِ نکاح کے جاہلی دستور کو ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کا نکاح اپنے رسول ﷺ سے کر دیا۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایک اور بیوی حضرت جویریہ (جنکا پہلے مبرہ نام تھا) قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ آپ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے شادی شدہ تھیں۔ ایک لڑائی میں گرفتار ہو کر مال غنیمت کے طور پر حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فدیہ دیکر ان کو رہائی دلوائی تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اس احسان کا معاوضہ آنحضرت ﷺ کی زوجیت کی صورت میں ادا کیا۔ مسلمانوں نے جب اس شادی کی خبر سنی تو یک زبان ہو کر کہا کہ بنو مصطلق اب رسول ﷺ کے قرابت دار ہیں لہٰذا اب ہمیں ان سے اسکے مطابق سلوک کرنا چاہیے۔ چنانچہ جس مسلمان کے پاس اس قبیلہ کا کوئی آدمی گرفتار تھا اسے رہا کر دیا۔ اس طرح ایک سو خاندانوں نے آزادی پا کر اس نئے عقد کے حق میں دعائے خیر کی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خیبر کے یہودی سردار کی بیٹی اور شادی شدہ تھیں۔ جنگ خیبر میں گرفتار ہو کر آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فدیہ دے کر آزادی دلائی اور پھر ان کی درخواست پر ہی انہیں اپنی ازواج مطہرات کے زمرہ میں شامل فرمالیا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا جن سے رسول خدا ﷺ نے مکہ میں شادی کی آپ ﷺ کی قریبی رشتہ دار اور غریب تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں دو دفعہ انکی شادی ہو چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے شادی کے وقت انکی عمر پچاس برس سے اوپر تھی اس شادی سے صرف یہی نہیں ہوا کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی قریبی غریب عورت کو تحفظ دیا بلکہ دو مشہور ہستیاں حضرت ابن عباس اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما دائرہ اسلام میں آ گئیں۔ [1]

[1] روح اسلام، مصنفہ سید امیر علی، باب ۵

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوسفیان کی بیٹی تھیں، اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں۔ ان کا شوہر وہاں جا کر عیسائی ہوگیا۔ دیار غیر میں یہ فراق ان کے لیے یقیناً نہایت پریشان کن تھا تو مصیبت کے ان لمحات میں آپ ﷺ نے شاہ حبشہ حضرت نجاشی جو آپ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے کے ذریعہ انہیں پیغام نکاح بھیج کر اپنی زوجیت میں لیا۔

اس طرح حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہما بھی کفار کے ہاتھوں بیوہ ہوگئیں۔ انکا بار کفالت اٹھانے والا کوئی نہ تھا تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی زوجیت میں لیا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آنحضرت ﷺ کی تمام بیویاں مطلقہ یا بیوہ تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اگرچہ کنواری تھیں مگر بوقت نکاح انکی عمر سات برس اور بوقت رخصتی عمر صرف نو برس تھی اور اس عمر کی لڑکی میں عموماً مرد کیلئے زیادہ کشش و میلان نہیں ہوتا۔

اگر بالفرض آپ ﷺ نے عیش پسندی کیلئے متعدد نکاح کیے ہوتے تو آپ کنواری جوان عورتوں سے نکاح کرتے اور اگر آپ ﷺ ایسی خواہش کا اظہار فرماتے تو آپ کے ماننے والے یقیناً اپنی کنواری بیٹیاں آپ ﷺ کی زوجیت میں دینا باعث شرف خیال کرتے مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے عیش پسندی کیلئے متعدد شادیاں نہیں کی تھیں بلکہ اسکی کچھ اور وجوہ ہوسکتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ اپنے وفاداروں کی دل جوئی کرنا اور جاں نثار صحابیوں کی بیواؤں کو تحفظ فراہم کرنا۔

۲۔ مختلف قبائل کی عورتوں سے نکاح کر کے اس عناد و دشمنی کو کم کرنا جو اعلان نبوت کی وجہ

سے پیدا ہو چکی تھیں۔ سسرالی رشتے بھی ایک نعمت اور رحمت ہوتے ہیں۔ عموی فطرت بھی ہے کہ رشتہ ہو جانے پر سسرالیوں کا رویہ اپنی بیٹی کے شوہر سے مشفقانہ ہو جاتا ہے اور سخت مزاج کے لوگ بھی ایسے رشتے کی وجہ سے نرم پڑ جاتے ہیں۔

۳۔ مختلف قبائل میں شادیوں کے ذریعہ ایسے قبیلوں کو جو ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے باہم شیر و شکر کر کے ملت کے شیرازہ کو مربوط کرنا۔

۴۔ دینی تعلیمات کا ایک حصہ عورتوں کے مخصوص مسائل سے متعلق ہے۔ آپ ﷺ شرم وحیا کے پیکر تھے تو ایسے مسائل کی تعلیم و وضاحت کا مناسب طریقہ یہی تھا کہ آپ ﷺ متعدد نکاح فرمائیں اور آپکی بیویاں عورتوں سے متعلقہ مسائل آپ سے معلوم کر کے آگے عورتوں کو بیان کریں۔

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ اسلام آزادی نسواں کا مخالف ہے کہ عورت کو گھر سے نکلنے اور غیر مرد کے ساتھ گفتگو کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔

جواب: آزادی نسواں کا مطلب اگر عورتوں کا غیر محرم مردوں کے ساتھ خلوتیں کرنا، نیم عریاں حالت میں بازاروں میں گھومنا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے اپنے حسن کی نمائش کرنا اور چہک چہک کر ان سے باتیں کرنا ہے تو اسلام ہرگز ایسی آزادی کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہ کام زنا کے دواعی ہیں اور زنا ایسا بے حیائی کا کام ہے کہ ہر دین میں حرام ہے اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے یہ چیزیں مغربی ثقافت سے ہیں جن کے اثرات بد کے جہنم میں مغرب جل رہا ہے۔ دین اسلام نے مسلمانوں کو زنا سے بچانے کیلئے زنا کی دعوت اور اسکی طرف میل کرنے والی تمام باتوں کو بھی حرام کر دیا

ہے۔ غیر محرم کیساتھ خلوت وتنہائی کرنا خواہ وہ منگیتر ہی کیوں نہ ہو حرام کر دیا اور غیروں کے سامنے اپنے حسن کی نمائش اور لبھا دینے والے انداز میں ان سے بات کرنے پر بھی پابندی لگا دی۔ مسلمان عورت کو بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ تمام پابندیاں قبول کرنی چاہییں اور ان پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے اسے اپنے ذاتی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی معاملات میں آزادی حاصل ہے جب بالغہ ہو جائے تو وہ اپنے آپ کی کسی بھی دوسرے فرد کی نسبت زیادہ حقدار ہے اس کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کسی بادشاہ سے بھی نہیں کی جاسکتی اور وہ خود اپنا نکاح جہاں چاہے کر سکتی ہے بشرطیکہ کفو سے نہ کرے ورنہ نکاح نہ ہوگا کیونکہ غیر کفو سے نکاح اس کے والدین کیلئے رسوائی کا باعث ہوگا اور عورت کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ محض اپنے نفس کی تسکین کیلئے اپنے ان والدین کی عزت ووقار کو خاک میں ملا دے جنہوں نے اسے بڑی محبتوں سے پالا اور اسکے آرام کی خاطر اپنی خواہشوں اور خوشیوں کو قربان کیا۔ اپنے حق کی خاطر دوسرے کے حقوق کو پامال کرنا اور اسے رسوا کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اگر شوہر کو طلاق کا حق حاصل ہے تو عورت کیلئے بھی جائز ہے کہ اگر شوہر سے نفرت ہو جائے اور اس سے علیحدگی چاہے تو (حق مہر یا کسی اور مال کے عوض) اس سے خلع لیکر علیحدہ ہو جائے۔ شوہر فوت ہو جائے تو اسلام اسے عقد ثانی کرنے کا اختیار دیتا ہے اپنے مالی معاملات میں بھی عورت خود مختار ہے۔ محنت ومزدوری سے مال کما سکتی ہے۔ ملازمت اور کاروبار کے سلسلہ میں گھر سے باہر بھی جاسکتی ہے بشرطیکہ شوہر کی اجازت سے جائے اور غیر محرم فرد یا افراد سے اختلاط وتنہائی نہ ہو۔

عورت کو جہیز، وراثت یا حق مہر میں جو کچھ ملے یا محنت ومزدوری کر کے جو کچھ

کمائے وہ سب اسکی ملکیت ہوگا اور شوہر کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی بیوی کی اجازت یا رضا مندی کے بغیر اس میں تصرف کرے۔ علم حاصل کرنے کی بھی اسے اجازت ہے بلکہ دین کے ضروری مسائل کا سیکھنا مرد وعورت ہر دونوں پر فرض ہے۔ بصورت ضرورت غیر مرد کیساتھ گفتگو کرنا بھی عورت کیلئے منع نہیں بشرطیکہ دل لبھانے کے انداز میں بات نہ کرے۔ صحابہ کرام امہات المومنین سے مسائل پوچھا کرتے تھے اور وہ انکو جواب دیتی تھیں اور درمیان میں پردہ حائل ہوتا تھا۔ عورت کیلئے اپنے گھر میں رہنا ہی بہتر ہے البتہ اپنے کسی دینی کام مثلاً حج وعمرہ، عیدین اور دنیاوی کاموں کیلئے گھر سے باہر بھی جاسکتی ہے بشرطیکہ اپنے سر اور جسم کو ڈھانپ کے نکلے اور اگر راہ گزر میں فساق ہوں تو اپنے چہرے کو بھی نقاب یا چادر کے ساتھ چھپالے تا کہ اس کی عصمت محفوظ رہے۔ مذکورہ پابندیوں کے ساتھ سیاسی معاملات میں بھی حصہ لے سکتی ہے۔ خلافت وامامت کے سوا ہر عہدہ پر فائز ہو سکتی ہے مگر سیاست میں مردوں کے ساتھ اختلاط وتنہائی سے بچنا چونکہ بہت مشکل ہے اس لیے سیاست میں اسکا حصہ لینا شرعاً ناپسند سمجھا جاتا ہے۔ اس قدر آزادی کے باوجود یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ اسلام عورت کی آزادی کو سلب کرتا ہے۔

اعتراض: اسلام میں عورتوں کے حقوق کا استیصال کیا جاتا ہے۔ مثلاً وراثت میں عورت کا حق مرد کی نسبت آدھا ہے بلکہ غریب اور متوسط طبقہ میں وہ بھی نہیں دیا جاتا۔

جواب: اسلام عورتوں کے حقوق کا استیصال نہیں کرتا بلکہ تحفظ کرتا ہے۔ یہ دین اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کو وراثت میں حقدار بنایا، باوجودیکہ تمام نفقہ مرد کے ذمہ ہے شادی سے پہلے والد و بھائی کے ذمہ اور شادی کے بعد شوہر کے ذمہ۔

اسی ذمہ داری کی وجہ سے اسلام نے مرد کو وراثت میں زیادہ حصہ دیا مگر عورت کو بھی حصہ دیا اگرچہ مرد کی نسبت آدھا سہی۔ عام سوچ کے مطابق تو عورتوں کو وراثت میں آدھا حق بھی نہیں ملنا چاہیے تھا کیونکہ ان کے ذمہ کوئی نفقہ نہیں ہے مگر یہ دین کا کرم ہے کہ اس نے اپنے دامن سے وابستہ عورتوں کو وراثت میں نہ صرف حق دیا بلکہ انکا تعین بھی کر دیا۔ قرآن مجید میں آٹھ قسم کی عورتوں کے حصوں کا تعین فرمایا گیا ہے جبکہ مردوں میں سے صرف چار کے حصوں کا تعین کیا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ عورتوں کے حقوق کو استیصال سے بچانے کی ایک صورت ہے۔ باقی رہا مسلمانوں کا حیلے بہانے سے عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنا تو یہ الزام دین اسلام کو دینا قطعاً غلط ہے یہ تو لوگوں کا اپنا عمل ہے جس کے وہ خود جواب دہ ہیں۔ مسلمانوں میں ایسی غلط باتوں کا وجود شاید اس معاشرت کی وجہ سے ہے جو پاکستان بننے سے پہلے ہندوں اور مسلمانوں میں تھی۔ پاکستان بننے کے بعد ہندو تو یہاں سے چلے گئے مگر انکی غلط رسوم و روایات جو مسلمانوں میں سرایت کر چکی تھیں آج بھی باقی ہیں جنہیں ختم کرنا ضروری ہے۔

اعتراض: اسلام میں عورت کی گواہی آدھی ہے اور یہ اسکے حق کا استیصال ہے اور اس میں اسکی حقارت کا پہلو نکلتا ہے؟

جواب: حقوق میں عورت کی گواہی آدھی ہونے میں اسکے حق کا استیصال کیسے ہو گیا؟ یہ تو اسکے حق میں رحمت ہے کہ اسے عدالتی دھکوں اور خواری سے بچایا گیا ہے۔ جب فریقین کا علم ہوگا کہ عورت کی گواہی آدھی ہے تو وہ ایک مرد اور دو عورتوں کو عدالت میں لے جانے کی بجائے صرف دو مردوں کو لے جانے میں دلچسپی لیں گے اور عورتوں پر گواہی دینے

کیلئے دباؤ نہیں ڈالیں گے تو اس طرح عورت ذہنی اور جسمانی پریشانی و مشقت سے بچ جائے گی اور یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلام میں عورت کی گواہی کا آدھا ہونا اسے ذلیل و حقیر سمجھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ نسیان کی وجہ سے ہے جو عموماً عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید فرماتا ہے "اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى"[1] (کہیں ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے)۔

اعتراض: اسلام میں حدود و قصاص کا نظام وحشتانہ و ظالمانہ ہے۔ سرعام سزائیں دیکر وحشت پیدا کی جاتی ہے اور چور کے ہاتھ کاٹ کر اسے ہمیشہ کیلئے ذلت و رسوائی میں مبتلاء کر دیا جاتا ہے۔

جواب: اسلام کا نظام حدود و قصاص ظالمانہ نہیں بلکہ لوگوں کیلئے باعث رحمت اور امن کا ضامن ہے۔ کسی بھی مجرم کو سزا ملنا اس کے اپنے جرم کا نتیجہ ہوتا ہے اور رہا سزا کا سرعام یا خفیہ دینا اسکی بنا مقاصد پر ہے۔ اگر سزا سے مقصود صرف انتقام ہو تو جیل میں خفیہ طور پر پھانسی وغیرہ دینے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر مقصد معاشرتی نظام میں ممکنہ خرابی کو روکنا ہو تو خفیہ سزا دینے سے یہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ اسلام میں سزاؤں کا نفاذ بطور انتقام کے نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے نفاذ سے مقصود مظلوم کی حمایت کرنا، امن پسند اور شریف شہریوں میں احساس تحفظ پیدا کرنا اور سماج دشمن عناصر کے دل میں خوف خدا پیدا کر کے انہیں ایسی حرکات سے باز رکھنا ہے جن کی وجہ سے معاشرے میں فساد پیدا ہو سکتا ہے اور رہا ظاہر ہے

[1] سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۲

کہ ان مقاصد کے حصول کیلئے محض آخرت کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ جرائم پر عبرت ناک سزا مقرر کی جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ مجرم کو سزا عوام الناس کے سامنے دی جائے تا کہ اسکے انجام کو دیکھ کر لوگ اس قسم کے جرم کرنے کی جرأت نہ کریں اور قاتل کو قتل کر دینا اور چور کا ہاتھ کاٹ دینا بھی تقاضائے عقل کے مطابق ہے۔ اگر ہاتھ پر کوئی پھوڑا نکل آئے اور وہ آگے بڑھ رہا ہو تو ضروری ہے کہ جسم کے اس حصہ کو کاٹ دیا جائے کہ کہیں زخم سرایت کر کے سارے ہاتھ کو خراب نہ کر دے اسی طرح جب کچھ لوگ اعلانیہ گناہ کے کام کرنا شروع کر دیں تو ضروری ہے کہ ایسے لوگوں سے معاشرہ کو پاک کر دیا جائے۔ جائز ذرائع سے روزی حاصل کرنے کی بجائے چوری کا ارتکاب کرنے والے شخص کے ہاتھ کو کاٹ کر دوسروں کیلئے نشان عبرت بنا دیا جائے اور وہ شخص جو شادی شدہ ہونے کے باوجود دوسرے مسلمان کی عزت پر ہاتھ ڈالتا ہے اور اس کے پورے خاندان کو رسوا کر دیتا ہے تو وہ بھی اس لائق نہیں ہے کہ اسے باقی رکھا جائے۔

سوال: بعض اوقات مغربی خیالات سے متاثر تعلیم یافتہ لوگوں سے سنا جاتا ہے کہ آزادی انسان کا طبعی اور بنیادی حق ہے جس کا مطلب وہ یہ لیا کرتے ہیں کہ قانون شریعت کی پابندی کروانا صحیح نہیں ہے یہ ہر شخص کا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔ حکومت کو اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ تو کیا یہ بات صحیح ہے؟۔

جواب: یہ بات بالکل غلط ہے۔ ایسے تعلیم یافتہ لوگ دین سے جاہل ہوتے ہیں ان کی یہ بات مغرب کی دہریت پسند سوسائٹی میں تو مسلّم ہے مگر عقل اور شرع کی رو سے غلط ہے۔ عقلاً تو اس اعتبار سے کہ قانون ملکی خواہ شخصی ہو یا جمہوری دونوں صورتوں میں

ہر انسان پر اپنے ملکی قانون کی پابندی لازم قرار دی گئی ہے اور یہ پابندی ڈنڈے کے زور سے کروائی جاتی ہے اور اس جبر سے نہ تو آزادی کے سلب ہونے کا اعتراض کیا جاتا ہے اور نہ عزت کے مجروح ہونے کا۔ تو جب انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی پابندی قابل اعتراض نہیں ہے تو تقاضائے عقل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو تمام مخلوق کا مالک حقیقی ہے اس کے بنائے ہوئے قانون کی پابندی کروانے پر بھی اعتراض نہ کیا جائے اور شرعاً اس لیے انکی بات غلط ہے کہ انسان بالکل آزاد نہیں ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو مانے خواہ وہ عبادات سے متعلق ہو یا معاملات و عقوبات سے متعلق ہو اور جب کسی شیٔ کے بارے میں اللہ جل شانہٗ اور اسکا رسول ﷺ فیصلہ فرما دے تو کسی ایماندار مرد یا عورت کیلئے اس میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا انکا خیال تھا کہ حضور ﷺ نے اپنے لیے پیغام بھیجا ہے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے غلام زید بن حارثہ کیلئے نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے پسند نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی کہ "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا "[1] (اور کسی مسلمان مرد و عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اسکا رسول کسی بات کا حکم فرمائیں تو انہیں اپنے کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا حکم نہ مانے تو وہ بیشک کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔) غور

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۶

فرمایئے کہ یہ حکم محض عبادات سے تعلق نہ رکھتا تھا بلکہ معاملات سے تعلق رکھتا تھا۔ نکاح کا مسئلہ تھا حضرت زینب حضرت زید سے اپنے نکاح کیے جانے کو پسند نہ کرتی تھیں لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمادیا تھا لہٰذا انہیں تنبیہ کردی گئی کہ یہ فیصلہ تمہیں تسلیم کرنا ہی ہوگا اور اپنی پسند رسول اللہ ﷺ کی پسند کو ترجیح دینا ہوگی معلوم ہوا کہ صرف عبادات میں ہی نہیں بلکہ ہر کام میں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت ضروری ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ فرائض کی بجا آوری اور محرکات سے اجتناب کی پابندی کرواتے تھے۔ جو شخص زنا، چوری، شراب نوشی یا ارتداد کا مرتکب ہوتا آپ ﷺ اسکو سزا دیتے تھے اور اس پر حد جاری فرماتے تھے اور نماز باجماعت کی ادائیگی میں سستی کرنے والوں پر زجر و توبیخ فرماتے۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کو جہاد کی دھمکی دی تھی۔ یہ سب باتیں قوانین شریعت کی پابندی کروانے کیلئے تھیں البتہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ شریعت کی پابندی کروانے کیلئے ہر بات پر ڈنڈا چلانے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض باتوں میں زجر و توبیخ یا سزا ہے اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جس میں صرف وعظ و نصیحت ہے اور اسکے ارتکاب پر سزا دینے کی اجازت نہیں ہے۔

سوال: جب عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ" اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہتے ہیں تو یہ شرک میں بمنزلہ مشرکین کے ہوئے ان میں اور بت پرستوں میں کوئی فرق نہ ہوا تو پھر کیا وجہ ہے کہ قبول جزیہ کی رعایت صرف یہودیوں اور عیسائیوں کیلئے خاص کی گئی ہے۔

جواب: اگرچہ حقیقت میں اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان کوئی فرق نہیں

ہے مگر چونکہ یہ اپنے آپ کو جناب موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تورات وانجیل کے ساتھ عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان دو معظم رسولوں کی تعظیم اور انکی کتابوں کی تعظیم اور ان اسلاف کی تعظیم کی وجہ سے جو دین حق پر تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے جزیہ قبول کرنے کا حکم فرمایا۔ ۱؎

سوال: کیا عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں وغیرہم غیر مسلموں سے دوستی جائز ہے؟

جواب: کافروں کے ساتھ دوستی اور انکے ساتھ اپنے تعلق کو ذریعہ اعزاز سمجھنا غلط و ناجائز ہے ہاں اگر جان و مال یا اپنے وطن کو ان سے بچانے کیلئے ظاہر داری کرلی جائے تو معاف ہے بشرطیکہ دل میں ان سے عداوت ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۲؎ (مسلمان مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنے حمایتی دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اسکا اللہ تعالیٰ سے کچھ تعلق نہ رہے گا مگر یہ کہ تمہیں انکا خوف ہو)۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ۔ ۳؎ اے ایمان والوں یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ وہ آپ میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہی میں سے ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ. اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ وَاغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِذُرِّيَّتِيْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

۱؎ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۳۳ ۲؎ سورۃ آل عمران، آیت ۲۸ ۳؎ سورۃ المائدہ، آیت ۱۵

علم صرف میں قابل اعتماد جامع کتاب

صرفِ قادری

تصنیف

حضرت مولانا مفتی

محمد انور القادری النوری

شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور



بزم نور مدرسہ خلیل اکبر شالامار ٹاؤن لاہور